احسن البیان

فی تفسیر القرآن

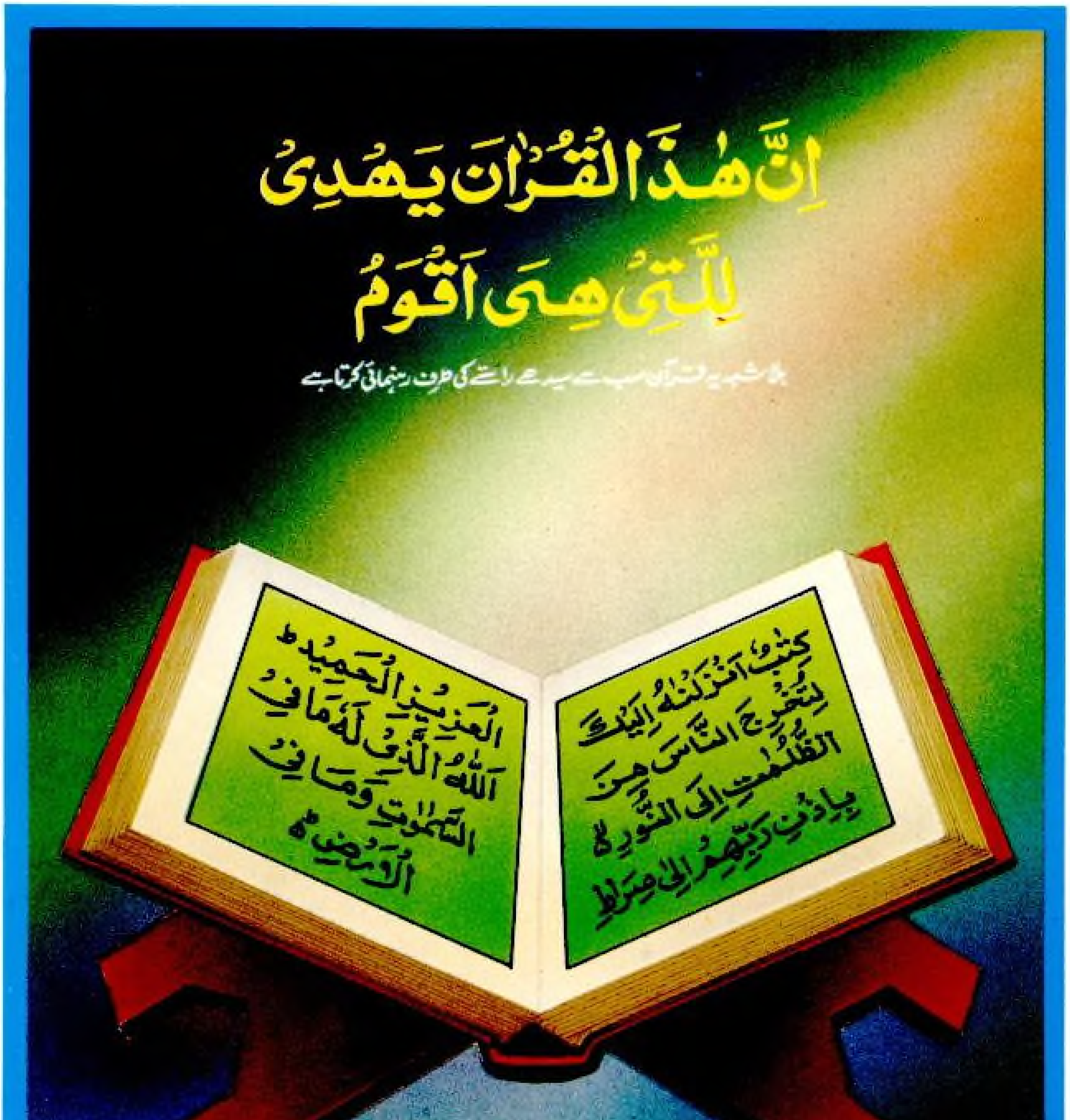

سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم
بلاشبہ یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

احسن البیان

فی تفسیرِ القرآن

حصہ اول

سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ

سید فضل الرحمٰن

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

دوکان نمبر ۲۲، بلاک ۲، زینت اسکوائر، ابن سینا روڈ
الیف۔ سی۔ ایریا۔ کراچی۔ ۱۹

جملہ حقوق بحق زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز محفوظ ہیں

اشاعت اول	ربیع الاول ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء
تعداد	۱۲۰۰
ناشر	زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

طابع

اونیسٹ پرنٹرز ۔ زینت اسکوائر ۔ ابن سینا روڈ ایف سی ایریا ۔ کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

دوکان نمبر ۲۲، بلاک ۲ ۔ زینت اسکوائر ۔ ابن سینا روڈ ۔ ایف سی ایریا ۔ کراچی ۔ ۱۹

۲۔ ادارہ مجددیہ ۲\۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

عرضِ ناشر

آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں الیکٹرونک میڈیا کتب بینی کے ذوق پر اثر انداز ہوا ہے ، وہاں مصروفیات میں بے پناہ اضافہ بھی اس میں خاصی حد تک کارفرما نظر آتا ہے ۔ غیر معیاری اور گھٹیا مواد پر مشتمل غیر مہذب اور مخرّبِ اخلاق ڈائجسٹ اور کتابوں کے سیلاب کا نہ تھمنے والا ریلا بھی جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے ۔ اس کے علاوہ رہی سہی کسر معیاری کتب کی کمیابی ، قیمتوں میں بے تحاشا اضافے اور ہوشربا گرانی نے پوری کر دی ہے ۔ ان حالات میں مطالعہ کی روایت قصۂ پارینہ اور معیاری کتب کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ، مزید برآں دینی معلومات میں کمی اور مذہب سے دوری بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے بھیانک اور منفی اثرات بڑی تیزی سے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں ۔ اس وقت ہمارا معاشرتی ڈھانچہ جس شکست و ریخت سے دو چار ہے اور اخلاقی اقدار جس تیزی سے انحطاط پذیر ہیں اس کے پیش نظر اصلاح معاشرہ کی طرف التفات ناگزیر ہے اور اس سے چشم پوشی اور تساہل پسندی کی موجودہ روش ہماری سنہری اقدار و روایات کے لئے سِمّ قاتل اور معاشرتی خود کشی کے مترادف ہے ۔

زوّار اکیڈمی کا قیام :   حالات کی سنگینی اور نزاکت کے پیش نظر آج سے تقریباً چودہ سال قبل ۱۹۷۸ء میں جب زوّار اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے اغراض و مقاصد میں یہ بات پیش نظر تھی کہ اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی اقدار کی سر بلندی اور اشاعتِ دین کے لئے یہ ادارہ ہر ممکن خدمات سر انجام دے گا مگر اس کے بعد کچھ انتظامی دشواریاں اور ایسے اسباب و حالات پیدا ہوئے کہ زوّار اکیڈمی صرف فائلوں تک محدود ہو کر رہ گئی ۔ خداوند قدوس کے فضل و کرم سے آج ہم اس اکیڈمی کے ایک ذیلی ادارہ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کا باقاعدہ آغاز کر رہے ہیں اور اس طرح زوّار اکیڈمی کے ایک اہم پروجیکٹ کی ابتداء ہو رہی ہے ۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ ، کے حضور ہم جس قدر شکر ادا کریں کم ہے ۔

اغراض و مقاصد: ادارہ کے قیام کے پیش نظر اہم مقاصد یہ ہیں۔

۱ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں مذہبی شعور پیدا کرنا۔

۲ عوام کی سہولت کے لئے اختصار و جامعیت کے ساتھ دلکش اسلوب اور عام فہم انداز میں تفسیر و حدیث، فقہ، تصوف، اخلاقیات اور اصلاح معاشرہ وغیرہ موضوعات پر معیاری کتب کی نشر و اشاعت۔

۳ اسوۂ حسنہ، خلفائے راشدین، اکابر صوفیائے عظام اور علماء و محققین کی تعلیمات، کارناموں اور سوانح کی ترویج و اشاعت۔

۴ جدید دور کے معاشرتی مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کرنا۔

۵ اسلامی نظامِ حیات کے مختلف پہلوؤں کو عام فہم انداز میں پیش کرنا۔

پہلی پیش کش: ادارہ اپنے کام کی ابتدا۔ قرآنِ کریم کی تفسیر جیسے عظیم اور مُبارک کام سے کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں احسنُ البیان فی تفسیرِ القرآن پیش کرنیکی سعادت حاصل ہو رہی ہے جو نہایت آسان، مختصر اور عام فہم ہے۔ پہلا حصہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مقبول و نافع بنائے اور ہمارے لئے نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اس موقع پر ادارہ اللہ تعالیٰ جلّ و علاء کا جس قدر شکر ادا کرے کم ہے کہ اس نے اپنی توفیق اور رحمتِ خاصّہ سے ادارے کے کام کا آغاز اپنے بابرکت کلام کی اشاعت سے کرایا۔ **له الحمد فی الاولیٰ والاٰخرۃ**۔

ناظم ادارہ

فہرست عنوانات

عرض ناشر ۳
فہرست عنوانات ۵
پیش لفظ ۱۳
دیباچہ ۱۴

قرآنی علوم کا تعارف ۱۹

باب اول۔ قرآن اور وحی ۱۹

قرآن کی تعریف ۱۹
قرآن کریم کے نام ۱۹
قرآن کی وجہ تسمیہ ۲۱
نبوت و رسالت ۲۳
وحی کا مفہوم ۲۵
لغوی وحی کی قسمیں ۲۵
فطری ۲۵
ایجادی ۲۶
عرفانی ۲۶
شرعی وحی ۲۶
شرعی وحی کی قسمیں ۲۷
وحی قلبی ۲۷
تکلم ربانی ۲۷
وحی ملکی ۲۷
آپ پر نازل وحی کی کیفیت ۲۸
اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ۲۹
فرشتہ کی طرف سے القاء ۲۹
فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا ۲۹
رویائے صادقہ ۲۹
وحی متلو و غیر متلو ۳۰

باب دوم۔ فضائل قرآن ۳۱

قوموں کا عروج و زوال ۳۱
قرآن کا معلم ۳۱
نزول ملائکہ ۳۲
نزول سکینہ ۳۲
ذخیرہ آخرت ۳۲
حافظ کی شفاعت ۳۲
محافظ فرشتے کا تقرر ۳۲
خیر و برکت کا باعث ۳۳
اللہ تعالیٰ کے اہل ۳۳
قلب کا صیقل ۳۳
حافظ کی مثال ۳۳
بہترین گفتگو ۳۳
بہترین رفیق ۳۴
جنت کا تاج ۳۴
قرآن پڑھنے کا انعام ۳۴
دعا کی قبولیت ۳۴
ایک آیت سیکھنے کی فضیلت ۳۴
بزرگی کا تاج ۳۴
قرآن کی شفاعت ۳۵
تلاوت دل لگنے تک کرنا ۳۵
گھروں کو منور کرنا ۳۵
ویران قلب ۳۵
حساب سے مستثنیٰ لوگ ۳۵
مشک کی تھیلی ۳۵
دس آیتوں کی تلاوت ۳۶

علم نبوت ۳۶
طلب دنیا کے لئے پڑھنے کا انجام ۳۶
گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ۳۶
اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ۳۷
آمین کہنا ۳۷
تلاوت کی فضیلت ۳۷
اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین ۳۷
اللہ تعالیٰ کا سایہ ۳۷
بہترین کلام ۳۷
دو گنا ثواب ۳۷
قرآن سننے کا اجر ۳۸
قرآن کے شوق کا صلہ ۳۸
نیکی سے محروم گھر ۳۸
قرآن کو دہرانا ۳۸

باب سوئم۔ آداب تلاوت ۳۹

تلاوت کی کثرت ۳۹
قرآن کا بھول جانا ۴۰
وضو کرنا ۴۰
مسواک کرنا ۴۰
پاک جگہ پر تلاوت کرنا ۴۰
قبلہ رو ہونا ۴۱
تعوذ پڑھنا ۴۱
بسم اللہ پڑھنا ۴۱
ترتیل سے پڑھنا ۴۱
معانی پر غور کرنا ۴۲
خوش الحانی ۴۳
تلاوت کے وقت رونا ۴۳
قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا ۴۳
بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا ۴۴
تلاوت کا سننا ۴۴
ختم القرآن کی اہمیت ۴۴
ختم القرآن کی دعاء ۴۵

باب چہارم۔ نزول قرآن ۴۶

تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت ۴۷
سب سے پہلی آیات ۴۸
خاص معاملات میں پہلی آیات ۵۱
جہاد کے بارے میں پہلی آیت ۵۱
قتل کے بارے میں پہلی آیت ۵۱
شراب کے بارے میں پہلی آیت ۵۱
مکی و مدنی آیات ۵۲
مکی و مدنی آیات کی خصوصیات ۵۳
حضری آیات ۵۴
سفری آیات ۵۴
نہاری آیات ۵۷
لیلی آیات ۵۸
فجر کے وقت نازل ہونے والی ۵۹
صیفی آیات ۵۹
شتائی آیات ۶۰
فراشی آیات ۶۱
سماوی آیات ۶۱
فضائی آیات ۶۱
مکی و مدنی سورتیں ۶۲
مدنی سورتیں ۶۲
مکی سورتیں ۶۳

نصف اور تہائی قرآن ۶۳
حرفوں کے اعتبار سے سات حصے ۶۴
کل آیات ۶۴
کل کلمات ۶۵
کل حروف ۶۵
مفرد حروف کی تعداد ۶۶

باب پنجم۔ حفاظت قرآن ۶۷

عہد رسالت میں جمع قرآن ۶۹
سامان کتابت ۷۰
لخاف ۷۰
اکتاف ۷۰
اقتاب ۷۰
سورتوں و آیات کی ترتیب ۷۱
جمع صدیقی ۷۱
جمع عثمانی ۷۴
جمع عثمانی کا طریقہ ۷۷
مصحف کی نقول ۷۸

باب ششم۔ اسباب نزول ۸۰

اسباب نزول کی اہمیت ۸۰
سبب نزول کی چند مثالیں ۸۱

باب ہفتم۔ تفسیر قرآن کے ماخذ ۸۴

قرآن کریم ۸۴
احادیث نبویہ ۸۷
اقوال صحابہ ۸۹
تابعین کے اقوال ۹۱
لغت عرب ۹۲
عقل سلیم ۹۲
ناقابل اعتبار ماخذ ۹۳
اسرائیلی روایات ۹۳
تفسیر بالرائے ۹۴

تفسیر سورہ فاتحہ و بقرہ ۹۶

استعاذہ ۹۶
تسمیہ ۹۸
بسم اللہ کے فضائل ۹۹

سورہ فاتحہ ۱۰۰

وجہ تسمیہ ۱۰۰
سورہ فاتحہ کے اسماء ۱۰۰
تعارف ۱۰۰
فضائل ۱۰۱
صفات باری تعالیٰ ۱۰۱
جزاو سزا ۱۰۳
دعاء استعانت ۱۰۵
طلب ہدایت ۱۰۷
انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ۱۰۷
مغضوب و گمراہ لوگ ۱۰۸
آمین کہنا ۱۰۹

سورہ بقرہ ۱۱۰

وجہ تسمیہ ۱۱۰
تعارف ۱۱۰
مضامین کا خلاصہ ۱۱۰
سورہ بقرہ کے فضائل ۱۱۵

سورہ بقرہ کی تفسیر ۱۱۶

حروف مقطعات ۱۱۶
عظمت قرآن ۱۱۶
مومنین کی صفات ۱۱۸
کافروں کا حال ۱۲۳
منافقین کا حال ۱۲۷
منافقوں کے ایمان کی حقیقت ۱۲۸
منافقوں کی غلط فہمی ۱۲۹
نفاق کی بیماری ۱۳۰
منافقوں کی بے شعوری ۱۳۱
ایمان کی کسوٹی ۱۳۳
تمسخر کرنا ۱۳۴
خسارہ کی تجارت ۱۳۶
خالص منافق کی مثال ۱۳۷
متردد منافق کی مثال ۱۳۹
تعلیم توحید ۱۴۴
اثبات رسالت ۱۴۷
مخالفین کی بے بسی ۱۴۹
جنت کی نعمتیں ۱۵۰
کافروں کے اوصاف ۱۵۳
اللہ تعالیٰ کے انعامات ۱۵۶
خلافت آدم ۱۵۸
فرشتوں کا امتحان ۱۶۰
ابلیس کی سرکشی ۱۶۲
شجر ممنوعہ ۱۶۴
ابلیس کا ورغلانا ۱۶۵
حضرت آدم کی توبہ ۱۶۷
مومنین پر انعام ۱۶۹
منکرین کا انجام ۱۷۰
بنی اسرائیل کو دعوت ایمان ۱۷۰
اعمال صالحہ کی تلقین ۱۷۵
قوم فرعون سے نجات ۱۸۵
آل فرعون کی غرقابی ۱۸۷
بچھڑے کی پوجا ۱۸۸
شرک کی سزا ۱۹۱
بنی اسرائیل کی گستاخی ۱۹۲
اللہ تعالیٰ کا احسان ۱۹۳
من و سلوی ۱۹۴
بنی اسرائیل کی نافرمانی ۱۹۶
نافرمانی کی سزا ۱۹۷
پانی کا مطالبہ ۱۹۸
کفران نعمت اور اس کی سزا ۲۰۰
مومنین کا اجر ۲۰۲
رفع طور ۲۰۴
بنی اسرائیل کی عہد شکنی ۲۰۵
صورتیں مسخ ہونا ۲۰۶
عبرت کا سامان ۲۰۷
گائے ذبح کرنے کا حکم ۲۰۸
گائے کی صفات ۲۰۹
مقتول کا زندہ ہونا ۲۱۲
یہود کی قساوت قلبی ۲۱۳
کلام الٰہی میں تحریف ۲۱۴
یہود کی منافقت ۲۱۵
جھوٹی آرزوئیں ۲۱۶
توریت میں تحریف پر وعید ۲۱۷

منکرین عذاب کے دعوے کی تردید ۲۱۸
اہل جنت و دوزخ ۲۱۹
بنی اسرائیل کی عہد شکنی ۲۲۰
دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ۲۲۴
انبیاء کی تکذیب ۲۲۴
کافروں پر لعنت ۲۲۶
یہود کا حسد و عناد ۲۲۷
حسد و عناد کی سزا ۲۲۸
حق کا انکار ۲۲۹
بچھڑے کی پوجا ۲۳۱
رفع طور ۲۳۱
موت کی تمنا کا چیلنج ۲۳۲
طویل عمر کی حرص ۲۳۳
جبرائیل سے دشمنی ۲۳۴
فاسقین کا کفر ۲۳۶
یہود کی عہد شکنی ۲۳۷
جادو اور اس کے نقصانات ۲۳۸
حصول خیر کا معیار ۲۴۰
راعنا کہنے کی ممانعت ۲۴۰
کفار مشرکین کا عناد ۲۴۲
آیات کی تنسیخ ۲۴۳
راہ راست سے دوری ۲۴۶
کفار کا حسد ۲۴۷
آخرت کا توشہ ۲۴۸
یہود و نصاری کا دعویٰ ۲۴۹
مذہبی گروہ بندی ۲۵۰
مساجد ویران کرنے کا انجام ۲۵۲
جہت قبلہ ۲۵۳
فرزند و زن سے مبرا ذات ۲۵۴
کن فیکون ۲۵۶
مشرکین کی نادانی ۲۵۶
بشیر و نذیر ۲۵۷
یہود و نصاری کی خواہش ۲۵۸
احوال قیامت ۲۶۰
حضرت ابراہیم کی آزمائش ۲۶۰
بیت اللہ کی اہمیت ۲۶۲
دعائے خلیل ۲۶۴
دین ابراہیمی ۲۶۷
حضرت یعقوب کی وصیت ۲۶۹
تمام آسمانی کتابوں پر ایمان ۲۷۰
مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ ۲۷۱
خدائی رنگ ۲۷۲
کتمان حق ۲۷۲
تحویل قبلہ ۲۷۴
تحویل قبلہ کی حکمت ۲۷۶
خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر فرمانا ۲۷۸
اہل کتاب کی ہٹ دھرمی ۲۷۹
اہل کتاب اور پیغمبر اسلام ۲۸۰
نیکی میں سبقت ۲۸۱
مقاصد بعثت ۲۸۳
طلب استعانت ۲۸۵
حیات شہداء ۲۸۶
مومنوں کی آزمائش ۲۸۷
مراسم حج ۲۸۹
کتمان حق پر وعید ۲۹۲
کافروں پر لعنت ۲۹۳

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت	۲۹۴
توحید کا اثبات	۲۹۵
مشرکین کے لئے وعید	۲۹۷
مشرکوں کی بے بسی	۲۹۸
حلال و طیب غذا	۲۹۹
اندھی تقلید اور اس کی مثال	۳۰۱
حرام اشیاء کا بیان	۳۰۲
کتمان حق کا انجام	۳۰۴
حقیقی بھلائی	۳۰۶
اعتقادات	۳۰۷
یوم آخرت پر ایمان لانا	۳۰۷
فرشتوں پر ایمان لانا	۳۰۷
کتاب پر ایمان لانا	۳۰۷
انبیاء پر ایمان لانا	۳۰۷
عبادات	۳۰۷
رشتہ داروں کو دینا	۳۰۸
یتیموں کو مال دینا	۳۰۸
مسکین کو دینا	۳۰۹
مسافر کو دینا	۳۰۹
سائل کو دینا	۳۰۹
گردنوں کے چھڑانے میں دینا	۳۰۹
نماز قائم کرنا	۳۰۹
زکوٰۃ ادا کرنا	۳۰۹
معاملات	۳۱۰
اخلاق	۳۱۰
قصاص کے احکام	۳۱۰
وصیت کے احکام	۳۱۳
روزہ کا بیان	۳۱۵
سابقہ امتوں میں روزہ کا حکم	۳۱۶
مریض کا روزہ	۳۱۶
مسافر کا روزہ	۳۱۶
روزہ کی قضاء	۳۱۷
روزہ کا فدیہ	۳۱۷
فدیہ کی مقدار	۳۱۷
دعا کی قبولیت کا اعلان	۳۱۹
سحر و افطار کے اوقات و احکام	۳۲۲
ناحق مال کھانا	۳۲۴
حقیقی بھلائی	۳۲۶
قتال کا حکم	۳۲۷
احترام کعبہ	۳۲۸
فتنہ ختم ہونے تک قتال کرنا	۳۲۹
حرمت کے مہینوں میں قتال	۳۳۰
انفاق فی سبیل اللہ	۳۳۱
حج و عمرہ کے احکام	۳۳۲
حج	۳۳۴
عمرہ	۳۳۴
احرام کے بعد حج و عمرہ ادا نہ کر سکنا	۳۳۴
احرام میں بیماری کے سبب بال منڈوانا	۳۳۵
حج و عمرہ کو جمع کرنا	۳۳۵
میقات	۳۳۵
حج و عمرہ کو جمع کرنے کا شکرانہ	۳۳۶
قران	۳۳۶
تمتع	۳۳۶
احکام حج و عمرہ میں کوتاہی	۳۳۶
حج کا وقت	۳۳۶
احکام احرام	۳۳۷

ضروریات سفر کا ساتھ لینا	۳۳۸	ایلاء کا بیان	۳۷۴
سفر حج میں تجارت	۳۳۸	طلاق کے احکام	۳۷۶
وقوف عرفات و مزدلفہ	۳۳۹	رجعی طلاق	۳۷۷
مزدلفہ	۳۴۰	نکاح کی شرعی حیثیت	۳۷۸
عرفات کی وجہ تسمیہ	۳۴۰	تین طلاق کے احکام	۳۷۸
ذکر اللہ کی تاکید	۳۴۱	خلع کا بیان	۳۸۰
آخرت کے طالب	۳۴۲	تیسری طلاق اور حلالہ	۳۸۱
منیٰ میں قیام کی مدت	۳۴۳	رجعت و انقطاع کے ضابطے	۳۸۲
سخت جھگڑالو آدمی	۳۴۵	احکام الٰہی کا مذاق	۳۸۴
منافقوں کی نشانیاں	۳۴۶	عدت کے بعد نکاح	۳۸۵
اللہ کی رضا چاہنے والا	۳۴۷	رضاعت کے احکام	۳۸۷
اسلام کو پوری طرح قبول کرنا	۳۴۸	رضاعت کی ذمہ داری	۳۸۸
کفار کو تنبیہہ و تہدید	۳۴۹	رضاعت کی مدت	۳۸۸
متقیوں کو فوقیت حاصل ہونا	۳۵۰	نان نفقہ کی ذمہ داری	۳۸۹
اختلاف عقائد	۳۵۱	نفقہ کا معیار	۳۸۹
مومنوں کی آزمائش	۳۵۳	رضاعت کے لئے ماں کو مجبور کرنا	۳۸۹
مصارف خیرات	۳۵۴	یتیم کی رضاعت	۳۸۹
قتال کا حکم	۳۵۶	دودھ چھڑانا	۳۸۹
انجام ارتداد	۳۵۷	انا سے دودھ پلوانا	۳۸۹
رحمت الٰہی کے امیدوار	۳۶۱	عدت کے مزید احکام	۳۹۰
شراب و قمار کے احکام	۳۶۲	عدت وفات کی مدت	۳۹۱
تدریجی حرمت شراب	۳۶۳	عدت میں پیغام نکاح	۳۹۲
بیمثال جذبہ تعمیل	۳۶۵	طلاق اور مہر	۳۹۲
نفلی صدقہ کا حکم	۳۶۶	نماز کی حفاظت	۳۹۳
یتیموں کے ساتھ حسن سلوک	۳۶۷	نماز خوف	۳۹۴
مشرک سے نکاح	۳۶۹	بیوہ کی سکونت کے لئے وصیت	۳۹۵
حیض کے احکام	۳۷۰	مطلقہ کے مزید احکام	۳۹۶
لغو قسمیں	۳۷۲	موت سے فرار	۳۹۶

قتال فی سبیل اللہ	۳۹۸
قرض حسن	۳۹۹
حضرت طالوت کا واقعہ	۴۰۰
بادشاہ کا تقرر	۴۰۱
تابوت سکینہ	۴۰۳
بنی اسرائیل کی آزمائش	۴۰۴
دعاء استقامت	۴۰۵
جالوت کی شکست	۴۰۶
رسالت محمدی کا اثبات	۴۰۷
رسولوں کے درجات	۴۰۷
خیرات کی ترغیب	۴۰۹
صفات باری تعالیٰ	۴۰۹
آیت الکرسی کے فضائل	۴۱۰
قوی وسیلہ	۴۱۳
اللہ تعالیٰ کے دوست	۴۱۴
حضرت ابراہیم اور نمرود	۴۱۵
مردوں کو زندہ کرنا	۴۱۶
انفاق فی سبیل اللہ کی مثال	۴۱۹
خیرات میں دکھاوے کی ممانعت	۴۲۱
مومنوں کی خیرات کی مثال	۴۲۲
خیرات میں ریاکاری کی مثال	۴۲۳
حلال و طیب چیز خیرات کرنا	۴۲۴
خیر کثیر	۴۲۶
خیرات نہ کرنے کا انجام	۴۲۶
خفیہ خیرات کی فضیلت	۴۲۷
خیرات کا پورا پورا اجر	۴۲۸
خیرات کے مستحق	۴۲۹
خیرات کا اجر	۴۳۰
سود خوری کا انجام	۴۳۱
سود اور صدقہ میں فرق	۴۳۳
مومنین کا اجر	۴۳۳
حرمت سود کے احکام	۴۳۴
سود خوری ترک نہ کرنے پر وعید	۴۳۵
قرضدار کو مہلت دینا	۴۳۶
سخت گیری پر تنبیہ	۴۳۸
سب سے آخری آیت	۴۳۸
قرض کے لئے تحریر لکھنا	۴۳۸
تحریر پر گواہ بنانا	۴۴۰
گواہی کے احکام	۴۴۱
رہن کی ہدایات	۴۴۲
اعمال کا محاسبہ	۴۴۳
ایمام مفصل و دعائیہ کلمات	۴۴۵

پیش لفظ

از محترمی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی

سابق صدر شعبہ اردو - سندھ یونیورسٹی - حیدر آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مخدوم زادہ حافظ فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ اب ایک بیش قیمت دینی اور علمی تحفہ اپنے قارئین کے لئے پیش فرمارہے ہیں - یہ تحفہ قرآنی تفسیر سے متعلق ہے اور شروع میں قرآنی علوم کا مفصل تعارف ہے - قرآن اور وحی، فضائلِ قرآن، آدابِ تلاوت، نزولِ قرآن، حفاظتِ قرآن، اسبابِ نزول، تفسیرِ قرآن کے ماخذ وغیرہ پر بڑی فاضلانہ بحث ہے اور متعلقہ ابواب کو بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ مرتب فرمایا ہے - اس کے بعد فی الحال تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ آئی ہے جس میں استعاذہ اور تسمیہ پر علمی بحث کے بعد ان سورتوں کی تفسیر اور ان کے الفاظ کی تشریح (صرف مسلّمہ اصولِ تفسیر کی روشنی میں) نہایت آسان انداز میں بیان فرمائی ہے - اور کئی سَو صفحات میں اس مشکل موضوع کو آسان ترین بنانے کی کوشش فرمائی ہے - حقیقت یہ ہے کہ ایسی تفسیر نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص کے لئے بھی مفید ہے اور قابل صد ستائش ہے - تفسیرِ قرآن سے متعلق یہ "احسن البیان" یقیناً اسم بامسمّیٰ ہے - میری دلی دعاء ہے کہ ہمارے حافظ صاحب محترم کی یہ مساعیِ جمیلہ بارگاہِ الٰہی میں مشکور ہوں اور ایک عالَم کو ان سے مستفیض ہونے کی زیادہ سے زیادہ سعادت حاصل ہو - آمین - ثم آمین - **بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم**۔

حافظ صاحب مدظلہ مجھ حقیر سے یہ چند کلمات لکھوا کر میری اُخروی زندگی کی بہتری کیلئے کوشاں ہیں - یہ ان کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے - **جزاھم اللہ فی الدارین احسن الجزاء**

فقط والسلام

احقر غلام مصطفیٰ خاں

ایم اے - ایل ایل بی - پی ایچ ڈی - ڈی لٹ

یکم ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

دیباچہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم O الحمد للّٰہ الذی ھدٰنا لھذا وماکنا لنھتدی لولاان ھدٰنا اللّٰہ ۔ والصلوٰۃ والسلام علی اکمل الخلائق و خاتم الا نبیاء سیدنا و نبینا و شفیعنا و مولٰنا محمد وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا الذی ارسلہ اللّٰہ الیٰ جمیع الثقلین الجن والا نس بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللّٰہ باذنہ و سراجا منیرا وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۔

اما بعد ! قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے ۔ اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف بلکہ اس کی ایک ایک حرکت ، شوشہ اور نقطہ تک ہر قسم کی کمی و بیشی اور تحریف و تغیر سے قیامت تک محفوظ ہے ۔ اس کا کلام الہیٰ ہونا ہی اس کے ہر کلام سے افضل و اکمل اور جامع و مانع ہونیکی دلیل ہے ۔ یہ ایسا بلند پایہ کلام اور بے مثال کتاب ہے کہ **لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ؕ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ** ؕ (حم سجدہ آیت ۴۲) نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکیم و حمید کی طرف سے نازل کردہ ہے ۔

اہل عرب کو اپنی زبان دانی ، فصاحت و بلاغت اور شعر و شاعری پر بڑا ناز تھا۔ یہ لوگ دنیا کی تمام قوموں کو عجمی (گونگا) کہتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب عطا فرمائی وہ عربی زبان میں نازل کی ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؕ (یوسف آیت ۲) ۔

بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم (اسکو) سمجھ لو ۔

قرآنِ کریم فصاحت و بلاغت ، اور عربی ادب کا ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ عرب و عجم کے بڑے بڑے شعراء وادباء اور فصحاء و بلغاء آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز و بے بس ہیں ۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ اگر تم اس قرآن کو کلامِ الہیٰ ماننے کے لئے تیار نہیں تو تم سب مل کر پورا قرآن نہیں تو کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اس کام میں اپنی مدد و اعانت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا سارے جہان سے اپنے حمایتی اور مدد گار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا سمجھ کر پوجتے ہو ۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہر گز نہیں بنا سکو گے تو تم اس آگ سے بچنے کی تدبیر کرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی ، جنہیں اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا وہ اس چیلنج کے جواب سے عاجز و بے بس تھے ۔ لہذا وہ پورا قرآن تو کیا اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی ایک سورت بھی نہ بناسکے اور قرآن کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ سب لوگ جمع ہو کر بھی اس جیسا کلام نہیں بناسکتے ۔ قرآنِ کریم کا یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے ۔ آج تک نہ تو کوئی اس کے جواب میں کچھ پیش کر نے کی جرأت کر سکا اور نہ قیامت تک کسی سے ایسا ہو سکے گا ۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے ۔

جب خانۂ کعبہ میں سبعہ معلقہ کے بالمقابل سورۂ کوثر لکھ کر لٹکائی گئی تو عرب کے بڑے بڑے ادیب و شاعر اپنی ادبی مہارت اور شعر و سخن میں کمال کے باوجود اس کا جواب لکھنے کی بجائے یہ کہنے پر مجبور ہوئے مَاهٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی یہ کسی بشر کا کلام نہیں ۔

قرآنِ کریم میں شاعروں کے کلام جیسی لا یعنی اور فضول باتیں نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کا ایک بحرِ بیکراں لئے ہوئے ہے ۔ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کے بیان کی تروتازگی اور الفاظ و معانی کی سدا بہاری آج بھی قائم ہے اور قیامت تک اسی طرح قائم رہے گی ۔ اس کا کسی مضمون کو دُہرانا قندِ مکرّر کا مزہ دیتا ہے ۔ اس کو بار بار پڑھنے سے دل نہیں اُکتاتا بلکہ ہر دفعہ نیا لطف اور نئے مضامین سامنے آتے ہیں ۔ اس کے اسلوب بیان میں ایسی حلاوت و دلنشینی ہے کہ اس کے پڑھنے والے پر رقت و وارفتگی طاری ہو جاتی ہے ۔ جو لوگ اس کے معنی و مطالب کو سمجھے بغیر پڑھتے ہیں وہ بھی اس کی نثر کے حسن ، عبارت کی موزونیت ، الفاظ کی بندش اور آواز کی نغمگی میں ڈوب کر بے اختیار اور از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ۔ اس کے الفاظ

بے تکلف ذہن نشین اور زبان پر جاری ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے بچے قرآنِ مجید کے حافظ ہو جاتے ہیں ۔

قرآنِ کریم میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بنیادی اصول و حقائق اور نہایت معتدل قوانین و ضوابط بیان کئے گئے ہیں ۔ لوگوں کے ذہنوں کو حق کی طرف مائل کرنے کے لئے دلائل و براہین کی قوت کے ساتھ ساتھ تشبیہات و تمثیلات کا بھی نہایت عمدہ اور بر محل استعمال ہے ۔ اس میں گزشتہ پیغمبروں ، قوموں ، امتوں اور سلاطین کے حالات و واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں ۔ مسلمانوں کی تمام عبادات و معاملات ، معاشرت و تمدن اور اخلاقیات و اقتصادیات سب کا دارو مدار قرآنِ کریم ہی پر عمل کرنے میں ہے اور قرآن ہی مسلمانوں کا مرکز ہے ۔ جب بھی مسلمانوں نے قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھام کر دشمن کی طرف رخ کیا تو اس کی پہاڑ جیسی مضبوط صفیں دم بھر میں الٹ کر رکھدیں اور کفر و شرک کے مضبوط ترین قلعوں کو فتح کر کے ان پر حق و صداقت کا پرچم لہرا دیا ۔ پھر مسلمان دنیا کی ہوس اور اس کے جھمیلوں میں پڑ کر قرآنِ کریم سے دور ہوتے گئے ۔ اور آج اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں ۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے ۔ اس کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔ ترمذی اور دارمی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے ، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے ۔ اس طرح الٓمٓ پڑھنے والا تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرے گا ۔ اس حدیث میں جس ثواب کا ذکر ہے وہ بغیر سمجھے پڑھنے پر ملے گا ۔ ظاہر ہے کہ سمجھ کر پڑھنے کا ثواب اس سے کئی گنا زیادہ ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کا علم حاصل کرنے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے کی ترغیب بھی دلائی ہے ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور (پھر) دوسروں کو اس کی تعلیم دے ۔ (بخاری شریف) ۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات کی ہر چیز کا تعلق خالق و مخلوق اور عابد و معبود کا ہے مگر قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی مخلوق نہیں بلکہ یہ اس کی ایک صفت اور اس کا کلام ہے اس لئے جو شخص اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنا چاہتا ہے ، اس کے لئے روئے زمین پر اس سے بڑھکر کوئی اور ذریعہ نہیں کہ وہ تلاوتِ قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم و تعلّم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی طرح ترجمہ و تفسیرِ قرآن پر بھی ابتدائے اسلام سے آج تک علماء کرام نے اپنے اپنے زمانے میں بڑی بڑی ضخیم مجلّدات تالیف فرمائی ہیں اور سب کا اپنا اپنا مقام ہے ۔ مگر ان تفاسیر سے صحیح معنوں میں علماء کرام ہی استفادہ کر سکتے ہیں ۔ عوام النّاس کے لئے ان کا سمجھنا اور قرآنِ کریم کی صحیح مُراد کو پانا خاصا مشکل ہے ۔ ایک تو اس لئے کہ ان کا علمی مرتبہ بہت بلند ہے ۔ عام آدمی ان کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا ۔ دوسرے یہ اتنی ضخیم ہیں کہ آج کے مصروف دور میں نہ تو عام آدمی اتنا وقت نکال سکتا ہے اور نہ وہ اتنی بڑی بڑی مجلدات کو خرید نے کی استطاعت رکھتا ہے ۔ لہٰذا عام لوگوں کی مشکلات اور ان کی ذہنی استعداد کے پیش نظر اور دینی مدارس کے طلباء اور عربی زبان کی معمولی شدبد رکھنے والوں کی دلچسپی اور ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ، اَحْسَنُ الْبَیَانَ فِیْ تَفْسِیْرِ الْقُرآن کے نام سے ایک نہایت عام فہم ، سلیس اور مختصر تفسیر کا ایک حصہ جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے پیش کرنیکی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جَلّ و عَلاَ ، محض اپنے فضل و رحمتِ خاصّہ سے اس کو قبول فرما کر عوام و خواص کے لئے نافع بنائے اور اس کو قبولیت عامّہ بخشے نیز اس تالیف میں جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں ان سے در گزر فرما کر بقیہ تفسیر کو مکمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

چند خصوصیات

۱ ۔ ہر سورت کی ابتداء میں اس کی وجہ تسمیہ ، اس کا تعارف اور اس کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔

۲ ۔ تقریباً ہر آیت پر اس کے مضمون کی مناسبت سے نہایت مختصر عنوان قائم کیا گیا ہے ۔

۳ ۔ الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کی گئی ہے تاکہ طلبا اور عربی زبان

سے دلچسپی رکھنے والے اس سے استفادہ کر سکیں ۔

۴ ۔ جہاں ضروری ہوا ، آیات کا ربط سادہ اور مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔

۵ ۔ آیات کا شان نزول مستند و معتبر روایتوں کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے ۔

۶۔ ترجمہ و تفسیر نہایت سلیس ، عام فہم اور بامحاورہ ہے ۔

۷ ۔ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمام کا تمام اکابر علماء کرام کی تفاسیر سے معمولی لفظی تصرف کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے ۔ عہدِ نبوی سے لیکر آج تک علماء راسخین نے قرآنِ کریم کو جس طرح سمجھا ، اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی ترمیم و اضافہ کئے بغیر اسی طرح پیش کر دیا ہے تاکہ لوگ قرآنِ کریم کا صحیح علم حاصل کر کے اس پر عمل کر سکیں ۔ ترجمہ و تفسیر میں کہیں بھی اپنی رائے کو داخل کر کے خیانت نہیں کی گئی ۔ جو مضمون یا عبارت جس تفسیر سے لی گئی ہے اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے تاکہ اصل سے رجوع کرنے میں آسانی ہو ۔

تصحیح و تنقیح میں نہایت اہتمام کے ساتھ امکان بھر کوشش کی گئی ہے ، تاہم اگر کوئی غلطی یا قابلِ اصلاح بات نظر آئے تو قارئینِ کرام و علمائے عظام سے درخواست ہے کہ اس کی نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے گی ۔ انشاء اللہ ۔

سید فضل الرحمٰن

منگل ۵ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

۷ جولائی ۱۹۹۲ء

قرآنی علوم کا تعارف

باب اول

قرآن اور وحی

قرآن کی تعریف ۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ، صحیفوں میں لکھا گیا ، کسی شبہ کے بغیر آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور اس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے ۔

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت نہ مخلوق ہے اور نہ حادث بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے اسی طرح اس کی تمام صفات قدیم ہیں ۔ پس قرآنِ کریم بھی قدیم ہے حادث نہیں ۔ لہذا یہ بھی اسی عظمت و برتری کا مستحق ہے جو اللہ جل شانہ ، کی کبریائی کے لائق ہو ۔ یہ ایسا بلند پایہ کلام اور ایسی بے مثال کتاب ہے کہ

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ (حٰمٓ سجدہ ۴۲) ۔

نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکیم وحمید کی بارگاہ سے نازل کردہ کتاب ہے ۔ (منازل العرفان صفحہ ۲۳) ۔

قرآنِ کریم کے نام ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں اپنے عظیم و برتر اور بلند پایہ کلام کے متعدد نام تجویز فرمائے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں ۔

(۱) القرآن (۲) الکتاب (۳) الفرقان

علامہ شیخ ابو المعالی عزیز بن عبدالمالک کے بیان کے مطابق قرآنِ کریم کے پچپن نام ایسے ہیں جو خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں ۔ بعض دوسرے حضرات نے قرآنِ کریم کے ناموں کی تعداد نوے سے زیادہ بتائی ہے ۔ قرآنِ کریم کے جملہ ناموں میں سے قرآن سب سے زیادہ مشہور اور عام ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰناً عَرَبِيًّا (زخرف ۳) ۔

بیشک ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ٥ (الحجر ۸۷) ۔

اور ہم نے آپ کو (نماز میں) مکرر پڑھی جانے والی سات آیتیں (یعنی الحمد) اور قرآنِ عظیم دیا ہے ۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (واقعہ ۷۷) ۔

بیشک یہ عزت والا قرآن ہے ۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج ۲۲) ۔

بلکہ یہ بہت بزرگی والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ۔

اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جن میں علوم الٰہیہ کی اس جامع اور آخری کتاب کا یہی مبارک نام ذکر کیا گیا ہے (منازل العرفان ۲۱) ۔

جاحظ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے کلام کے جو نام رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے حصوں کے نام ان کے مروجہ ناموں سے مختلف رکھے ۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا ۔ یہ ایسا نرالا اور بے مثال ہے کہ نہ تو کسی عرب نے اپنے مجموعۂ کلام کا یہ نام رکھا اور نہ دنیا میں کسی اور کتاب کا یہ نام رکھا گیا ۔ پس جیسا نرالا اور بے مثل کلام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ویسا ہی بے مثل نام مقرر فرمایا ۔

اہل عرب اپنے مجموعۂ کلام کو دیوان کہتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا نام قرآن رکھا ۔

اہل عرب اپنے کلام کے حصوں کو قصیدہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے حصہ کا نام سورت مقرر فرمایا ۔

اہل عرب اپنے کلام کے چھوٹے سے چھوٹے جملے کو بیت کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے چھوٹے سے جملے کا نام آیت رکھا ۔

قرآن کی وجہ تسمیہ ۔ اس لفظ کے بارے میں ائمہ مفسرین اور ماہرین لغت کا اختلاف ہے ، بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم علم غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہے اس لئے یہ مہموز نہیں ۔

امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ لغت و مفسرین کہتے ہیں کہ یہ نہ تو مہموز ہے اور نہ قِرأَۃٌ سے ماخوذ ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا نام ہے جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ۔ جیسے توریت اور انجیل ان کتابوں کے نام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں ۔

فراء کہتے ہیں کہ یہ قَرائِنٌ سے مشتق ہے کیونکہ اس کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی تصدیق کرتی ہیں اور کچھ آیتیں دوسری آیتوں کے ساتھ مشابہ ہیں ، انہی باتوں کا نام قرآئِنٌ (قرینے) ہے ۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ قَرْنٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کے آتے ہیں ۔ جیسے قَرَنْتُ الشَّئَ بِالشَّئَ ۔ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کیا ۔ اس لحاظ سے اس کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سورتیں ، آیتیں ، کلمات اور حروف ایک خاص انداز کے ساتھ جمع ہیں ۔ اس اعتبار سے بھی یہ غیر مہموز ہی پڑھا جائے گا ۔

اس کے برعکس جو لوگ لفظ قرآن کو مہموز قرار دیتے ہیں ان میں بھی باہم اختلاف ہے ۔

لِحیانیؒ کہتے ہیں جس طرح رُجْحَانٌ اور غُفْرَانٌ مصدر ہیں اسی طرح قرآن ، قرأت کا

مصدر ہے ۔ اور یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے ۔ اکثر ائمہ اور قُرّاء کے نزدیک یہی اوْلیٰ ہے قرآنِ کریم میں بھی لفظِ قرآن ، قرائت کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیمہ ۱۸) ۔

پس جب ہم (اپنے فرشتے کے ذریعہ) اس کو پڑھیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی اتباع و پیروی کریں ۔

پس معنوی اعتبار سے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ قرآن کو قَرْءٌ (پڑھنا اور تلاوت کرنا ،) سے ماخوذ قرار دیا جائے ۔ لہذا کتاب اللہ کو قرآن کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ حقیقت میں پڑھنے کے لائق کتاب تو قرآن ہی ہے ۔

زجاج کہتے ہیں کہ قُرْآنٌ ، فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم صفت ہے اور قَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں جیسے عربی میں کہتے ہیں کہ قَرَأْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ ۔ میں نے پانی کو حوض میں جمع کیا ۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں ہمزہ تخفیف کے لئے ترک کیا گیا ہے اور اس کی حرکت ما قبل ساکن کو دیدی گئی ہے ۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ کلامِ الہیٰ کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سورتوں کو باہم جمع کیا ہے (اتقان ۱۳۵/ ۱) ۔

علامہ راغبؒ اصفہانی کہتے ہیں کہ ہر ایک جمع کردہ شئے کو یا ہر کلام کے مجموعہ کو ہر گز قرآن نہیں کہا جائیگا بلکہ کلام اللہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس نے سابقہ زمانے میں نازل شدہ آسمانی کتابوں کے جملہ علوم و معارف کے تمام ثمرات (نتائج) جمع کرلئے ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

اور اس (قرآن) میں ہر چیز کی تفصیل ہے (۱۱۱/ ۱۲) ۔

تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ

(اس قرآن میں) ہر چیز کی پوری وضاحت ہے (۸۹/ ۱۶) ۔

اور قرآن حقیقت میں کُفْرَان ، رُجْحَان کی طرح مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ ۱۷،۱۸) ۔

بلا شبہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۔ جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پڑھیں ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (کتاب اللہ کا) یہ نام (قرآن) رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر تمام قسم کے علوم جمع کر لئے ہیں (المفردات ۴۰۲) ۔

بعض دوسرے اہلِ لغت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے ۔ اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی ۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے ۔

نبوت و رسالت

نبوت و رسالت کوئی فن یا ہنر نہیں جس کو کسب و اکتساب اور اپنی محنت و صلاحیت سے حاصل کیا جاسکے بلکہ یہ منصب محض عطائے ربّانی کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے ۔ آدمی اپنی ریاضت ، عملِ صالح ، ذکر و تسبیحات اور عبادات میں کمال پیدا کر کے ولی تو بن سکتا ہے مگر نبی نہیں بن سکتا ۔ نبی تو وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ منصب نبوت و رسالت عطا فرمائے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (انعام ۱۲۴) ۔

اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو عطا فرمائے (انعام ۱۲۴) ۔

جس طرح دیگر انبیاء اپنے اپنے زمانے ، اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے احکام خداوندی لیکر آتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی تائید و حمایت اور وحی سے نوازا ۔ اسی طرح سب سے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر آئے ۔ آپؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و حمایت اور وحی سے نوازا ۔ سابقہ انبیاء میں سے ہر ایک ، ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم

کے لئے مبعوث ہوا تھا ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک ہر قوم اور ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ہے ۔ اصل کے اعتبار سے تمام شریعتیں ایک ہی تھیں اور فروع میں اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے احکام بیان کرتی تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں ۔ آپ پر وحی و رسالت کا مقدس سلسلہ ختم ہو گیا ۔ اب قیامت تک نہ تو کوئی نبی اور رسول آئے گا اور نہ کسی انسان پر وحی نازل ہوگی اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے کیونکہ آپؐ کو جو کتاب عطا کی گئی ہے وہ تمام سابقہ کتب کی ناسخ اور احکاماتِ الٰہیہ کی جامع و مکمل کتاب ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تاکہ آپؐ کی شریعت قیامت تک بلا کسی تحریف و تغیر باقی رہے ۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت میں ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے جو دین پر قائم رہ کر مسلمانوں کو کتاب و سنت کی صحیح تعلیم دیتی رہے گی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر جو کلام نازل کیا گیا اس کو وحی کہتے ہیں ۔ جو پیغام و ہدایات سابقہ انبیاء پر نازل ہوئیں ان کا نام بھی وحی ہے ۔ اس طرح وحی کا مفہوم تمام انبیاء کے درمیان مشترک ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ۔ کیونکہ وحی کا مصدر و ماخذ اور غرض و غایت ایک ہی تھی ۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔
(النساء ۱۶۳، ۱۶۴) ۔

بلا شبہ ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف کی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد اور حضرت عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کو زبور عطا کی ۔ اور ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا ذکر کیا

ہے اور بعض کا نہیں کیا ۔ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو شرف ہمکلامی بخشا ۔

وحی کا مفہوم ۔ لغت میں وحی کے معنی ہیں دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتانا، جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا ، دل میں کوئی بات ڈالنا ، الہام کرنا ۔

شرع کے اعتبار سے وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام اور القاء ہے جو نبی کی طرف بلاواسطہ یا بالواسطہ ہو۔وحی کا اطلاق صرف انبیاء پر ہوتا ہے ۔

زہری کہتے ہیں کہ وحی وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی نبی کی طرف بھیجتا ہے اور اس کے دل میں ثبت کر دیتا ہے ۔ پھر وہ نبی اس وحی کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور اسے لکھوا دیتا ہے ۔ اسی کو کلام اللہ کہتے ہیں ۔

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ وحی کے معنی یہ ہیں کہ جلدی سے اشارہ کر دینا خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ سے کیا جائے یا کسی بے معنی آواز سے ، خواہ کسی عضو کے اشارے سے یا کسی تحریر سے (المفردات ۵۱۵) ۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وحی اور اِیحَاء دو علیحدہ علیحدہ لفظ ہیں اور دونوں کے استعمال میں فرق ہے ۔ اِیحَاء کا مفہوم عام ہے ۔ انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے ۔ لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے بر خلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو ۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے لفظ ایحاء تو انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے استعمال کیا ہے مگر لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا ۔ وحی کے ذریعہ بندوں کو ان باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان کو محض عقل و حواس کے ذریعہ معلوم نہ ہو سکیں (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ۲۹ ،۳۰) ۔

لغوی وحی کی قسمیں

فطری ۔ جیسے الہام الہیٰ سے شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہیں ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ۔
(النحل ٦٨)

اور تیرے رب نے (فطری) وحی کے ذریعہ شہد کی مکھیوں کو بتادیا ہے کہ تم پہاڑوں میں اپنے لئے چھتّہ بناؤ۔

ایجادی۔ جیسے کوئی سائنسدان کسی چیز کی ایجاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اس کے خدوخال اور اس کی شکل و صورت اس کے ذہن میں ڈالدی جاتی ہے۔ اس طرح وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ مثلاً جس شخص نے سب سے پہلے ہوائی جہاز بنانا چاہا تھا تو اس کے ذہن میں یہ خیال کسی پرندے کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر پیدا ہوا۔ پھر اس نے اپنے تخیل کے مطابق کام شروع کیا اور اپنے ذہن کو اس طرف متوجہ رکھا اور بار بار تجربے کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوائی جہاز کا مکمل نقشہ اس کے ذہن میں ڈالدیا۔ یہی وہ وحی اور الہام ہے جو عام انسانوں کو ہوتا ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا غیر مومن۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُلًّا نُمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۱۹)

مومن و غیر مومن جب کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کو مدد دیتے ہیں۔ اور تیرے خدا کی بخشش و فیض کسی پہ بند نہیں۔

عرفانی۔ یہ اولیاء سے مختص ہے۔ جب کوئی ولی اتباع شریعت اور ریاضت و مجاہدہ سے تزکیہ و تصفیۂ قلب حاصل کر لیتا ہے تو الہام کے ذریعہ اس پر خاص علوم کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت ۱۹)۔

جو لوگ ہماری اطاعت اور ہمارے دین میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان پر ہدایت کی خاص راہیں کھول دیتے ہیں۔

لغوی وحی کی مذکورہ تینوں قسمیں غیر انبیاء میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان یا اولیاء۔

شرعی وحی۔ یہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کے ذریعہ یا براہ راست خواب یا بیداری میں الفاظ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت نبی کی ذات میں منتقل ہو جائے اسی کو شرعی وحی

کہتے ہیں ۔ اور یہی نبوت کی روح ہے ۔ (علوم القرآن از مولانا شمس الحق افغانی ۹۷ ، ۹۸) ۔

شرعی وحی کی قسمیں

(۱) وحیِ قلبی ۔ اللہ تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب میں کوئی بات ڈالدیتا ہے ۔ اس میں نہ تو فرشتے کو واسطہ بنایا جاتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کو اور نہ ہی نبی کو کوئی آواز سنائی دیتی ہے بلکہ کوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم اسی قسم کی وحی کے تحت خواب میں دیا گیا ۔

تکلمِ ربانی ۔ اس میں اللہ تعالیٰ براہ راست نبی سے کلام کرتا ہے ۔ اس میں بھی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ نبی کو آواز سنائی دیتی ہے جو مخلوقات کی آواز سے جدا اور عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے ۔ جو انبیاء اس آواز کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت کو پہچانتے ہیں ۔ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔ نساء ۱۶۳ ۔

اور اللہ نے موسیٰ سے باتیں کیں ۔

وحی کی یہ قسم ، تمام قسموں میں سے افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں نبی کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے ۔

(۳) وحیِ مَلَکی ۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتہ کے ذریعہ نبی کے پاس بھیجتا ہے ۔ کبھی تو فرشتہ نظر آتا ہے اور کبھی نظر نہیں آتا ۔ صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے ۔ کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں آکر پیغام پہنچاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کو اس طرح بیان فرمایا ہے ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (شوریٰ ۵۱) ۔

کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (روبرو ہو کر) بات کرے ،

مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجکر جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وحی نازل کرے ۔

اس آیت میں دل میں بات ڈالنے سے وحی قلبی مراد ہے ۔ پردے کے پیچھے سے مراد وحی کی دوسری قسم (تکلّم رَبّانی) ہے اور فرشتہ بھیجنے سے وحیِ مَلَکی مراد ہے ۔

آپ پر نزول وحی کی کیفیت ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی ۔ شیخین نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حارثؓ بن ہشام (فضلاء صحابہ میں سے ہیں فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ۱۵ ھ میں شام کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وحی کا یہ انداز میرے اوپر سب سے زیادہ دشوار ہوتا ہے جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں ۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کے کلمات کو یاد کر لیتا ہوں ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے کہ جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو (سخت سردی کے باوجود) آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح بہتا تھا جیسے فصد لگائی گئی ہو (بخاری شریف ۱ / ۲) ۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نزول وحی کے وقت بے چین ہو جاتے اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا ۔ یہ کیفیت ایک دو مرتبہ پیش نہیں آئی بلکہ جب بھی وحی آتی تھی آپ کی یہی کیفیت ہوتی تھی اور بدن اطہر پسینے سے تر ہو جاتا تھا ۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم میں سے کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈال سکتے ۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سرِمبارک حضرت زیدؓ بن ثابت کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی ۔ اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اس قدر بوجھ پڑا کہ جیسے وہ ٹوٹ رہی ہو ۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی ۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں نزول وحی کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ (۱) گراں بار قول آپؐ کے قلب اطہر پر اِلقاء کیا جاتا تھا ۔ اس وقت آپؐ گھنٹی کی سی آواز سنتے تھے ۔ وحی کی یہ صورت آپؐ پر بہت دشوار ہوتی تھی جیسا کہ ارشاد ہے ۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً (مزمل ۵)

ہم آپؐ پر ایک گراں بار قول اِلقاء کریں گے ۔

(۲) یہ کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا ۔ وحی کی یہ صورت مقابلتاً خفیف اور آسان تھی ۔ دوسری احادیث سے وحی کے مندرجہ ذیل طریقے بھی ثابت ہیں ۔

(۳) **اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ۔** جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت کے پیچھے سے پکارا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پکار سنی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ یہ واقعہ آپؐ کو بیداری کی حالت میں معراج کی شب میں پیش آیا ۔

(۴) **فرشتہ کی طرف سے اِلقاء ۔** وحی کے اس طریقہ کے تحت حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں آپؐ کے سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ اطہر میں کوئی بات اِلقاء فرما دیتے تھے ۔ جیسا کہ حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے ۔ (علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی) ۔

(۵) **فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا ۔** اس صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے ۔ ایسا ایک مرتبہ تو اس وقت ہوا جب آپؐ نے خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی ۔ اور دوسری مرتبہ شب معراج میں ہوا (علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی) ۔

(۱) **رویائے صادقہ ۔** صحیح بخاری و مسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے

خوابوں سے ہوئی ۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی ۔ اس کے علاوہ مدینۂ منورہ میں آپؐ پر کسی منافق نے سحر کر دیا تھا ۔ اس کو دفع کرنے کا طریقہ بھی آپؐ کو خواب ہی میں بتایا گیا تھا۔

وحیِ متلوّ و غیر متلوّ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی ۔

(۱) وہ وحی جو قرآنِ کریم کی آیات ہیں اور جن کے الفاظ و معنیٰ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے ۔ اور یہ قرآن کی شکل میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا ۔ علماء کی اصطلاح میں اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے ۔ اس میں اسلام کے اصول ، عقائد اور بنیادی تعلیمات کا بیان ہے ۔

(۲) وہ وحی جو قرآنِ کریم کا جزو نہیں بنی ۔ اس کے ذریعہ آپ کو بہت سے احکام عطا فرمائے گئے ۔ اس کو وحی غیر متلو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی ۔ اور یہ صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے ۔

فرمانِ رسول

تقدیر ۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا کہ آپ نے فرمایا ۔ اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمے بتاتا ہوں تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو ۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گا ۔ تم اس کا لحاظ رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے جب تو کچھ مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اتنا نفع پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھا ہے ۔ اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۔ تقدیر کے قلم اٹھائے جاچکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں ۔ (ترمذی ۔ مشکوٰۃ) ۔

باب دوم

فضائلِ قرآن

قرآنِ کریم کی عظمت و فضیلت سمجھنے کے لئے یہ آیتِ مبارکہ ہی کافی ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس ۵۷) ۔

اے انسانو ! بلا شبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص پیغامِ نصیحت آگیا ہے جو ان تمام بیماریوں کے لئے جو سینوں میں ہوں شفا اور عافیت کا سامان ہے اور مومنوں کے لئے (مباحث) ہدایت و رحمت ہے ۔

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام (قرآن) لوگوں کے لئے پیغامِ نصیحت ہے ، ظاہری و باطنی امراض و عیوب کے لئے شفا و عافیت کا ذریعہ اور ہدایت و رحمت کا خزانہ ہے ۔ ظاہر ہے انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی ۔

۱۔قوموں کا عروج و زوال ۔ حضرت عمرؓ نے عظمتِ قرآن کو ظاہر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کہ آگاہ ہوجاؤ اے لوگو ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عزّت و سر بلندی عطا فرماتا ہے اور بہت سی دوسری (قوموں) کو (اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے) ذلیل و رسوا کرتا ہے (مسلم) ۔

۲۔قرآن کا مُعلّم ۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ بندہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے (بخاری شریف ۳/۱۶۵) ۔

۳-**نزولِ ملائکہ** - حضرت اُسَیْد بن حُضَیر ایک روز تہجد میں سورۂ بقرہ تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا جو قریب ہی بندھا ہوا تھا بِدکنے لگا - جب وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑے نے بھی بدکنا بند کر دیا - انہوں نے جب دوبارہ تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا - آخر نماز ختم کر کے سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو ایک سائبان نظر آ رہا تھا جس میں بہت سی شمعیں روشن تھی - صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت کی آواز سننے کے لئے قریب ہوگئے تھے - (مسلم) -

۴-**نزولِ سکینہ** - حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں سیکھتے سکھاتے ہیں تو ان پر سکینہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت و پسندیدگی اور اس کی طرف سے بندوں کے سکون قلب اور طمانیت کی ایک خاص کیفیت) نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (فرشتوں) میں ان کا ذکر کرتا ہے (احمد، مسلم، ابوداؤد) -

۵- **ذخیرۂ آخرت** - حضرت ابو ذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا - یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ وصیت فرمائیے - آپؐ نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ تلاوتِ قرآنِ پاک تمہارے لئے زمین میں نور اور آسمان (آخرت) میں ذخیرہ ہے (ابن حبان) -

۶-**حافظ کی شفاعت** - حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو (امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) -

۷-**محافظ فرشتے کا تقرر** - شدادؓ بن اوس کی روایت میں ہے کہ جو مسلمان لیٹتے وقت کتاب اللہ کی کوئی سورت پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ کو محافظ

مقرر کر دیتا ہے اور وہ فرشتہ کسی اذیت دینے والی چیز کو اس کے پاس نہیں آنے دیتا ، یہاں تک کہ جب وہ مسلمان بیدار ہوتا ہے تو وہ فرشتہ بھی اپنی خدمت سے سبکدوش ہو جاتا ہے (احمد ، ترمذی) ۔

۸۔خیر و برکت کا باعث بزّار نے حضرت انسؓ کی حدیث سے روایت کی کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس میں خیر و برکت کی کثرت ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا اس کی خیر و برکت گھٹ جاتی ہے ۔

۹۔اللہ تعالیٰ کے اہل ۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر والے اور خاص لوگ ہیں ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن شریف والے اللہ تعالیٰ کے اہل اور خاص لوگ ہیں (نسائی ابن ماجہ ، حاکم)۔

۱۰۔قلب کا صَیقَل ۔ حضرت عبدؓاللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے دلوں پر اسی طرح زنگ آجاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! دلوں کا زنگ کس چیز سے دور ہوتا ہے۔آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآنِ مجید کی تلاوت زیادہ کرنا (بیہقی) ۔

۱۱۔حافظ کی مثال ۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی مثال ، جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے ، مکرم اور نیک لکھنے والے (فرشتوں) جیسی ہے ۔ اور جو شخص قرآنِ مجید کو بار بار پڑھتا ہے اور وہ اس کے لئے دشوار (اٹک اٹک کر پڑھنا) بھی ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا (ایک تلاوت کا دوسرا مشقت کا) بخاری شریف ۱۵۲ / ۲ ۔

۱۲۔بہترین گفتگو ۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین گفتگو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے (مسلم) ۔

۱۳۔ **بہترین رفیق ۔** حضرت معاذ بن انس سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھا وہ صدیقین، شہداء اور صالحین کی ہمراہی میں لکھ دیا گیا اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں (احمد)۔

۱۴۔ **جنت کا تاج ۔** حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن کی تعلیم دے گا قیامت کے دن اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا (طبرانی)۔

۱۵۔ **قرآن پڑھنے کا انعام ۔** حضرت معاذ جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا تو قیامت کے روز اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگی جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا خود اس آدمی کے متعلق کیا گمان ہے جس نے یہ عمل کیا ہو (مسند احمد، ابو داؤد، حاکم)۔

۱۶۔ **دعا کی قبولیت ۔** حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن کو جمع کیا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا چاہے وہ جلد دنیا ہی میں اس کی دعا کا اثر ظاہر کر دے اور چاہے اسے آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھے ۔ (طبرانی)۔

۱۷۔ **ایک آیت سیکھنے کی فضیلت ۔** حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ بے شک یہ بات کہ تو صبح کو قرآن کی ایک آیت سیکھے تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تو نماز کی ایک سو رکعت ادا کرے (ابن ماجہ)۔

۱۸۔ **بزرگی کا تاج ۔** حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز جب صاحب قرآن میدان حشر میں آئیگا تو قرآن کہے گا کہ اے اللہ! اس کو لباسِ آراستہ پہنا دے ۔ چنانچہ اس کو بزرگی کا تاج پہنایا جائیگا ۔ پھر قرآن کہے گا کہ اے اللہ! تو اس کو اور زیادہ مرتبہ دے اور اس سے راضی ہو جا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیگا اور اسے حکم دے گا کے ایک ورق پڑھ اور ہر آیت کے بدلے اس کی ایک نیکی بڑھائے گا (حاکم)۔

۱۹ ۔ **قرآن کی شفاعت ۔** حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ کریم ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا ۔ جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اسے پس پشت ڈالدے اس کو یہ جہنم میں گرا دیتا ہے (ابن حبان) ۔

۲۰۔ **تلاوت دل لگنے تک کرنا ۔** حضرت جندبؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ مجید اس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگے ۔ جب دل اچاٹ ہونے لگے تو پڑھنا بند کردو (بخاری شریف ۱۶۹/ ۳) ۔

۲۱۔ **گھروں کو منور کرنا ۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز اور قرآن کی تلاوت سے اپنے گھروں کو منور کرو (بیہقی) ۔

۲۲۔ **ویران قلب ۔** حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے قلب میں قرآنِ کریم کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے (ترمذی ، احمد دارمی ، حاکم) ۔

۲۳۔ **حساب سے مستثنیٰ لوگ ۔** حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی ایسے ہوں گے جن کو نہ خوف دامن گیر ہوگا اور نہ ان کو حساب و کتاب دینا پڑے گا اور جب تک مخلوق اپنے اپنے حساب و کتاب سے فارغ ہوگی ، وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے ۔ (۱) وہ شخص جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا اور ان لوگوں کی امامت کی جو اس سے راضی ہیں ۔
(۲) وہ شخص جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہو ۔ (۳) وہ شخص جو اپنے ماتحتوں سے اچھا برتاؤ کرے (طبرانی) ۔

۲۴۔ **مشک کی تھیلی ۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو ! تم

قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور اس کو پڑھو اس لئے کہ جو شخص اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے ، پھر اسے پڑھتا اور اس کا اہتمام کرتا ہے تو اس کی مثال اس تھیلی جیسی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہے اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے اور جو شخص اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے ، پھر اس سے (غافل ہو کر) سو جاتا ہے ، اس طرح کہ قرآن اس کے سینے میں ہوتا ہے تو اس کی مثال اس تھیلی جیسی ہے جس کی مشک (تھیلی کے منہ) کو بند کر دیا گیا ہو (ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ) ۔

۲۵۔دس آیتوں کی تلاوت ۔ حضرت ابو ہریرؓہ بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں دس آیتوں کی تلاوت کرے وہ اس رات میں غافلین میں شمار نہیں ہوگا (حاکم) ۔

۲۶۔علمِ نبوت ۔ حضرت عبدؓاللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھ لیا ، اس نے علومِ نبوت کو اپنے دونوں پہلوؤں میں لے لیا ۔ فرق یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی ۔ حاملِ قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ غصہ کرنے والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے ، حالانکہ اس کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ۔ (حاکم ، بیہقی) ۔

۲۷۔طلبِ دنیا کے لئے پڑھنے کا انجام ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لئے قرآن پڑھتا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں سے کھائے تو قیامت کے روز وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا ۔ یعنی جو لوگ حصول دنیا کی غرض سے قرآن شریف پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (بیہقی) ۔

۲۸۔گمراہی سے بچنے کا ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے (ان پر عمل کرتے رہو گے) تو ہرگز گمراہی میں نہ پڑوگے اور وہ (چیزیں) قرآن اور میری حدیث ہے (مشکوٰۃ) ۔

۲۹۔**اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا۔** نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے پس جو شخص چاہے کہ وہ رب العزت سے ہمکلام ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرآنِ کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرے۔ (مسند ابی شیبہ)۔
۳۰۔**آمین کہنا۔** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (بخاری شریف ۸۰ / ۴)۔

۳۱۔**تلاوت کی فضیلت۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے۔ اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے (بیہقی)۔

۳۲۔**اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین۔** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سب سے زیادہ محبوب قرآن ہے۔ (دارمی)۔
۳۳۔**اللہ تعالیٰ کا سایہ۔** حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن حاملینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے سایہ میں کھڑے ہوں گے۔
۳۴۔**بہترین کلام۔** حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سب سے بہتر کلام قرآنِ مجید ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اور بُری چیزوں میں سے سب سے بدتر بدعات ہیں۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ آکر رہے گی اور تم اسے روک نہ سکو گے (بخاری شریف)۔

۳۵۔**دوگنا ثواب۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآن پاک میں دیکھ کر پڑھنا دوہزار درجہ

تک بڑھ جاتا ہے (بیہقی) ۔

۳۶۔قرآن سننے کا اجر۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن مجید کی ایک آیت کان لگا کر سنی اس کو ایک بڑھتی رہنے والی نیکی ملے گی ۔ جس نے اس کو پڑھا ہے وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی (احمد) ۔

۳۷۔قرآن کے شوق کا صلہ۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص قرآن پڑھنے کا شوق رکھتا ہے مگر پڑھ نہیں سکتا اور نہ پڑھنے کی کوشش ترک کرتا ہے تو قیامت کے روز وہ اعلیٰ درجہ کے قرآن پڑھے ہوؤں میں اٹھایا جائیگا ۔(احمد) ۔

۳۸۔نیکی سے محروم گھر۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ خالی (نیکی سے محروم) وہ گھر ہے جس میں تھوڑا سا بھی قرآن مجید نہ ہو ۔ یعنی اس گھر کے لوگ قرآن مجید سے بالکل ہی کورے اور محروم ہوں (حاکم)۔

۳۹۔قرآن کو دہرانا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حافظِ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کے مالک جیسی ہے ۔ اگر اس کی نگرانی رکھے گا تو روک سکے گا ، ورنہ وہ بھاگ جائے گا ۔ (بخاری شریف ۱۶۶ / ۳) ۔

۴۰۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبیؑ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بہت برا ہے بلکہ (یوں کہنا چاہئے کہ) بھلا دیا گیا ۔ اور قرآنِ مجید کا دہرانا اور یاد کرنا جاری رکھو کیونکہ انسانوں کے دلوں سے دور ہوجانے میں وہ اونٹ سے بھی بڑھکر ہے (بخاری شریف ۱۶۶ / ۳)۔

باب سوئم

آدابِ تلاوت

(۱) **تلاوت کی کثرت**: قرآنِ کریم کی قرائت و تلاوت کثرت سے کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک تو بس دو ہی باتوں پر ہونا چاہئے۔ ایک اس آدمی پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہے (یعنی جو حافظ قرآن ہے) اور وہ دن رات اس کے ساتھ قیام کرتا ہے (اس کو پڑھتا رہتا ہے) اور اس کا پڑوسی سن کر یہ کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس جیسا علم ہوتا اور میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق کے لئے لٹاتا ہو اور (اسے دیکھ کر) دوسرا آدمی کہتا ہو کہ کاش مجھے بھی اتنا مال حاصل ہوتا اور میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا (بخاری شریف ۱۶۵/ ۳)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (اس طرح آلم پڑھنے والا تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرے گا) ترمذی، دارمی۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآنِ کریم نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے سوال کرنے اور دعا کرنے سے مشغول رکھا (روکا) تو میں اس کو ان سے افضل عطا کروں گا جو سوال کرنے والوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلہ میں ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو (ترمذی، دارمی، بیہقی)۔

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قرآن پڑھا کرو ، قیامت کے روز وہ اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا (مسلم) ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ آسمان والوں کو اس طرح روشن نظر آتا ہے جس طرح زمین والوں کو تارے نظر آتے ہیں (بیہقی) ۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی بہترین عبادت قرآنِ کریم کی قرأت ہے ۔

(۲) ۔ قرآن کا بھول جانا: قرآنِ کریم کا بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآنِ کریم کو یاد کر کے بھول جائے تو قیامت کے روز وہ جزامی ہوگا (معاذ اللہ) بخاری شریف ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہ پایا کہ آدمی قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھلا دے (ترمذی) ۔

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو لازم پکڑو ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ اونٹ کے اپنی رسی تڑوا کر بھاگ جانے سے زیادہ تیزی سے بھاگتا ہے ۔ (بخاری شریف ۱۶۶/ ۳) ۔

(۳) ۔ وضو کرنا: قرآنِ کریم پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے ۔

(۴) ۔ مسواک کرنا: قرآن کی تعظیم اور منہ کی صفائی کے خیال سے مسواک کرنا مسنون ہے ۔ بزّار نے حضرت علیؓ سے جید سند کے ساتھ **مرفوعاً** روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں لہذا ان کو مسواک کے ذریعہ پاک و صاف بناؤ ۔

(۵) ۔ پاک جگہ پر تلاوت کرنا: **پاک و صاف جگہ** پر تلاوت کرنا مسنون ہے اور اس کے لئے سب سے **افضل** جگہ مسجد ہے ۔

(۶) **قبلہ رو ہونا**: قرأت کے وقت قبلہ رو ہو کر خشوع و حضوع کے ساتھ با آرام اور جم کر بیٹھنا مسنون ہے۔

(۷) **تعوّذ پڑھنا**: قرأت کے آغاز سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط
(النحل ۹۸)۔

جب تو قرآن پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کے بارے میں پناہ مانگ۔

(۸)۔ **بسم اللہ پڑھنا**: سورۂ برأت کے سوا ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔

(۹)۔ **ترتیل سے پڑھنا**: تلاوت میں ترتیل مسنون ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً ۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔
ابو داؤد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی وضاحت کے ساتھ حرف حرف نمایاں کر کے پڑھا کرتے تھے۔
۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے (قیامت کے روز بہشت میں داخل ہوتے وقت) کہا جائے گا تو قرآن پڑھتا جا اور (بہشت کے) درجوں پر چڑھتا جا اور جس طرح تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل کے ساتھ پڑھ۔ بیشک (بہشت میں) تیری منزل اسی جگہ ہو گی جہاں تو قرآن کی آخری آیت پڑھ کر اسے تمام کرے گا۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔
مسند احمد میں حضرت بریدہ کی ایک طویل روایت کے آخر میں ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور جنت کے درجات اور اس کے بالا خانوں میں چڑھتا جا۔ پس جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا ہی رہے گا خواہ وہ روانی سے پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھے۔

(۱۰) معانی پر غور کرنا: تلاوتِ قرآن کے وقت اس کے مطالب و معانی پر غور کرنا مسنون ہے ۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (محمد ۲۴) ۔

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ ص (۲۹)

ایک با برکت کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں ۔

حضرت عوفؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ایک شب کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا اور آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی اس طرح کہ جب آپؐ کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو رک کر دعا مانگتے اور عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے (ابو داؤد ، نسائی) ۔

ابوداؤد اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ کو خاتمہ تک پڑھے تو اس کے بعد اسے کہنا چاہیے بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ ۔ اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ کو آخری آیت تک پڑھے یعنی اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی تک تو اس کو بَلٰی (بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے) کہنا چاہیے ۔اور سورۂ وَالْمُرْسَلٰتِ پڑھنے والا جب فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ تک پہنچے تو اس کو اٰمَنَّا بِاللہ (ہم لوگ خدا پر ایمان لائے) کہنا چاہیے ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی فرماتے (احمد ، دواؤد) ۔

(۱۱) ۔ کسی ایک آیت کو بار بار پڑھنے اور اس کو دہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

حضرت ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک ہی آیت کی تکرار کرتے کرتے صبح کر دی ۔ وہ آیت یہ تھی ۔ **اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ** ۔ (مائدہ ۱۱۸)۔

(۱۲) خوش الحانی : تلاوت میں خوش آوازی اور لب و لہجہ کی درستگی مسنون ہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنی توجہ نہیں فرماتا جتنی توجہ سے اس بندے کی آواز سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام خوش الحانی سے پڑھتا ہو (بخاری ، مسلم ، احمد) ۔

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی آوازوں سے قرآنِ کریم کے حسن و زینت کو ظاہر کرو (احمد ، ابو داؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ) ۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ حضرت عبید اللہ بن ابو یزید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو لبابہؓ (صحابی) کا ہمارے پاس سے گزر ہوا ۔ ہم بھی ان کے ساتھ ہو لئے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور (اجازت لیکر) ان کے ساتھ ہم بھی داخل ہوگئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک معمولی رہن سہن والے سادہ مزاج انسان ہیں ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں (ابوداؤد) ۔

(۱۳) تلاوت کے وقت رونا : قرآن پڑھتے وقت رو پڑنا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونی صورت بنا لینی چاہیئے ۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کی ۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ناگہاں آپؐ کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں (صحیحین) ۔

بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں سعد بن مالک سے مرفوع روایت بیان کی کہ بیشک یہ قرآن رنج اور صدمہ کے ساتھ نازل ہوا ہے ۔ اس لئے جس وقت تم اس کو پڑھو تو رؤو اور رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو ۔

(۱۴) ۔ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا : قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف (قرآن) کو دیکھنا بھی عبادت ہے ۔

ابو عبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی کہ ناظرہ قرآن پڑھنے کو حفظ کے ساتھ قرآن پڑھنے پر وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل نماز پر فضیلت حاصل ہے ۔

(۱۵) ۔ بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا : کسی سے بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا مکروہ ہے ۔ اسی طرح تلاوت کے دوران ہنسنا ، کپڑے یا کسی چیز سے کھیلنا یا کسی ایسی چیز کو دیکھنا جو تلاوت سے توجہ ہٹا دے ، سب مکروہ ہے ۔

(۱۶) ۔ تلاوت کا سننا : تلاوت قرآن کا سننا اور اس وقت شور و غل اور باتیں ترک کر دینا ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ط
(اعراف ۲۰۴) ۔

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔

(۱۷) سجدہ کی آیت پڑھکر سجدہ کرنا ضروری ہے ۔ قرآنِ کریم میں سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں ۔

(۱۸) سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے ۔
(۱۹) قرآن کا ترتیب سے پڑھنا واجب ہے اگرچہ نماز سے باہر ہو (طحاوی) ۔
(۲۰) قرآن کو با وضو ہاتھ لگانا چاہئے ۔ اگر پانی میسر نہ ہو یا کوئی اور عذر ہو تو تیمم کر لے بغیر وضو کے زبانی پڑھنا جائز ہے ۔
(۲۱) قرآنِ کریم کو کمائی کا ذریعہ بنانا مکروہ ہے ۔

(۲۲) **ختم القرآن کی اہمیت** : ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے ۔ ختم قرآن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو شریک کرنا چاہئے ۔
مجاہد سے روایت ہے کہ صحابہؓ کرام ختم القرآن کے وقت اکٹھے ہو جایا کرتے تھے ۔ مجاہد

ہی سے روایت ہے کہ ختم القرآن کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے ۔

(۲۳) ۔ ختم القرآن کی دعا: ختم القرآن کے بعد دعا مانگنا سنت ہے ۔
حضرت عرباض بن ساریہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کیا اس کے لئے ایک قبول ہونے والی دعا ہے ۔ (طبرانی)
حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دورد بھیجا اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی تو بیشک اس نے اچھے موقع پر اپنی بہتری طلب کی ۔
(۲۴) ایک ختم سے فارغ ہوتے ہی دوسرا ختم شروع کر دینا مسنون ہے۔
حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیتے تو اَلْحَمْدُ سے پھر شروع کر دیتے اور اس کو پڑھ لینے کے بعد سورۂ بقرہ میں سے اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک تلاوت فرماتے ۔ اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرما کر اٹھتے (ماخوذ از اتقان ۲۷۹ ۔ ۳۰۱ / ۱) ۔

فرمان رسول

کامل مومن ۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔ (بخاری شریف ۱۰\۱) ۔

خالص منافق ۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں یہ چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے ۔ اور جس میں ان چار میں سے ایک عادت ہو وہ (بھی) نفاق ہی ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے (وہ علامات یہ ہیں) ۔

(۱) ۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے ۔
(۲) ۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ۔
(۳) ۔ جب وہ کسی سے عہد کرے تو اس کو دھوکہ دے ۔
(۴) ۔ جب وہ کسی سے لڑے تو گالیوں پر اتر آئے ۔ (بخاری شریف ۱۳\۱) ۔

بابِ چہارم

نزولِ قرآن

نُزُوْل ۔ لغت میں اس کے معنیٰ اترنے کے ہیں ۔

اِنْزَالٌ ۔ اس کے معنی اتارنے کے ہیں۔ کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دینا ۔ سورۂ اسراء میں ارشاد ہے ۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (۱۷/۱۰۵) ۔

اور حق ہی کے ساتھ ہم نے اس (قرآن) کو اتارا اور حق ہی کے ساتھ وہ (قرآن) اترا ۔

تَنْزِیْلٌ ۔ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا ۔

حضراتِ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء اور نزولِ قرآن کریم کا سلسلہ اسی روز اور اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا ۔ قرآنِ کریم کلام الٰہی ہے جو پہلے لیلۃُ القدر میں لوحِ محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہوا ۔ پھر وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر تئیس سال کے عرصہ میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵/۲۲،۲۱) ۔

بلکہ وہ تو قرانِ مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷/۱) ۔

بلاشبہ ہم نے اس (قرآن) کو لَیلَۃُ القدر میں نازل کیا ۔

وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (۱۷/۱۰۲)۔

اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا۔

لوح محفوظ میں کلام اللہ کے محفوظ ہونے کا زمانہ اور کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ بتادیا ہے کہ تمام علومِ الہٰیہ ، تقدیری، وتکوینی امور، فنا و بقا اور ہر ایک کی موت و حیات اور قیامت تک پیش آنے والے جملہ احوال کا خزانہ اور سرچشمہ لوحِ محفوظ ہے ۔ جیساکہ ارشاد ہے ۔

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۵۴/۱۵۳)۔

اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے ۔

تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کی حکمت اس طرح بیان فرمائی ہے ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (سورہ فرقان ۳۲)۔

اور کافروں نے کہا کہ آپؐ پر تمام قرآن بیک وقت کیوں نہ اتار دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اسی طرح تھوڑا تھوڑا کرکے اتارتے ہیں تاکہ اس قرآن کے ساتھ آپؐ کے قلبِ مبارک کو ثابت رکھیں ۔ اور ہم ترتیل و خوبی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔

قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ جب کفار مشرکین کوئی اعتراض کرتے تو اس کے جواب میں قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا آیتیں نازل ہوجاتی تھیں ۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ آنے والے واقعات کے بارے میں قرآن کے ذریعہ خبر دیکر کافروں پر حجت قائم کردی جاتی تھی ۔ چنانچہ جب کفار کی ایذا رسانی بڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَ لَاتَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ۔
(النحل ۱۲۷) ۔

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کیجئے ۔ آپ کا صبر کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق و عنایت سے ہے ۔ اور آپ ان مشرکین پر غم نہ کیجئے اور نہ ان کی سازشوں سے جو یہ کر رہے ہیں تنگدلی اور اضطراب میں پڑئے ۔

اسی طرح جب مشرکین کا بغض و عناد اور شقاوت ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان بد بختوں کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی ۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (حٰم سجدہ ۱۳) ۔

پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ ان سے کہدیں کہ میں تو تمہیں عذاب الٰہی کی کڑک سے خبردار کر چکا ہوں ۔ جیسی کڑک کے عاد و ثمود پر مسلط ہوئی تھی ۔

پھر اللہ تعالیٰ کے قہر سے کفار و مشرکین تباہ و برباد ہو گئے ۔ اس طرح ہر آیت ایک مستقل دلیل بنکر نازل ہوتی رہی ۔ اور یہ بات قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے ہی کی صورت میں ممکن تھی ۔ (منازل العرفان ۴۷ ۔ ۴۸) ۔

سب سے پہلی آیات ۔ جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں ۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی ۔ آپؐ جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی........

یہاں تک کہ ایک فرشتہ (جبرائیل) نے غار (حرا) کے اندر آکر آپؐ سے کہا کہ " پڑھئے " آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ۔ آپؐ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے دبوچ کر اس

زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی ۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے ، میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ۔ یہ سنکر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے۔میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔اس پر اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لیکر خوب بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ (علق ۱ ـ ۵)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے ۔ جس نے انسان کو جے ہوئے خون سے پیدا کیا ۔ پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے ۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ۔ اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ۔

یہاں تک پڑھ کر وہ فرشتہ خاموش ہو گیا ۔ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ کا دل کانپ رہا تھا اور آپؐ سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے آپؐ نے آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے اڑھادو ، مجھے اڑھادو ، کچھ دیر بعد جب آپؐ کی طبیعت پرسکون ہوئی تو آپؐ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا (ہادیٔ اعظم ، از مولف ۱۰۰ ، ۱۰۱) ۔

ان آیات کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا ۔ اس مدت کو " فَتْرَتِ وحی " کا زمانہ کہتے ہیں ۔ حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ۔

اول سورۃ نزلت فی القران اقرا باسم ربک ۔

قرآن میں سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت اقرا باسم ہے ۔

طبرانی نے اپنی کتاب الکبیر میں ابی رجاء العطار دی سے ایسی سند کے ساتھ جس میں صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہیں روایت کی کہ ابو رجاء عطاردی بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری ، ہمیں قرآن پڑھاتے وقت حلقہ باندھکر بٹھادیتے تھے اور خود دو سفید و شفاف کپڑے پہن کر وسط میں بیٹھتے تھے ۔ جب وہ اس سورۂ اقرا باسم ربک

سورت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ۔ (اتقان ۵۷ / ۱) ۔

بعض مفسرین کے نزدیک سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی ۔ شیخین نے ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کونسا حصہ پہلے نازل ہوا ہے ۔ حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ یاایھاالمدثر ۔ میں نے کہا یا اقرا باسم ربک ۔ یہ سنکر حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں تم سے وہ بات بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کہی تھی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے غارِ حرا میں خلوت نشینی اختیار کی ۔ جب میں نے یہ مدت پوری کرلی اور پہاڑ سے اتر کر وادی کے نشیب میں آیا تو مجھے کسی نے آواز دی ۔ پس میں نے اپنے سامنے کی طرف، اپنے پیچھے، اپنے دائیں طرف، اپنے بائیں طرف اور آسمان کی طرف دیکھا، پس یکایک مجھے وہ (فرشتہ) نظر آگیا جس کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی اور میں نے (حضرت) خدیجہؓ کے پاس آکر کہا کہ مجھے (کپڑے) اڑھادو ۔ انہوں نے مجھے اڑھادیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یاایھاالمدثر نازل فرمائی (بخاری شریف ۱۴۹ / ۳) ۔

علماء کرام نے اس حدیث کے مختلف جواب دئے ہیں ۔ ایک یہ کہ سائل کا سوال پوری سورت نازل ہونے کے بارے میں تھا ۔ اسی لئے حضرت جابر نے فرمایا کہ سب سے پہلے سورۂ مدّثّر نازل ہوئی کیونکہ اس سے پہلے سورۂ علق پوری نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھی، دوسرے یہ کہ حضرت جابرؓ وحی کے حوالہ سے بات کر رہے تھے کہ انقطاع وحی کی مدّت گزرنے کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی ۔ اس کی تائید حضرت جابرؓ ہی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بخاری شریف میں وحی کی ابتداء کے باب میں آئی ہے ۔ یہ حدیث ابن شہاب نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کے واسطہ سے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے موقوف ہونے (فَتْرَتِ وحی) کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک بار میں جارہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی اور میں نے نگاہ اٹھائی تو مجھے وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا ۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور گھر واپس آکر میں نے کہا کہ مجھے اڑھادو، مجھے اڑھادو ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (سورۂ مدثر کی) یہ آیتیں نازل فرمائیں ۔ (بخاری شریف ۷ / ۱) ۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "وہ میرے پاس آیا تھا" صاف دلالت کر رہا ہے کہ یہ بعد کا واقعہ ہے جبکہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا واقعہ اس سے پہلے غارِ حرا میں پیش آچکا تھا ۔ لہٰذا سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پہلے نازل ہوئیں اور سورۂ مدثر

بعد میں۔ البتہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر ہی کی آیات نازل ہوئیں۔

خاص معاملات میں پہلی آیات

جہاد کے بارے میں پہلی آیت۔ حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جنگ کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ ..... الاخیر (حج ۳۹، ۴۰) حضرت ابن عباسؓ کی مانند، مجاہد، ضحاک، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، قتادہ اور دیگر سلف نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کی اجازت میں نازل ہوئی، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال کی ممانعت کے بعد یہ پہلی آیت ہے جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی (ہادی اعظم)۔

قتل کے بارے میں پہلی آیت۔ ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی قتل کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَاناً فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ۔ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْراً۔** (بنی اسرائیل ۳۳)۔

شراب کے بارے میں پہلی آیت۔ علامہ طیالسی نے اپنی مسند میں ابن عمرؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ..... (بقرہ ۲۱۹) نازل ہوئی۔ اور کہا جانے لگا کہ شراب حرام ہو گئی۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آپ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء ۴۳) نازل ہوئی۔ اور کہا گیا کہ اب شراب حرام ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم اسے نماز کے قریب کے اوقات میں نہیں پیا کریں گے۔ پھر بھی آپؐ خاموش رہے اور ان کو کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ.... (مائدہ ۹۰) نازل ہوئی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب شراب حرام کر دیگئی ہے (اتقان ۶۴/۱)۔

مکی و مدنی آیات

قرآنِ کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض کو مدنی کہا جاتا ہے ۔ اکثر ائمہ مفسرین کے نزدیک اس تقسیم کا پسندیدہ ، مشہور اور راجح مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں اور آیتیں آپؐ کی مدینۂ منورہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں خواہ وہ مکہ شہر میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ سے باہر کسی اور مقام پر یا شبِ معراج میں یا ہجرت کے سفر میں ، سب مکی کہلاتی ہیں ۔ بعض لوگ مکی کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ مکہ شہر میں نازل ہوئیں ۔ اور مدنی ان کو کہتے ہیں جو مدینۂ منورہ میں نازل ہوئیں ۔ مگر مکی و مدنی کا یہ مطلب اکثر مفسرین کے نزدیک درست نہیں ۔ اسی طرح وہ سورتیں اور آیتیں جو آپؐ کی مدینۂ منورہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں خواہ وہ مدینہ شہر میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ کے باہر کسی سفر یا غزوہ میں ، وہ سب مدنی کہلاتی ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ بھی مدنی کہلاتی ہیں جو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر خاص مکہ شہر یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں ۔

بیشتر سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں صحابۂ کرام ہی کے اقوال و تصریحات سے پتہ چلتا ہے کیونکہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی حضرات نے قرآنِ کریم پڑھا اور سیکھا اور اس کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کیں ۔ البتہ بعض سورتوں اور آیات کے بارے میں دوسرے شواہد سے بھی مدد لی گئی ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی ؟ حضرت علی فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو ، میدانی علاقہ میں اتری یا پہاڑ پر ؟ ابو ایوب کہتے ہیں کہ کسی شخص نے عکرمہ سے قرآنِ کریم کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کوہ سلع کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ یہ آیت اس پہاڑ کے دامن میں نازل ہوئی تھی ۔ (اتقان ۱۶ / ۱ ، علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۶۰ ، ۶۱) ۔

بعض سورتوں کا بیشتر حصہ مکی ہے مگر ان میں چند آیتیں مدنی ہیں ۔ اسی طرح بعض مدنی سورتوں میں چند آیتیں مکی ہیں ۔ ایسی صورت میں اکثر حصہ کا اعتبار کیا جائے گا ۔ مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے مگر اس میں وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ سے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ..... الاٰخیر (۱۶۳ - ۱۷۲) مدنی آیات ہیں ۔ اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے مگر اس کی چار آیتیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ سے عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۵۲ - ۵۵) تک مکی ہیں (اتقان ۱۴ - ۱۶ / ۱) ۔

مکی و مدنی آیتوں کی خصوصیات

جو آیتیں اور سورتیں مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر اعتقادی مسائل؛ توحید و رسالت ، جزا و سزا ، اہل جنت کے احوال ، اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت ، اس کا قہر و عذاب اور اہل جہنم کے احوال بیان کئے گئے ہیں ۔ ان سورتوں میں عبرت و نصیحت کے انداز میں بار بار اللہ تعالیٰ ، اس کے پیغمبر اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ غور و فکر اور اپنی عقل و بصیرت سے کام لیکر حق کو پہچانیں اور اس کو قبول کریں ۔ اس کے ساتھ ہی بت پرستی کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کے ثبوت میں دلائل ایسے عبرت آموز اور آسان پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں کہ ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کو معبود بنانا کتنی بڑی حماقت ہے ۔
اہل مکہ اپنی فصاحت و بلاغت اور اپنی شاعری پر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے بیت اللہ کی دیواروں پر اپنے قصائد ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) کے اعلان کے ساتھ لٹکا رکھے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تشبیہات و استعارات اور تمثیلوں کے ساتھ ساتھ الفاظ کا ایسا اچھوتا انتخاب اور ایسا منفرد اور عمدہ اندازِ تعبیر اختیار فرمایا کہ عرب کے وہ نامور فصحاء و بلغاء اور خطباء و شعراء جو فصاحت و بلاغت اور خطابت و شاعری میں کسی کو اپنا ثانی نہیں سمجھتے تھے وہ اس کلامِ ربانی کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت لانے سے بھی عاجز تھے ۔

اس کے برعکس جو آیتیں اور سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان کے مضامین نہایت سادہ ، واضح ، دلائل کی قوت اور حقائق سے لبریز ہیں کیونکہ ان آیات کے مخاطب اہل کتاب تھے جو علمی صلاحیتوں کے پیش نظر حقائق و دلائل کو سمجھنے اور قبول کرنے کی اہلیت رکھتے تھے ۔ ان لوگوں کے حسد و عناد ، غرور و تکبر ، حق کو چھپانے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں تحریف کرنے جیسے عیوب اور بیماریوں کو مدنی آیتوں میں نہایت نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ توریت و انجیل کی ان بشارتوں کا بھی بار بار ذکر کیا گیا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپؐ کی نشانیوں کا بیان اور اہل کتاب کو اس نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا

حکم تھا ۔ نیز دلائل و براہین کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ توریت و انجیل پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو تسلیم کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے کیونکہ تمام آسمانی کتب اصولِ دین اور توحید کے معاملہ میں متفق ہیں ۔ ان آیات میں عبادت و معاملات سے متعلق فرائض و واجبات ، ممنوعات و منہیات ، حلال و حرام غزوات وجہاد ، مالِ غنیمت ، خِراج و جِزیہ اور حدود و قصاص کے مسائل کا بیان ہے ۔ (ماخوذ از اتقان ۱۴ - ۱۶ / ۱، منازل العرفان ۷۸ - ۸۰) ۔

جس سورت میں لفظ کلا (ہر گز نہیں) آیا ہے وہ مکی ہے ۔ یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ آیا ہے ۔

جس سورت میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں وہ مدنی ہے ۔

مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں اور مدنی آیتیں اور سورتیں طویل اور مفصل ہیں ۔

حضری آیات ۔ قرآنِ کریم کا بیشتر حصہ آپؐ کے اپنے وطن میں قیام پذیر رہنے کے زمانے میں نازل ہوا خواہ آپ کا قیام مکۂ مکرمہ میں رہا ہو یا ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں ۔ ایسی تمام آیات کو حضری آیات کہتے ہیں ۔

سفری آیات ۔ وہ آیات جو سفر کی حالت میں نازل ہوئیں سفری آیات کہلاتی ہیں مثلاً ۔

۱ ۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (بقرہ ۱۲۵) ۔

سفر کے دوران حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ کے طواف کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عمرؓ نے اس بات کی تمنا کی کاش ہم مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں ۔

۲ ۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (بقرہ ۱۹۶) ۔

عمرۂ حدیبیہ کے سفر میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی ۔

۳ ۔ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ ۔ بقرہ ۲۸۱ ۔

حجۃ الوداع میں منیٰ میں نازل ہوئی ۔

۴ ۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ آل عمران ۱۷۲ ۔

حمراء الاسد میں نازل ہوئی ۔

۵ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ..... تَشْكُرُوْنَ ۔
مائدہ ۶۵

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس
کا نزول مقامِ بَیْدَاء یا ذاتُ الجیش میں سفر کے دوران اس وقت ہوا جب وہ لوگ
مدینہ آرہے تھے ۔

۶ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ نساء ۵۸ ۔

فتح مکہ کے دن خانۂ کعبہ کے اندر اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ بیت اللہ کے اندر
داخل ہوئے تھے ۔

۷ ۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۔ نساء ۱۰۲ ۔

مقامِ عُسْفَان میں ظہر اور عصر کے ما بین نازل ہوئی ۔

۸ ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔ مائدہ ۵

حجۃ الوداع میں جمعہ کے دن عرفہ کی شب میں نازل ہوئی ۔

۹ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ ۔ مائدہ
۱۱ ۔

مقامِ بطنِ نخل میں ایک غزوہ کے دوران اتری ۔

۱۰ ۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ مائدہ ۔ ۶۷ ۔

غزوۂ ذاتُ الرِّقَاع میں اس جگہ نازل ہوئی جہاں آپؐ کا خیمہ نصب تھا اور لوگ آپؐ
کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے ۔ اس کے نازل ہوتے ہی آپؐ نے خیمہ سے اپنا سر
مبارک نکال کر فرمایا ۔ اے لوگو ! اب پہرہ دینے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے
مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ۔

۱۱ ۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ۔ انفال ۹ ۔

غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ۔

۱۲ ۔ **لَوْ كَانَ عَرَضاً قَرِيباً** ۔ توبہ ۴۲ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۳ ۔ **وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَ نَلْعَبُ** ۔ توبہ ۶۵ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۴ ۔ **وَ إِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ** ۔ نحل ۱۲۶ ۔ ۱۲۸ ۔

یہ آیتیں غزوۂ احد میں اس وقت نازل ہوئیں جب آپؐ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے تھے ۔

۱۵۔ **وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا** ۔ بنی اسرائیل ۷۶ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۶ ۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ..... شَدِيدٌ** ۔ حج ۱ ۔ ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ بنی مُصْطَلِق کے لئے روانگی کے وقت نازل ہوئی ۔

۱۷ ۔ **هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ** ۔ حج ۱۹

غزوۂ بدر میں اس وقت نازل ہوئی جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے ۔

۱۸ ۔ **إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ** ۔ قصص ۸۵ ۔

مقام جُحْفہ میں نازل ہوئی جب آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لیجا رہے تھے ۔

۱۹ ۔ **وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا ...... يَعْبُدُونَ** ۔ زخرف ۴۵ ۔

بیت المقدس میں معراج کے سفر کے دوران نازل ہوئی ۔

۲۰ ۔ **سورۂ فتح** : یہ سورت حدیبیہ سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی ۔ ایک روایت کے مطابق کُرَاعَ الغَمِیم میں نازل ہوئی ۔

۲۱ ۔ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى** ۔ الحجرات ۱۳ ۔

فتح مکہ کے دن اس وقت نازل ہوئی جب حضرت بلالؓ نے خانۂ کعبہ کی پشت پر چڑھ کر اذان کہی ۔

۲۲ ۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ** ۔ الممتحنہ ۱۰

حدیبیہ کے نشیبی حصہ میں نازل ہوئی ۔

۲۳ ۔ **سورۂ منافقون** ۔: غزوۂ تبوک کے سفر میں رات کے وقت نازل ہوئی ۔

۲۴ ۔ **سورۂ والمرسلٰت**

شیخین نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے قریب ایک پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے ۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی ۔

۲۵ ۔ **سورۂ اِقْرَاء کی ابتدائی پانچ آیتیں** ۔

صحیحین کی روایت کے مطابق غارِ حرا میں نازل ہوئیں ۔

۲۶ ۔ **سورۂ نصر** ۔

حجۃ الوداع کے سفر میں ایامِ تشریق کے درمیان نازل ہوئی ۔ اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہ دنیا سے رخصت ہونے کی اطلاع ہے ۔ اتقان ۴۲ ۔ ۱/۴۸ ۔

نہاری آیات ۔ قرآنِ کریم کی ان آیات اور سورتوں کو نہاری کہتے ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں ۔ علامہ ابن حبیب کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا اکثر حصہ دن کے وقت نازل ہوا ہے ۔

لَیلِی آیات ۔ وہ آیتیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں ۔ مثلاً

۱۔ **اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ ..... اُولِی الْاَلْبَابِ** ۔ آل عمران ۱۹۰ تا آخر ۔

یہ آیتیں رات کے وقت نازل ہوئیں ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت بلالؓ صبح نماز کے وقت حاضر ہوئے تو اس وقت آپؐ رو رہے تھے ۔ حضرت بلالؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں ۔ پھر فرمایا افسوس ہے اس شخص پر جو ان کو پڑھے اور ان پر غور و فکر نہ کرے ۔

۲ ۔ **وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** ۔ مائدہ ۶۷ ۔

غزوۂ ذات الرقاع میں رات کے وقت نازل ہوئی جب صحابۂ کرام آپؐ کے خیمہ کے باہر پہرہ دے رہے تھے ۔ آپؐ نے خیمہ کے اندر سے اپنا سرِ مبارک نکال کر فرمایا ۔ لوگو! تم واپس جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ۔

۳ ۔ سورۂ انعام ۔

پوری سورت مکۂ مکرمہ میں رات کے وقت اس شان کے ساتھ نازل ہوئی کہ اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تسبیح (سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْم) کا غلغلہ بلند کرتے آ رہے تھے ۔ (طبرانی) ۔

۴ ۔ **وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰیٓ اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْہِمُ الْاَرْضُ** توبہ ۱۱۸ ۔

اس آیت میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہے ۔ یہ آیت رات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی ۔

۵ ۔ سورۂ مریم ۔

ابی مریم الغسّانی سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج رات کو میرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہی شب کو مجھ پر سورۂ مریم نازل ہوئی ہے ۔ اس لئے اس لڑکی کا نام مریم رکھو (طبرانی) ۔

۶ **یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ** ۔ احزاب ۵۹ ۔

اس رات میں نازل ہوئی جب حضرت سودہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلی تھیں۔

۷۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا ۔ زخرف ۴۵۔

شبِ معراج میں نازل ہوئی۔

۸۔ **سورۂ منافقون۔**

غزوۂ تبوک میں رات کے وقت نازل ہوئی۔

۹۔ **مُعَوِّذَتَیْن ۔ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ)۔**

ان کا نزول بھی رات کے وقت ہوا۔

فجر کے وقت نازل ہونے والی

۱۔ **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ ..... تَشْکُرُوْنَ**

مائدہ ۶۵۔

یہ آیت فجر کے وقت نازل ہوئی۔

۲۔ **لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ... ظٰلِمُوْنَ** ۔ اٰل عمران ۱۲۸۔

نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے کافروں کے حق میں بد دعا کرنے کے لئے قنوتِ نازلہ ترک فرمادی۔

صَیفی آیات۔ جو آیتیں گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں ان کو صَیفی کہتے ہیں۔

۱۔ **یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ** ۔ نساء ۱۷۷

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی۔

۲۔ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** ۔ مائدہ ۳۔

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی۔

۳ - وَاتَّقُوا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ - بقرہ ۲۸۱ -

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی -

۴ - سورۂ نصر

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی -

۵ - لَوْ کَانَ عَرَضاً قَرِیْباً - توبہ ۴۲ -

موسم گرما میں غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی -

۶ - وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ - توبہ ۴۹ -

موسم گرما میں نازل ہوئی جب جد بن قیس نے غزوۂ تبوک میں آنے سے رخصت مانگی اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بنی الاصفر کی بیٹیوں کے بارے میں آزمائش میں نہ ڈالیں -

۷ - وَلَئِنْ سَئَلْتَھُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ - توبہ ۶۵ -

موسم گرما میں غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی -

۸ - قُلْ نَارُ جَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرّاً - توبہ ۸۱ -

موسم گرما میں اس وقت نازل ہوئی جب کسی منافق نے کہا کہ گرمیوں میں دشمن پر حملہ کرنے نہ جاؤ -

۹ - وَ اِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْھَا - بنی اسرائیل ۷۶ -

غزوۂ تبوک میں موسم گرما میں نازل ہوئی -

۱۰ - سورۂ مُنَافِقُوْنَ -

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی جو موسم گرما میں واقع ہوا -

شتائی آیات - جو آیتیں موسم سرما میں نازل ہوئیں مثلاً

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ ..... رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۔ نور آیات ۱۱-۲۶ ۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیتیں نہایت سردی کے دنوں میں نازل ہوئی تھیں ۔

۲ ۔ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْانِعْمَۃَاللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْجَآءَتْکُمْ ۔احزاب ۹-۲۷ ۔

موسم سرما میں غزوۂ احزاب میں نازل ہوئی ۔

فراشی آیات ۔ وہ آیات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب آپؐ اپنے بستر پر آرام فرما ہوتے تھے ۔

وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ مائدہ ۷۰ ۔

غزوۂ ذَاتُ الرِّقَاعْ میں اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ اپنے بستر پر آرام فرما رہے تھے ۔

وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَاضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ ۔ توبہ ۱۱۸ ۔

اس کا نزول غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں رات کے آخری حصہ میں ہوا جبکہ اپنے بسترِ مبارک پر آرام فرما رہے تھے ۔

سماوی آیات ۔ وہ آیات جو آسمان پر نازل ہوئیں ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ .... الْکٰفِرِیْنَ بقرہ ۲۸۵ ، ۲۸۶ ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں ۔

فضائی آیات ۔ وہ آیات جو نہ تو زمین پر نازل ہوئیں اور نہ آسمان پر بلکہ دونوں کے درمیان فضا میں نازل ہوئیں ۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ زمین پر نازل ہوا اور کچھ آسمان پر اور کچھ حصہ وہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان اترا اور کچھ وہ ہے جو زمین کے نیچے کسی غار میں نازل ہوا ۔

شیخ ابو بکر فہری نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ تمام قرآن مکہ مکرمہ میں نازل ہوا یا مدینہ منورہ میں ۔ کیونکہ قرآن کی جملہ آیات مکی اور مدنی عنوان ہی سے موسوم ہیں مگر چھ آیتیں ایسی ہی جو نہ تو زمین پر نازل ہوئی اور نہ آسمان میں ۔ ان میں سے تین سورۂ والصفت میں ہیں ۔

۱ ۔ وَمَا مِنَّا اِلاَّ لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ..... ۔ الْمُسَبِّحُوْنَ (الصفت ۱۶۴ ۔ ۱۶۶) ۔

یہ آیت آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں نازل ہوئی ۔

۲ ۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا ۔ زخرف ۴۵ ۔

شب معراج میں آسمان و زمین کے درمیان فضا میں نازل ہوئی ۔

مکی و مدنی سورتیں

مدنی سورتیں ۔ حضرت قتادہ کی روایت کے مطابق مندرجہ ذیل ۲۶ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ۔

(۱) سورۂ بقرہ (۲) سورۂ اٰل عمران (۳) سورۂ نساء (۴) سورۂ مائدہ (۵) سورۂ توبہ (۶) سورۂ رعد (۷) سورۂ نحل (۸) سورۂ حج (۹) سورۂ نور (۱۰) سورۂ احزاب (۱۱) سورۂ محمد (۱۲) سورۂ فتح (۱۳) سورۂ حجرات (۱۴) سورۂ رحمٰن (۱۵) سورۂ حدید (۱۶) سورۂ مجادلہ (۱۷) سورۂ حشر (۱۸) سورۂ ممتحنہ (۱۹) سورۂ صف (۲۰) سورۂ جمعہ (۲۱) سورۂ منافقون (۲۲) سورۂ تغابن (۲۳) سورۂ طلاق (۲۴) سورۂ تحریم (۲۵) سورۂ زلزال (۲۶) سورۂ نصر (ابن کثیر ۷ / ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت کے مطابق سورۂ انفال بھی مدینہ ہی میں نازل ہوئی ۔ اس اعتبار سے مدنی سورتوں کی تعداد ۲۷ ہے اور باقی سورتیں مکی ہیں ۔ (مناہل العرفان ۸۶) ۔

مکی سورتیں۔ (۱) سورۂ فاتحہ (۲) سوۂ انعام (۳) سورۂ اعراف (۴) سورۂ یونس (۵) سورۂ ہود (۶) سورۂ یوسف (۷) سورۂ ابراہیم (۸) سورۂ حجر (۹) سورۂ اسرا (۱۰) سورۂ کہف (۱۱) سورۂ مریم (۱۲) سورۂ طٰہٰ (۱۳) سورۂ انبیاء (۱۴) سورۂ مؤمنون (۱۵) سورۂ فرقان (۱۶) سورۂ شعراء (۱۷) سورۂ نمل (۱۸) سورۂ قصص (۱۹) سورۂ عنکبوت (۲۰) سورۂ روم (۲۱) سورۂ لقمٰن (۲۲) سورۂ الٓمٓ سجدہ (۲۳) سورۂ سباء (۲۴) سورۂ فاطر (۲۵) سورۂ یٰسٓ (۲۶) سورۂ صٰفّٰت (۲۷) سورۂ صٓ (۲۸) سورۂ زمر (۲۹) سورۂ مؤمن (۳۰) سورۂ حٰمٓ سجدہ (۳۱) سورۂ شوریٰ (۳۲) سورۂ زخرف (۳۳) سورۂ دخان (۳۴) سورۂ جاثیہ (۳۵) سورۂ احقاف (۳۶) سورۂ قٓ (۳۷) سورۂ ذٰریٰت (۳۸) سورۂ طور (۳۹) سورۂ نجم (۴۰) سورۂ قمر (۴۱) سورۂ واقعہ (۴۲) سورۂ ملک (۴۳) سورۂ قلم (۴۴) سورۂ حاقّہ (۴۵) سورۂ معارج (۴۶) سورۂ نوح (۴۷) سورۂ جن (۴۸) سورۂ مزّمّل (۴۹) سورۂ مدّثّر (۵۰) سورۂ قیامہ (۵۱) سورۂ دھر (۵۲) سورۂ مرسلٰت (۵۳) سورۂ نباء (۵۴) سورۂ نٰزعٰت (۵۵) سورۂ عبس (۵۶) سورۂ تکویر (۵۷) سورۂ انفطار (۵۸) سورۂ مطففین (۵۹) سورۂ انشقاق (۶۰) سورۂ بروج (۶۱) سورۂ طارق (۶۲) سورۂ اعلیٰ (۶۳) سورۂ غاشیہ (۶۴) سورۂ فجر (۶۵) سورۂ بلد (۶۶) سورۂ شمس (۶۷) سورۂ لیل
(۶۸) سورۂ ضحیٰ (۶۹) سورۂ انشراح (۷۰) سورۂ تین (۷۱) سورۂ علق (۷۲) سورۂ قدر (۷۳) سورۂ بیّنہ (۷۴) سورۂ عٰدیٰت (۷۵) سورۂ قارعہ (۷۶) سورۂ تکاثر (۷۷) سورۂ عصر (۷۸) سورۂ ھمزہ (۷۹) سورۂ فیل (۸۰) سورۂ قریش (۸۱) سورۂ ماعون (۸۲) سورۂ کوثر (۸۳) سورۂ کٰفرون (۸۴) سورۂ لہب (۸۵) سورۂ اخلاص (۸۶) سورۂ فلق (۸۷) سورۂ ناس۔

کل سورتیں ۲۷ + ۸۷ = ۱۱۴ ۔

نصف اور تہائی قرآن

حجاج کے زمانے کی گنتی کے مطابق حرفوں کے اعتبار سے نصف قرآن سورہ کہف کی انیسویں آیت وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ کے لفظ و لیتلطف کی ف پر ہوتا ہے ۔ ایک اور قول کے مطابق نصف قرآن سورہ کہف کی آیت ۷۴ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا میں لفظ نکراً کے نون پر ہوتا ہے ۔

حجاج کے زمانے کی گنتی کے مطابق حرفوں کے اعتبار سے ایک تہائی قرآن سورۂ توبہ کی سوویں آیت **وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ** کے سرے پر ہوتا ہے ۔ دوسرا تہائی حصہ سورۂ شعراء سوویں آیت **فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ** کے سرے پر یا ایک سو ایک ویں آیت وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ کے سرے پر ہوتا ہے ۔ (ابن کثیر ۷/ ۱) ۔

کلمات کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ حج کی بیسویں آیت **يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ** میں لفظ الجلود پر پہلے نصف کلمات مکمل ہوتے ہیں ۔

آیات کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ شعراء کی پینتالیسویں آیت **فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ میں لفظ يَاْفِكُوْنَ** پر نصف آیتیں مکمل ہوتی ہیں ۔

سورتوں کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ حدید پر نصف سورتیں تمام ہوتی ہیں ۔ (اتقان ۱/۱۸۸) ۔

حرفوں کے اعتبار سے سات حصے

سبع اول ، سورۂ نساء کی آیت ۵۵ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ میں لفظ صَدَّ کی دال پر ۔

سبع دوم ۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۷ وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ کے لفظ حَبِطَتْ کی ت پر

سبع ثالث ۔ سورۂ رعد کی آیت ۳۵ اُكُلُهَا دَائِمٌ میں لفظ اُكُلُهَا کے آخری الف پر ۔

سبع رابع ۔ سورۂ حج کی آیت ۳۴ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا میں لفظ جَعَلْنَا کے الف پر ۔

سبع خامس ۔ سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ میں مُؤْمِنَةٍ کی ت پر ۔

سبع سادس ۔ سورۂ فتح کی آیت ۶ الظَّانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ میں السَّوْءِ کے واؤ پر ۔

سبع سابع ۔ قرآن کے آخری حرف پر ۔ (ابن کثیر ۷/ ۱) ۔

پارے	۳۰	منزلیں	۷
سورتیں	۱۱۴	رکوعات	۵۴۰

کل آیات

اہل مدینہ کی پہلی تحقیق کے اعتبار سے یعنی ابو جعفر یزید بن القعقاع اور شیبہ بن

نصاح کی روایت سے ۶۰۰۰ ، ۲

اہل مدینہ کی دوسری تحقیق کے اعتبار سے یعنی اسمٰعیل بن جعفر انصاری کی روایت سے ۶، ۲۱۴

اہل شام کے نزدیک بروایت اخفش ۶،۲۵۰

اہل مکہ کے نزدیک ابن کثیر کی سند سے ابن عبّاسؓ سے منقول ہے ۶،۲۱۲

اہل بصرہ کے نزدیک بروایت عاصم ۶۲۰۴

اہل کوفہ کے نزدیک بروایت حمزہ ۶،۲۶۳

حضرت عائشہؓ کی تحقیق پر ۶،۶۶۶

(منازل العرفان ۱۱۱،۱۰۹ ، مرآہ القرآن صفحہ ۲) ۔

کل کلمات

قرآن کے کلمات کی کل تعداد ۸۶،۴۳۰

قرآن کے کلمات کی کل تعداد جو فضل بن شاذان نے عطا بن یسار سے نقل کی ۷۷،۴۳۶

قرآن کے کلمات کی کل تعداد حضرت مجاہد کے شمار کے اعتبار سے ۷۶،۲۵۰

کل حروف

حرفوں کی کل تعداد ۳۲۲۶۰۰

عبداللہ بن کثیر کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۱،۱۸۰

فضل بن عطا کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۳،۰۱۵

ابو محمد الحمانی کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۴۰،۷۴۰

ابن مسعودؓ کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۲،۶۷۱ (ابن کثیر ۷ \ ۱ ، معجم القرآن ۱۵) ۔

حروف مقطعات ۱۴ ۔ کل فتحات (زبر) ۵۳،۲۴۳

کل کسرات (زیر) ۳۹،۵۸۲ کل ضمّات (پیش) ۸،۸۰۴

کل مدّات ۱،۷۷۱ کل تشدیدات ۱،۲۵۳

کل نقاط ۱،۰۵،۶۸۴ سجدے اختلافی ۱۵ ، متفق ۱۴ (معجم القرآن ۱۷) -

مفرد حروف کی تعداد

اـ	۴۸،۸۷۲	ب	۱۱،۴۲۸
ت	۱۰۱۹۹	ث	۱۰۲۷۷
ج	۳۲۷۳	ح	۳۹۹۳
خ	۱۴۱۶	د	۵۶۴۲
ذ	۴۶۹۹	ر	۱۱۷۹۹
ز	۱۵۹۰	س	۵۸۹۱
ش	۲۲۵۳	ص	۲۰۱۳
ض	۱۶۰۷	ط	۱۲۷۴
ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹
ق	۶۸۱۳	ک	۹۵۰۰
ل	۳۰۴۲۳	م	۲۶۱۳۵
ن	۲۶۵۶۰	و	۲۵۵۳۶
ہ	۱۹۵۷۰	ء	۴۱۱۵
ی	۲۵۹۱۹	لا	۴۷۲۰

(مرآۃالقرآن)

باب پنجم

حفاظتِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا مکمل انتظام فرمایا ہے ۔ عالَم بالا میں تو اس کو لوحِ محفوظ اور بیتُ العِزّت میں محفوظ فرمایا اور زمین پر اس کی حفاظت اس طرح کی گئی کہ اس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے قلب ودماغ میں محفوظ کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

سَنُقْرِئُكَ فَلاَ تَنْسٰىٓ ۔

ہم بہت جلد آپؐ کو پڑھائیں گے پھر آپؐ نہیں بھولیں گے ۔

اسی طرح امت کے سینوں میں محفوظ کرنے کے بارے میں فرمایا ۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔
عنکبوت ۴۹ ۔

بلکہ وہ (قرآن کی) کھلی آیتیں ہیں جو اہلِ علم (حُفّاظ) کے سینوں میں موجود ہیں ۔

شروع شروع میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے وقت ، وحی کے الفاظ کو دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ پوری طرح ذہن میں محفوظ ہو جائیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ
قیامہ ۱۶،۱۷ ۔

آپؐ (قرآنِ کریم کو) جلدی سے یاد کر لینے کے خیال سے اپنی زبان کو

حرکت نہ دیں ۔ بلاشبہ اس (قرآن) کو جمع کروانا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اطمینان دلایا ہے کہ نزولِ وحی کے وقت وحی کے الفاظ کو یاد رکھنے کے خیال سے ان کو جلد ی جلدی دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے حافظہ میں ایسی قوت پیدا فرمائے گا کہ ایک دفعہ وحی نازل ہونے کے بعد آپؐ کے حافظہ میں محفوظ ہو جائیگی ۔ چنانچہ وحی نازل ہونے کے ساتھ ہی وہ آپؐ کو یاد ہو جایا کرتی تھی ۔ اس طرح قرآنِ مجید کی حفاظت کا سب سے موثر اور محفوظ ذریعہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپؐ کا حافظہ تھا ۔ نیز نزولِ وحی کے بعد آپؐ فوراً کاتبِ وحی کو بلا کر نازل شدہ آیات لکھوادیا کرتے تھے ۔ پھر مزید احتیاط کے طور پر آپؐ ہر سال ماہِ رمضان میں حضرت جبرائیل کو قرآنِ مجید سنایا کرتے تھے۔جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ نے حضرت جبرائیل کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا ۔

ادھر صحابۂ کرام کو قرآنِ کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ اس معاملہ میں ہر شخص دوسرے پر سبقت لیجانے کی فکر میں رہتا تھا ۔ سیکڑوں صحابہ نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر دی تھیں ۔ وہ لوگ نہ صرف قرآنِ کریم کو یاد کرتے تھے بلکہ وہ راتوں کو نماز میں کھڑے ہو کر اسے دہراتے رہتے تھے ۔ مسجدِ نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والے جمع رہتے تھے ۔ اس معاملہ میں عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ تھیں ۔ بعض عورتوں نے تو اپنے شوہروں سے کوئی مہر طلب نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ ان کو قرآنِ کریم کی تعلیم دیں ۔

اہلِ عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی بنا پر دنیا میں ممتاز تھے ۔ ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے ۔ عرب کی تاریخ شاہد ہے کہ جو شخص ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتا خواہ وہ سیکڑوں اشعار پر مشتمل ہوتا بس وہ پورے کا پورا اس کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ۔ اس طرح ایک ایک آدمی کو ہزاروں اشعار زبانی یاد ہوتے تھے ۔ ان پڑھ اور دیہاتی لوگوں کو بھی نہ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے نسب نامے یاد ہوتے تھے بلکہ وہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد رکھتے تھے ۔

اہل عرب کو صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی

ہدایت اور روشنی نصیب ہوئی تھی ۔ وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے عزیز متاع تصور کرتے تھے ۔ اس لئے وہ اس کے حصول اور اس کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔ چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ میں صحابہٴ کرام کی بہت بڑی جماعت تیار ہو گئی جس کو قرآنِ کریم زبانی یاد تھا ۔ حُفّاظِ قرآن کی اس جماعت میں شامل چند صحابہٴ کرام کے نام یہ ہیں ۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود ، حضرت حذیفہؓ بن یمان ، حضرت ابیؓ بن کعب ، حضرت زیدؓ بن ثابت ، حضرت ابوہریرہؓ ، حضرت معاذؓ بن جبیل ، حضرت ابودرداءؓ ، حضرت معاویہؓ ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ، حضرت عمروؓ بن عاص ، حضرت عبداللہؓ بن زبیر ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ، حضرت انسؓ بن مالک ، حضرت عائشہؓ ، حضرت حفصہؓ ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، وغیرہ ۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی ، کتابت و طباعت کے ذرائع بھی موجود نہ تھے اس لئے قرآنِ کریم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زبانی یاد کراکر اس کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا ۔ اس وقت کے حالات کے تحت یہی محفوظ ترین اور قابل اعتماد طریقہ تھا ۔
(منازل العرفان ١٢٠ ، علوم القرآن ١٧٣ ، ١٧٧) ۔

عہد رسالت میں جمع قرآن

پورا قرآنِ کریم ایک ہی دفعہ میں اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا جس پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ یہ ضرورت اور حالات کی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور تیئس سال کی مدت میں مکمل ہوا ۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرنا ممکن نہ تھا البتہ اس کا جس قدر حصہ نازل ہوتا تھا آپؐ اس کے لکھنے کا حکم فرما دیتے تھے ۔ کاتبینِ وحی اس کو متفرق اوراق ، کھجور کی چھال ، چمڑے کے ٹکڑوں اور بکری کے شانے کی ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے ۔ اور صحابہٴ کرام اسی ترتیب سے اس کو یاد کرلیتے جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد کرنے کی تلقین فرماتے تھے ۔

حضرت زیدؓ بن ثابت بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا ۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی لگتی اور آپؐ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی مانند ڈھلکنے لگتے تھے ۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں شانے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لیکر آپؐ کی

خدمت میں حاضر ہو جاتا ۔ آپؐ لکھواتے جاتے اور میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا ۔ بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے پڑھو ! پس میں پڑھکر سناتا ، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے (علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۱۷۸) ۔

آپؐ نے وحی کی کتابت کے لئے بہت سے صحابۂ کرام کو مقرر فرمایا ہوا تھا ۔ صبحی صالحی نے اپنی کتاب علوم القرآن میں کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی ہے ۔ ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں ۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت اُبَیؓ بن کعب ، حضرت زبیرؓ بن عوام ، حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح ، حضرت حنظلہؓ بن الربیع ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ، حضرت عامرؓ بن فُہیرَہ ، حضرت عمروؓ بن العاص ، حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہ ۔

سامانِ کتابت ۔ حاکم نے مستدرک میں زیدؓ بن ثابت سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ ہم عہد رسالت میں " رِقَاعْ " (ٹکڑوں) سے قرآن جمع کیا کرتے تھے ۔ اس حدیث میں رِقَاعْ کا جو لفظ آیا ہے وہ رُقعَہ کی جمع ہے ۔ اس کا اطلاق چمڑے کی جھلی ، کپڑے ، پتے اور کاغذ کے ٹکڑے پر کیا جاتا ہے ۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں کاتبینِ وحی کس قسم کا سامان استعمال کرتے تھے ۔ مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نازل شدہ قرآنِ کریم کو پتھر کی پتلی اور چوڑی سلوں ، کھجور کی ٹہنیوں ، اونٹ یا بکری کے شانے کی ہڈیوں ، اونٹ کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا تھا ۔ یہ تمام الفاظ مختلف روایات میں آئے ہیں اور ان کی تشریح یہ ہے ۔

لِخَاف : یہ لَخفَۃ کی جمع ہے جو پتھر کی پتلی پٹی یا ٹکرے کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

اَکْتَاف : یہ کتف کی جمع ہے ۔ اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں جس پر خشک ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے ۔

اَقْتَاب ۔ یہ قَتَبْ کی جمع ہے ۔ اونٹ کی کاٹھی (کجاوہ) کو کہتے ہیں ۔(اتقان ۱۵۸/۱)۔

سورتوں وآیات کی ترتیب ۔ قرآنِ کریم کی تمام سورتوں اور ان میں آیات کی ترتیب اور ہر سورت سے پہلے بسم اللہ کا لکھنا ایک توقیفی اور غیر اجتہادی امر ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آگاہ کرنے پر موقوف و مبنی ہے ۔ اس لئے تمام سورتوں کی ترتیب اور ہر سورت میں آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہے ۔ اور یہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے ۔ اس بارے میں شبہ و اختلاف کی ذرا بھی گنجائش نہیں ۔ امام احمد نے اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت کی کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا ۔ آپ نے نگاہ اٹھائی اور پھر نیچے کرکے فرمایا ۔ میرے پاس (حضرت) جبرائیل آئے تھے ۔ انہوں نے کہا ہے کہ آیتِ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھئے ۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے چنانچہ اسے آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا جاتا تھا ۔ اس طرح قرآنِ کریم کو سب سے پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اپنی نگرانی میں لکھوایا اور مرتب کرایا تھا اگر چہ اس وقت یہ کتابی شکل میں کاغذ پر تحریر نہ تھا بلکہ یہ متفرق جھلیوں ، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں وغیرہ پر تحریر تھا ۔ بعض صحابۂ کرام بھی اپنے طور پر قرآنی آیات کو ، جیسے جیسے وہ نازل ہوتی رہتی تھیں ، اپنے پاس لکھتے رہتے تھے ۔ جس کے نتیجہ میں ان کے پاس قرآنِ کریم کے مکمل یا نا مکمل نسخے موجود تھے ۔ یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی زمانے سے جاری تھا ۔

جمعِ صدیقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم متفرق اشیاء پر لکھا ہوا تھا حضرت ابو بکر نے جنگِ یَمَامَہ کے بعد ۱۲ھ میں ان منتشر حصوں کو ایک جگہ جمع کر کے محفوظ کرنے کا ارادہ فرمایا ۔ یہ جنگ اہل اسلام اور مُسَیلمہ کذّاب کے متبعین کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قرآنِ کریم کے سَتّر حافظ صحابہ نے شہادت پائی ۔

حضرت زیدؓ بن ثابت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو جب جنگِ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اس وقت حضرت عمرؓ بھی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ معرکۂ یمامہ میں قرآنِ کریم کے بہت سے قاری شہید ہوگئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ آئندہ معرکوں میں بھی شہید ہوتے جائیں گے ۔ اس طرح قرآنِ کریم کا بڑا حصہ نا پید ہو جائیگا ۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کروانے کا حکم دیدیں ۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کروں ؟ ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم اس میں خیر ہی خیر ہے ۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس پر شرح صدر ہوگیا اور اس بارے میں میری بھی وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمرؓ کی تھی ۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک سمجھ دار نوجوان ہو اور تمہارے بارے میں ہمیں کوئی بد گمانی نہیں ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی کی کتابت بھی کرتے رہے ہو ، لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تحقیق و تلاش کر کے جمع کرو ۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ واللہ ! اگر وہ مجھے ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی بھاری نہ ہوتی جتنا قرآن جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا ۔ میں نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ؟ ۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ واللہ ! اس میں خیر ہی خیر ہے ۔ پھر وہ اس بارے میں مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تھی ۔ پھر میں نے قرآنِ کریم کی تلاش اور جستجو شروع کردی اور اسے کھجور کی شاخوں اور پتھروں کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا ۔ اور میں نے سورۂ توبہ کے خاتمہ کی آیتیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ..... عَظِيْم تا صرف ابی خُزَیْمَہ انصاری کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں (اتقان ۱/۱۵۴) ۔

اس حدیث میں حضرت زیدؓ کا یہ کہنا کہ میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیات کو صرف ابو خُزَیْمَہؓ کے پاس پایا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کا اثبات کیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ حضرت زیدؓ بذات خود حافظِ قرآن تھے اور انہوں نے خود یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ یہ آیات

کہاں اور کس سورت سے متعلق ہیں لہذا ان آیات کے لئے صحابہ کی تلاش ان کو تحریری شکل میں حاصل کرنے اور تائید وتقویت کے لئے تھی ، اس لئے نہیں تھی کہ حضرت زیدؓ اس سے پہلے ان آیات سے آگاہ نہ تھے ۔

حارث بن اسد المحاسبی نے اپنی کتاب فہم سنن میں بیان کیا کہ قرآنِ کریم کی کتابت کوئی نئی بات نہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم متفرق جھلیوں ، اونٹ کے شانے کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں پر لکھا ہوا تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے صرف اس کے نقل کرنے اور اکھٹا کرلینے کا حکم دیا ۔ (اتقان ۱۵۷/ ۱) ۔

ابو داؤد نے عبدخیر سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ، اس نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مصاحف کے بارے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابو بکرؓ کو حاصل ہوگا ، خدا حضرت ابو بکرؓ پر رحمت کرے ، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا (اتقان ۱۶۶/ ۱) ۔

موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ جس وقت یَمامَہ میں مسلمانوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نہایت پریشان ہوئے اور ان کو ڈر ہوا کہ کہیں صحابہ کی شہادت سے قرآن کا کوئی حصہ تلف نہ ہو جائے ۔ پھر سب لوگ جو کچھ قرآن ان کے پاس تھا یا ان کو یاد تھا لیکر آنے لگے یہاں تک کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اوراق میں جمع کر لیا گیا ۔ اس لحاظ سے حضرت ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو مصحف میں جمع کیا (اتقان ۱۵۸/ ۱) ۔

حضرت زیدؓ نے انتہائی احتیاط کے ساتھ قرآنی آیات کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا مگر اس وقت ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا ۔ اس نسخہ میں قرآنی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا تھا مگر سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی ۔اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ تمام امت کے اجماع اور تصدیق سے ایک ایسا نسخہ مرتب کیا جائے جس کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کیا جاسکے ، عہدِ نبوی میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہد صدیقی میں فراہم ہوئیں ، مثلاً کاغذ اور لکھنے کا دوسرا سامان ۔ عہد صدیقی میں شام سے کاغذ مدینۂ منورہ پہنچ چکا تھا اس لئے حضرت ابو بکر نے قرآنِ کریم کو کاغذ پر لکھوایا ،

موطاء امام مالک میں سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ (حضرت) ابو بکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا۔

جمعِ عثمانی

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کثرت سے فتوحات ہوئیں، اور اسلام سر زمینِ عرب سے نکل کر روم و ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا جہاں کے لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان ممالک میں مسلمانوں کی آمد و رفت سے جن میں خاصی تعداد حافظوں اور قاریوں کی ہوتی تھی، قرآنِ کریم کی تعلیم اور حفظِ قرآن کا سلسلہ بھی پھیلتا رہا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں قرآنِ کریم ایک ہی لغت یعنی لغتِ قریش پر نازل ہوا تھا۔ اس سے مختلف قبائل کے لوگوں کو تلاوتِ قرآن میں دشواری پیش آئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی کہ ایسے لوگوں کو جو کسی لفظ کو قریش کے لغت پر تلاوت کرنے سے معذور ہوں۔ ان کو دوسرے لغات پر پڑھادیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو بعض آیات دوسرے لغات پر پڑھادیں تھیں۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم سات حرفوں پر نازل ہوا تھا اور مختلف صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مختلف قرائتوں کے مطابق سیکھا تھا۔ اس لئے صحابۂ کرام میں سے جو لوگ قرآنِ کریم کی تعلیم دیتے وہ اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا کرتے تھے جس کے مطابق خود انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ قرائتوں کا یہ اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی، صحابہ کے درمیان باعثِ حیرت و نزاع بنتا رہا۔ چنانچہ جب بعض صحابہ، بعض دوسرے صحابہ کو مختلف طریقے پر تلاوت کرتے دیکھتے تو انہیں بہت تعجب ہوتا اور پھر معاملہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا، جس پر آپؐ دونوں صورتوں کی تصدیق فرماتے کہ یہ آیت اس طرح بھی نازل ہوئی ہے اور اس طرح بھی۔ اس قسم کا ایک واقعہ امام مسلم نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہشامؓ بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان

اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا جس پر میں اس کی تلاوت کرتا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مجھے یہ سورت پڑھائی تھی ۔ پس قریب تھا کہ میں ان پر جھپٹ پڑوں مگر پھر میں نے ان کو مہلت دی یہاں تک کہ وہ تلاوت سے فارغ ہو گئے ۔ پھر میں ان کی چادر کو ان کی گردن میں باندھ کر ان کو گھسیٹتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں لیکر حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ان کو سورۂ فرقان اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا ہے جس کے مطابق آپؐ نے یہ سورت مجھے پڑھائی ہے ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو اور ان سے فرمایا کہ تم پڑھو ۔ پس انہوں نے اسی طریقہ سے پڑھا جس طرح میں نے ان کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا ۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ یہ (سورت) اسی طرح نازل ہوئی ہے ۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم پڑھو ۔ پس میں نے پڑھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس طرح بھی نازل ہوئی ہے اور بلاشبہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ۔ پس ان حرفوں میں سے جو تمہیں آسان معلوم ہو اس پر پڑھ لیا کرو (اتقان بحوالہ مسلم ، علوم القرآن) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس قسم کی اجازت حاصل ہو جانے سے بہت سی آیات متعدد لغات اور مختلف قرأتوں کے ساتھ تلاوت کی جانے لگیں ۔ جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جو قریش کے لغت پر تلاوت کرنے سے معذور ہوں دوسرے لغات پر تلاوت کی اجازت دی ہے ، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی ۔ پھر جب یہ اختلاف دور دراز شہروں اور ملکوں میں پہنچا جہاں لوگوں میں یہ بات عام نہیں ہوئی تھی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے تو اس سے لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہونے لگا ۔ اور بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے ۔ اس سے دو باتوں کا اندیشہ پیدا ہوا ۔

(۱) ۔ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں ۔

(۲) تنازع کے تصفیہ کی کوئی قابل اعتماد صورت نہ تھی سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے نسخہ کے جو مدینۂ منورہ میں موجود تھا ۔

لہذا اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ قرآن کے ایسے معیاری نسخے تیار کر کے

پورے عالم اسلام میں پھیلا دئے جائیں، جن میں سات حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر صحیح اور غلط قرأتوں میں فیصلہ کیا جائے ۔ یہ عظیم الشان کارنامہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انجام دیا ۔

حافظ بدرالدین عینی نے شرح بخاری باب جمع القرآن میں عمارہ بن غزیہ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ ایک غزوہ سے واپس آکر اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین لوگوں کی خبر لیجئے ۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کیا ہوا ۔ انہوں نے کہا کہ میں آرمینیہ کے محاذ پر جہاد میں شریک تھا ۔ میں نے وہاں دیکھا کہ اہل شام اُبَیؓ کی قرأت پڑھتے تھے جو اہل عراق نے نہیں سنی اور اہل عراق حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی قرأت پڑھتے تھے جو اہل شام نے نہیں سنی ۔ اس کے نتیجہ میں لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے ۔

مسلمانوں میں اختلاف قرأت سے صرف حضرت حذیفہؓ ہی پریشان نہ تھے بلکہ تمام صحابۂ کرام بھی ملول اور رنجیدہ تھے ۔ حضرت عثمانؓ کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ مدینۂ منورہ میں ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو قرآن ایک قرأت کے مطابق پڑھایا اور دوسرے معلم نے اپنے شاگردوں کو دوسری قرأت کے مطابق پڑھایا ۔ پھر جب ان اساتذہ کے شاگرد آپس میں ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور جب یہ معاملہ اساتذہ کے علم میں آتا تو وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دیتے تھے ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ مدینۂ منورہ میں میرے پاس ہوتے ہوئے بھی قرآنِ کریم کی قرأتوں کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو لہٰذا جو لوگ مجھ سے دور دراز مقامات پر رہتے ہیں وہ تو اور بھی زیادہ اختلاف کرتے ہوں گے ۔ پس اے اصحاب محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب مل کر قرآنِ کریم کا ایک ایسا نسخہ مرتب کرو جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو ۔

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت انسؓ بن مالک نے انہیں بتایا کہ حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگ میں شریک تھے ۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ تلاوتِ قرآن میں بہت اختلاف کرنے لگے تھے ۔ چنانچہ وہ مدینہ واپس آکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے! امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے اس کو سنبھال لیجئے ۔ یہ سنکر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت

حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابو بکرؓ کے زمانے کے) جو صحیفے امانتاً رکھے ہوئے ہیں وہ میرے پاس بھجوادیجئے تاکہ میں ان کو نقل کروانے کے بعد آپ کو واپس کردوں ۔ حضرت حفصہؓ نے وہ تمام صحیفے حضرت عثمانؓ کو بھجوادئے ۔ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت ، حضرت عبدؓاللہ بن زبیر ، حضرت سعیدؓ بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کو ان کے نقل کرنے پر مامور فرمایا ۔ (یہ چاروں صحابہ حافظ قرآن تھے) اور تینوں قریشی صحابہ سے کہہ دیا کہ جہاں کہیں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور زیدؓ بن ثابت کے درمیان اختلاف پیدا ہو تو وہاں اس لفظ کو خاص قریش ہی کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے ۔ چنانچہ ان چاروں حضرات نے مل کر حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی اور جب صحیفوں کی نقل کا کام مکمل ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے وہ صحائف جو حضرت حفصہؓ سے لئے تھے ان کو واپس بھیجدئے ۔

جمعِ عثمانی کا طریقہ

جمعِ عثمانی میں مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا گیا ۔

(۱) مصحف میں وہ چیز درج کی جائے جس کے قرآن ہونے کا قطعی یقین ہو اور جس کی صحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور وہ منسوخ التلاوت نہ ہو ۔

(۲) ۔ چاروں صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ کو جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا ، اصل قرار دیا تاکہ ان کا جمع کردہ قرآن حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ صحیفوں کے بالکل مطابق ہو اور اس کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ۔

(۳) تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا جائے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ میں کسی ترتیب کے بغیر ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی ۔

(۴) زائد لغات اور وجوہ کو حذف کر کے صرف قریش کے لغت پر جمع فرمایا ۔ اسی لئے قرآنِ کریم کے الفاظ پر نقطے اور اعراب (زبر ، زیر ، پیش

نہیں لگائے تاکہ اس کو تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جاسکے ، مثلاً نُنْشِزُھَا کو ىىسرھا لکھا تاکہ اس کو نُنْشِزُھَا اور نَنْشُرُھَا دونوں طرح پڑھا جاسکے کیونکہ دونوں قرأتیں صحیح ہیں ۔ اسی طرح اِنْ جَاۤءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا میں فَتَبَيَّنُوْا کو ڡٮٮٮوا لکھا تاکہ اس کو فَتَبَيَّنُوْا اور فَتَثَبَّتُوْا (ثابت قدم رہو) دونوں طرح پڑھا جاسکے ۔ اور فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کو ڡںلڡى ادم من ربه کلمات لکھا تاکہ فَتَلَقّٰى وفَتُلُقّٰى اور كَلِمٰتٍ و كَلِمٰتٌ دونوں طرح پڑھا جاسکے (اتقان ۱۵۹/ ۱۶۲/ ۱) علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۱۸۷، ۱۹۲، منازل العرفان ۱۲۹ ۔ ۱۴۰) ۔

مصحف کی نقول ۔ حضرت عثمانؓ نے اس نئے مرتب شدہ مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کروا کر ایک ایک مصحف ، اسلامی ممالک کے ہر گوشے میں ارسال کر دیا اور حکم دیا کہ اس مصحف کے سوا جو صحیفے پہلے سے موجود ہوں ان کو جلا دیا جائے تاکہ رسم الخط ، مسلمہ قرأتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اور اختلاف باقی نہ رہے ۔ حضرت عثمانؓ نے مصحف کے جو نسخے اطراف ملک میں بھجوائے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے ۔ التیسیر فی القرأت السّبع کے مصنف امام عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآنِ کریم کے چار نسخے مرتب کروائے تھے ان میں سے تین کوفہ ، بصرہ اور شام بھجوائے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے سات نسخے لکھوائے تھے جو کوفہ ، بصرہ ، شام ، مکہ ، یمن اور بحرین بھجوائے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔ مگر پہلا قول صحیح تر ہے " ۔

بہر حال عثمانی مصاحف کی صحیح تعداد جو بھی ہو وہ سب کے سب قرآن پر مشتمل تھے ۔ ان میں ایک سو چودہ سورتیں تھیں اور نقطے اور اعراب نہ تھے اور سورتوں کے نام بھی مرقوم نہ تھے ۔ تمام مصاحف ، شروح ، اور تفاسیر سے خالی اور صرف قرآنی الفاظ پر مشتمل تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کے پاس اپنے لکھے

ہوئے ذاتی مصحف خاصی تعداد میں موجود تھے ۔ ان میں سے دو مصحف بہت مشہور تھے ۔ ایک مصحف اُبَیؓ بن کعب اور دوسرا مصحف عبداللہؓ بن مسعود ، یہ دونوں حضرات جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں شمار ہوتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا تھا یہ دونوں حضرات ان میں شامل تھے ۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ چار صحابہ سے قرآن سیکھو یعنی ، عبداللہؓ بن مسعود سے ، سالمؓ ، مولیٰ ابی حذیفہؓ سے ، معاذؓ بن جبل سے اور اُبَیؓ بن کعب سے ۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور مقدادؓ بن عمرو کے مصحاف بھی شہرت میں مذکورہ بالا دونوں مصاحف کے لگ بھگ تھے ۔

حضرت عثمانؓ نے ان تمام نسخہ ہائے قرآن کو جلانے کا جو حکم دیا تھا وہ حکمت و مصلحت پر مبنی تھا ۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان مصاحف کا وجود امت میں مزید افتراق اور انتشار کا سبب بن سکتا تھا ۔ اور جس قدر عہد رسالت سے دوری ہوتی جاتی اسی قدر ان کا ضرر (نقصان) بھی بڑھتا جاتا ۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس اقدام کو بڑی وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ۔ البتہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جن کے پاس اپنا ایک ذاتی مصحف تھا اس کو بظاہر پسند نہ کیا اور اپنا مصحف جلانے سے انکار کر دیا ، بعد میں ان کو بھی اس بارے میں شرح صدر ہو گیا اور وہ حضرت عثمانؓ کی رائے سے متفق ہو گئے جو دراصل پوری امت کی رائے تھی جس کے نتیجہ میں امت کی شیرازہ بندی ہو گئی اور اسباب اختلاف کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ۔ جہاں تک قرآن کے انفرادی نسخے جلانے کا تعلق ہے تو یہ اقدام آپ نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے کیا تھا ۔ حضرت سوَیدؓ بن غفلہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو ۔ بخدا آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورہ کے مطابق اور ہماری موجودگی میں کیا ۔ حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے ۔ اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ میں مسند خلافت پر ممکن ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا (ماخوذ از علوم القرآن از صبحی صالح ۱۱۸-۱۲۶) ۔

باب ششم

اسبابِ نزول

ائمہ مفسرین کی اصطلاح میں قرآنِ کریم سے تعلق رکھنے والے ان واقعات کو شانِ نزول یا اسبابِ نزول کہا جاتا ہے جو بعض آیتوں کے نزول کے وقت پیش آئے ۔ اسی طرح شان نزول یا اسباب نزول میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں جو کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اس لحاظ سے قرآنِ کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں ۔

(۱) وہ آیات جو اسبابِ نزول سے متعلق ہیں ۔ اگر ان آیات کے اسبابِ نزول کا علم نہ ہو تو ان کی صحیح تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔

(۲) وہ آیات جن کا اسباب نزول سے کچھ تعلق نہیں ۔ قرآنِ کریم کا بیشتر حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جو نہ تو کسی واقعہ یا سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اور نہ ان میں کسی چیز کا حکم مذکور ہے ۔ بلکہ یہ آیات مندرجہ ذیل مضامین سے تعلق رکھتی ہیں ۔

(الف) ان میں سابقہ انبیاء اور سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا بیان ہے ۔

(ب) گزشتہ زمانے کے واقعات پر مشتمل ہیں ۔

(ج) مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے ۔

(د) قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے ۔

(ھ) عذاب و ثواب کا ذکر ہے ۔

اسبابِ نزول کی اہمیت ۔ قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے اسباب نزول کا علم نہایت ضروری ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں ۔ اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو بعض اوقات آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ۔ قرآنِ کریم میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے اور جب تک وہ واقعہ پوری طرح سامنے نہ ہو تو ان آیات کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ لہذا اسبابِ نزول کی معرفت سے نہ صرف آیات کے صحیح معانی منکشف ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام و الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا ۔

امام واحدی فرماتے ہیں کہ جب تک کسی آیت کا متعلقہ واقعہ اور اس کا سبب

نزول معلوم نہ ہو اس آیت کی تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اسبابِ نزول کا بیان قرآنِ کریم کے مطالب و معانی سمجھنے کا زبردست ذریعہ ہے ۔

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ اسبابِ نزول جاننے سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم کن حالات میں اور کیوں فرمایا ۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ سبب نزول کی پہچان کسی آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مُسَبَّب کا معلوم ہونا ایک فطری بات ہے ۔

سببِ نزول کی چند مثالیں

۱ ۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔مائدہ ۹۳ ۔

جو لوگ مومن ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ۔ ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ پہلے کھا چکے جبکہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے ۔

اس آیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں ۔ اگر کسی کے دل میں ایمان اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور اس کے اعمال نیک ہوں تو وہ جو چاہے کھا پی سکتا ہے ۔ اس سے عام آدمی تو کیا بعض صحابہ کو بھی غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے ایک موقع پر اس آیت سے استدلال کر کے حضرت عمرؓ کے سامنے خیال ظاہر کیا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیک عمل کرتا رہا ہو اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزر رہی ہو تو اس پر حد (شرعی سزا) نہیں ہے ۔ بعد میں حضرت عبداللہؓ بن عباس نے اس آیت کے شان نزول کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا ۔

اس آیت کا پس منظر یعنی شان نزول یہ ہے کہ شراب و قمار کی حرمت نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے یہ سوال کیا کہ ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب و قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے یا اپنی طبعی موت سے وفات پاگئے اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے

مرتکب ہوئے ۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن مومنوں نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی یا قمار کا مال کھا یا ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ مومن ہوں اور دوسرے شرعی احکام کے پابند رہے ہوں ۔

۲ ۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (بقرہ ۲۰۰) ۔

پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے ۔

اس آیت کا مطلب بھی سببِ نزول کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ۔یہاں مُزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہے ۔ مشرکینِ عرب کا معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے اباء و اجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں اپنے آباؤ اجداد کی بڑائیاں بیان کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو ۔

۳ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (النساء ۴۳) ۔

اے ایمان والوں تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کے تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو ۔

اس آیت کے سببِ نزول میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شراب حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ صحابہ کو کھانے پر مدعو کیا ۔ کھانے کے بعد شراب پی گئی اور پھر نماز کا وقت آگیا تو ایک صحابی نے نماز پڑھائی اور نشہ کی وجہ سے قرآنِ کریم کی تلاوت میں غلط سلط پڑھ دیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اگر یہ واقعہ سامنے نہ ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے سے کیا مراد ہے کیونکہ شراب تو بالکل حرام ہے ۔

۴ ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (بقرہ ۱۵۸) ۔

بیشک صَفَا اور مَرْوَہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص بیت اللہ کا

حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں یعنی صفا مروہ کے درمیان چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ۔

یہاں بھی سبب نزول کے بغیر صحیح مطلب نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا صرف جائز ہے فرض یا واجب نہیں ۔ حضرت عروہؒ بن زبیر اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے ۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر دوبت رکھے ہوئے تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام اِساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا ، اس لئے صحابۂ کرام کو شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے ان پہاڑوں کے درمیان سعی کرنا ناجائز نہ ہوگیا ہو۔ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

۵ ۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ ۱۱۵) ۔

اور مشرق و مغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں پس تم جدھر رخ کرلو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا رخ (سامنا) ہے ۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص سمت رخ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے اس لئے نماز میں کسی طرف بھی رخ کیا جاسکتا ہے ، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مسلمانوں نے اپنے پہلے قبلہ کو کیوں تبدیل کرلیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تمام سمتیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر طرف موجود ہے ۔ اس لئے وہ جس طرف رخ کرنے کا حکم دے وہی صحیح ہے ۔ کسی سمت کی کوئی اہمیت نہیں ، اصل چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے (اتقاق ۱۰ ۔۲۹، ۱ ۔ علوم القرآن از صبحی صالح ۱۸۷ ، علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۲۹ ۔ ۸۰) ۔

باب ہفتم

تفسیرِ قرآن کے ماخذ

ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن کی مدد سے قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر معلوم کی جاسکتی ہے۔

قرآنِ کریم کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو بالکل واضح اور عام فہم اور اتنی آسان ہیں کہ کوئی بھی عربی زبان جاننے والا ان کو پڑھ کر ان کا مطلب فوراً سمجھ لیتا ہے ایسی آیتوں کے لئے عقل سلیم اور عربی لغت میں مہارت کے سواء کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں کوئی احتمال یا ابہام پایا جاتا ہے یا ان کو سمجھنے کے لئے ان کے پورے پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہے یا ان سے دقیق فقہی مسائل وغیرہ مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسی آیتوں کی تفسیر کے لئے محض زبان دانی اور عقل سلیم کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مندرجہ ذیل چھ ماخذ ہیں۔

(۱) قرآنِ کریم کی دوسری آیات (۲) احادیثِ نبویہ (۳) صحابہء کرام کے اقوال (۴) تابعین کے اقوال (۵) لغتِ عرب (۶) عقلِ سلیم۔

قرآنِ کریم۔ تفسیرِ قرآن کا سب سے بہترین اور صحیح ماخذ خود قرآنِ کریم ہے، جس میں ایسے بہت سے مواقع ہیں کہ ایک جگہ کوئی بات مبہم اور غیر واضح انداز میں کہی گئی ہے اور دوسرے مقام پر اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ بقرہ ۳۷

۔ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کلمات کیا تھے۔ پھر سورۂ اعراف میں ان کلمات کی

وضاحت فرمادی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ اعراف ۲۳ ۔

ان دونوں آدم و حوا نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ۔ اگر تو نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے ۔

يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْامَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ توبہ ۱۱۹ ۔

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔

اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ سچے لوگ کون ہیں ۔ مگر دوسری آیت میں اس کی تشریح فرمادی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

لَيْسَ الْبِرَّاَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّمَنْ اٰمَنَ بِااللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِوَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ بقرہ ۱۷۷ ۔

اس میں کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ، روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (آسمانی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو

اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور (غلاموں اور قیدیوں کو) آزاد کرانے میں مال خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے ۔ اور وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کرتے ہوں اور تنگدستی، اور بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہوں ۔ یہی لوگ سچے اور یہی لوگ متقی یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں ۔

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ جن لوگوں میں مذکورہ بالا صفات پائی جائیں وہی صادقین اور متقی ہیں ۔ قرآنِ کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں کہ ایک مقام پر تو مجمل بیان ہے مگر دوسرے موقع پر اس کی تفسیر و تشریح موجود ہے ۔

تفسیرِ قرآن بالقرآن کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کوئی بات ایک قرأت میں تو مبہم ہوتی ہے مگر دوسری قرأت میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔ مثلاً

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ع مائدہ ۶ ۔

پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھو لو ۔

ایک قرأت میں وَاَرْجُلِكُمْ آیا ہے جس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کر لو مگر وَاَرْجُلَكُمْ والی قرأت نے اس کو واضح کر دیا کہ اس آیت میں پاؤں دھونے ہی کا حکم ہے ۔ اور وَاَرْجُلِكُمْ والی قرأت میں جو مسح کرنے کا ترجمہ ہو سکتا ہے وہ یہاں مراد نہیں ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس آیت کی تفسیر مطلوب ہے خود اسی کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے ۔ اس طرح اکثر حل طلب مسئلہ کی تشریح ہو جاتی ہے مثلاً

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۔
احزاب ۵۳ ۔

اور (اے مسلمانو) جب تم ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو ان

سے پردے کے پیچھے سے طلب کرو ۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ یہ حکم صرف ازواجِ مطہرات کے لئے ہے حالانکہ اگلے جملے سے یہ بات واضح ہے کہ اس کا اطلاق تمام عورتوں پر ہوتا ہے ۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۔ احزاب ۵۳ ۔

یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے ۔

ظاہر ہے کہ دلوں کی پاکیزگی صرف ازواجِ مطہرات ہی کے لئے مطلوب نہیں بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے مطلوب ہے اس لئے اس حکم کو صرف ازواج مطہرات کے لئے مخصوص کرنا درست نہیں ۔ اسی طرح بہت سی آیات کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے تفسیر کے بہت سے حل طلب مسائل کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔ (ماخوذ از علوم القرآن مؤلفہ مولانا تقی عثمانی ۔ ۳۲۸۔۳۳۳) ۔

۲۔ احادیثِ نبویہ ۔ قرآنِ کریم کی تفسیر کا دوسرا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ ہیں کیونکہ حدیث قرآنِ کریم کی شرح اور تفسیر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں چار مقامات پر آپؐ کی بعثت و رسالت کے مقاصد بیان کئے ہیں ۔ جن میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ اپنے قول و فعل سے قرآنِ کریم کی آیات کی تعلیم دیں چنانچہ ارشاد ہے ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ بقرہ ۱۲۹ ۔

اے ہمارے پروردگار ! ان لوگوں میں خود ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے ۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۔ بقرہ ۱۵۱ ۔

جس طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے ایک
رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے
اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی
تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے
جو تم نہیں جانتے ۔

ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ اہل دنیا کو قرآنِ کریم کی ہدایات اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ کریں اور ان کو قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھائیں ۔ اسی لئے آپ کی تعلیمات تفسیرِ قرآن کا اہم ترین ماخذ ہیں ویسے بھی کسی آسمانی کتاب کی صحیح تشریح و تفسیر اس سے بہتر کون کرسکتا ہے جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے ۔

اگر کسی فن کو حاصل کرنے یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے محض زبان کا جان لینا کافی ہوتا تو دنیا کے تمام علوم و فنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم و فنون کی زبان جانتا مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے ۔ بڑے بڑے علوم و فنون تو ایک طرف ، معمولی فنون کے سمجھنے کے لئے بھی محض زبان دانی کافی نہیں بلکہ استاد کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کسی شخص کو ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بنا دیتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب کو پڑھکر کوئی شخص لوہار ، بڑھئی ، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارفِ قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد رسالت میں ابو جہل ، ابو لہب اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان و ادب میں مہارت رکھتے تھے ، قرآنِ کریم کے ماہر سمجھے جاتے ۔ لہٰذا قرآنی تعلیمات اور معارف و اسرار کا صحیح علم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے ۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے آپ کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ قرار دیا کہ آپؐ قرآنِ کریم کے معانی و احکام کو تشریح کر کے بیان فرمائیں ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ
النحل ۴۴ ۔

اور ہم نے آپ پر قرآنِ کریم اسی لئے اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کے مطلب وضاحت سے بیان فرمائیں ۔
(ہادیٔ اعظم ۶۹۶) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے ۔ اس سے مراد سنت ہے ۔ جس طرح قرآنِ کریم بذریعہ وحی نازل ہوا اسی طرح حدیث رسول بھی وحی خداوندی ہے ، مگر قرآنِ کریم وحیٔ متلو ہے اور حدیثِ رسول وحیٔ غیر متلو ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی جانب بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ حکم کس طرح دو گے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب اجتہاد کروں گا ۔ یہ جواب سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے ۔ (مسند احمد) ۔

پس قرآنِ کریم کی تفسیر پہلے خود قرآنِ کریم سے اور پھر حدیث سے کرنی چاہیئے ۔ اگر کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث دونوں میں نہ ملے تو پھر صحابۂ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ وہ قرآن کی تفسیر کو بہت زیادہ جانتے تھے ۔

احادیث کے موجودہ ذخیرے میں صحیح اور ضعیف و موضوع ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں ۔ لہذا ان سے ٹھیک استفادہ وہی شخص کرسکتا ہے جو علمِ حدیث اور اس کے متعلقات پر ماہرانہ نگاہ رکھتا ہو اور جسے صحیح و سقیم روایات کو پرکھنے کے اصول معلوم ہوں ۔ (ابن کثیر ۳/ ۱) ۔

۳ ۔ اقوالِ صحابہ

صحابۂ کرام نے قرآنِ کریم کی تعلیم اس کی تفسیر اور اس کے متعلقات کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ان میں سے بعض صحابہ نے تو اپنی زندگیاں

اسی کے لئے وقف کی ہوئی تھیں ۔ یہ لوگ اہل زبان بھی تھے، نزولِ قرآن کے پورے ماحول سے باخبر ہی نہ تھے بلکہ اس سے عملاً گزر رہے تھے اور ایک ایک آیت کے پورے پس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ، پھر بھی انہوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ قرآنِ کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقاً سبقاً پڑھا ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ جانتا کہ کتاب اللہ کے علم میں کوئی مجھ سے بڑھا ہوا ہے اور میں کسی طرح وہاں تک پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو اس کی شاگردی میں پیش کرتا ۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں وہ بہت قابل احترام ہوجاتا تھا ۔ موطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ آٹھ سال تک صرف سورۂ بقرہ یاد کرتے رہے ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا حافظہ ایسا کمزور نہ تھا کہ سورۂ بقرہ کے محض الفاظ یاد کرنے میں ان کو آٹھ برس لگ گئے ۔ یقیناً اس مدت میں وہ قرآنی الفاظ کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر اور جملہ متعلقات کا علم حاصل کررہے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ قرآنِ کریم کے بہترین ترجمان ہیں ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی وفات کے بعد ۳۶ برس تک زندہ رہے ۔ اندازہ کیجئے کہ اس مدت میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے علم میں کس قدر ترقی ہوئی ہوگی ۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بعد ان صحابۂ کرام کے اقوال جنہوں نے اس محنت و جانفشانی سے قرآنِ کریم کی تفسیر سیکھی تھی ، تفسیرِ قرآن کا ایک اہم ماخذ ہیں ۔ اس سلسلے میں چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔

(۱) صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال میں صحیح اور سقیم ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں لہذا ان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصول حدیث کے مطابق ان کی جانچ پڑتال ضروری ہے ۔

(۲) صحابۂ کرام کے اقوال اس وقت حجت ہونگے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی کوئی صریح تفسیر مستند طریقہ سے ثابت نہ ہو ۔

(۳) اگر کسی صحابی کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی تفسیر کے معارض ہو تو وہ قابل قبول نہیں ۔

(۴) اگر کسی آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستند طریقہ پر منقول نہ ہو اور صحابۂ کرام کی بیان کی ہوئی تفسیر میں بھی کوئی اختلاف نہ ہو تو صحابہ کے اقوال کو اختیار کیا جائے ۔

(۵) اگر صحابۂ کرام کی بیان کردہ تفسیروں میں اختلاف ہو اور ان میں تطبیق ہو سکتی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا ۔

اگر اختلاف ناقابل تطبیق ہو تو اس صورت میں ایک مجتہد جس قول کو دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط پائے اسے اختیار کرسکتا ہے (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ، ۳۳۸، ۳۴۰ ،ابن کثیر ۳، ۴ / ۱) ۔

۴ ۔ تابعین کے اقوال ۔ تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابۂ کرام سے علم حاصل کیا اگر تابعی کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کرے تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابۂ کرام کی تفسیر کا ہے یعنی وہ اس وقت حجت ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر مستند طریقہ سے ثابت نہ ہو یا صحابی کا قول آپ کی بیان کی ہوئی تفسیر کے معارض نہ ہو ۔ اگر تابعی اپنا قول بیان کرے اور اس قول کے خلاف کسی دوسرے تابعی کا قول موجود ہو تو تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا ۔ ایسی صورت میں آیت کی تفسیر کے لئے خود قرآنِ کریم ، احادیثِ نبویہ ، اقوالِ صحابہ ، لغتِ عرب اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائیگا ۔ اگر تابعین کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الا تباع ہوگی کیونکہ ان لوگوں نے جن حضرات سے قرآنِ کریم سیکھا انہوں نے قرآنی علوم براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے تھے ۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی تابعی فرماتے ہیں کہ ہم نے جن حضرات سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ۔ جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے قرآنِ کریم سیکھا اور سمجھا ، ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا ۔ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ خود میں نے حضرت مجاہدؒ کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لیکر حضرت ابن عباسؓ کے

پاس پہنچا کرتے اور قرآن کریم کی تفسیر دریافت کرکے اس میں تحریر فرماتے تھے ۔ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر اسی طرح نقل کی ۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ مجاہد کسی آیت کی تفسیر کردیں تو پھر اس کی ٹٹول (چھان بین) کرنا بے سود ہے ۔ بس ان کی تفسیر کافی ہے ۔ (ابن کثیر ۴،۵/۱ علوم القران از مولانا تقی عثمانی ۳۴۰ ۔ ۳۴۱) ۔

لغتِ عرب ۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں ، قرآنِ کریم ، احادیثِ نبویہ ، اقوالِ صحابہ و تابعین کے علاوہ لغتِ عرب کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے ، اس لئے کہ قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی زبان نہایت وسیع ہے اور اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ اس طرح ایک ایک جملے کے کئی کئی معنی ہوسکتے ہیں ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ بات حلال نہیں کہ جب تک وہ لغاتِ عرب کا عالِم نہ ہو اس وقت تک کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے ۔ علمِ لغت کے ساتھ ساتھ علمِ نحو اور علمِ صرف کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ معنیٰ کا تغیر و اختلاف ، الفاظ کے اعراب کے اختلاف سے وابستہ ہے ، اسی طرح علمِ صرف سے لفظوں کی بنا اور صیغوں کا علم حاصل ہوتا ہے ۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس شخص سے تصریف کا علم فوت ہوگیا اس کے ہاتھ سے ایک بڑی عظیم الشان چیز جاتی رہی ۔ اس کے ساتھ ہی علم اشتقاق کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر اسم دو مختلف مادوں سے مشتق ہوگا تو وہ اپنے مادوں کے مختلف ہونے کے لحاظ سے الگ الگ ہوگا ۔

قرآن عرب کے محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے لہذا جہاں قرآن و سنت یا اقوالِ صحابہ و تابعین میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے عام محاوروں میں عام طور پر سمجھی جاتی ہو ۔ ایسے مواقع پر عربی اشعارے استدلال کرکے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنیٰ بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھے ہوئے ہیں مگر عام بول چال اور محاورے میں استعمال نہیں ہوتے (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ۔ ۳۴۱ ۔ ۳۴۶ اتقان ۴۴۰، ۴۴۳، ۴۴۴ \ ۲) ۔

عقلِ سلیم ۔ عقلِ سلیم کی ضرورت ہر کام میں ہوتی ہے ۔ اس سے پہلے تفسیر کے جو پانچ ماخذ بیان ہوئے ہیں ان سے استفادہ بھی عقلِ سلیم کے بغیر ممکن نہیں ۔ قرآنِ کریم کے حقائق اور اسرار و معارف پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو بھی علم و عقل اور خشیت الہیٰ کی دولت سے نوازا

ہے وہ قرآنِ کریم میں غور و فکر اور تدبّر کے ذریعہ نئے نئے حقائق اور اسرار و معارف تک رسائی حاصل کرسکتا ہے ۔ اسی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ تو اس کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما ۔ چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عقل و فہم سے مستنبط کئے ہوئے وہی اسرار و معارف معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصولوں اور مذکورہ بالا پانچوں ماخذ سے متصادم نہ ہو ۔ اگر اصولِ شرعیہ کو توڑ کر کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو دین میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں (اتقاق ۲\۲۴۰ ، علوم القرآن ۳۴۳) ۔

ناقابلِ اعتبار ماخذ

۱ ۔ اسرائیلی روایات ۔ یہ وہ روایات ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے بعض تو توریت و انجیل وغیرہ سے لی گئی ہیں اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئیں اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں مشہور تھیں ۔

اسرائیلی روایات تین قسم کی ہیں ۔

۱ ۔ وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآنِ کریم کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق تو ریت میں کسی روایت کا ہونا ۔ مثلاً فرعون کا غرق ہونا ۔ فرعون کے جادو گروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ، حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر جانا وغیرہ ایسی روایتوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں کیونکہ ان کی تصدیق قرآنِ کریم یا صحیح احادیث سے ہوجاتی ہے ۔

۲ ۔ وہ اسرائیلی روایات جن کی تکذیب ہمارے ہاں موجود ہے یعنیٰ وہ روایت جو قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو مثلاً یہ روایت کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے ۔ قرآنِ کریم نے اس کی واضح طور پر تردید کی ہے اس لئے یہ قطعاً باطل اور لغو ہے ایسی روایتوں کے غلط ہونے میں

کوئی شبہ نہیں ۔

۳ ۔ ایسی روایتیں جن کی نہ تو ہم تصدیق کرسکتے ہیں نہ تکذیب اس لئے کہ نہ تو قرآن میں ایسی کوئی آیت ہے اور نہ حدیث کی کوئی ایسی روایت ہے جس سے اس کی مطابقت یا مخالفت ہوتی ہو مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کس درخت کی لکڑی کا تھا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا تھا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیا تھا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگئے تھے ، تو وہ پرندے کون کون سے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت کے ایک ٹکڑے کو ایک مقتول کے جسم سے لگانے پر وہ مقتول اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگیا تھا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتادیا تھا ، تو گوشت کا وہ ٹکڑا جو مقتول کے جسم کو لگایا گیا تھا ، وہ گائے کے جسم کے کس حصہ کا تھا، وہ کون سا درخت تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا وغیرہ وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمارے لئے ان چیزوں کے جاننے یا نہ جاننے میں کوئی نفع یا نقصان نہیں ، اس لئے ایسی روایتوں کو نہ تو ہم صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ جھوٹ اور غلط ۔ ایسی روایتوں کے بارے میں خاموشی ہی اختیار کرنی چاہیئے (ابن کثیر ۴ \ ۱) ۔

۲۔ تفسیر بالرّائے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآنِ کریم کے بارے میں اپنی رائے یا جہالت اور بے علمی کی بنا پر کچھ کہا تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔ ترمذی ، ابن جریر ، ابو داؤد اور نسائی نے بھی اسی قسم کی روایت بیان کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ۔ اسی لئے سلف کی ایک بہت بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی ۔

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے اس دن کے بارے میں پوچھا جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ پچاس ہزار سال کے دن کے بارے میں کیا (خیال) ہے ۔ اس نے کہا کہ میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب (قرآن) میں فرمایا ہے ۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔ ذرا غور فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسرِ قرآن نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کردیا ۔

حضرت عبید اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآنِ کریم کی تفسیر کرتے ہوئے جھجکتے تھے ۔ مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرکے بات کہنا ہے ۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ گو میں نے قرآنِ کریم کی ایک ایک آیت کا علم حاصل کرلیا ہے تاہم میں کہتے ہوئے جھجکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے ۔

ان تمام اقوال کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے جو اصول اجماعی طور پر مسلّم اور طے شدہ ہیں ان کو نظر انداز کرکے جو تفسیر محض رائے کی بنیاد پر کی جائے وہ ناجائز ہے ۔ چنانچہ صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے علما علم کے بغیر قرآن کے معنیٰ و تفسیر بیان کرنے میں ہرگز لب کشائی نہیں کرتے تھے ۔ یہ لوگ جس چیز کو نہیں جانتے تھے اس کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے اور جس چیز کا علم ہوتا تھا اسے بیان کردیتے تھے اور یہی دونوں باتیں ہر شخص پر واجب ہیں ۔ پس احادیث ، لغت یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے روز اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی (ابن کثیر ۵ ، ۶ \ ۱)۔

تفسیر سورۂ فاتحہ و بقرہ

اِستِعَاذَہ

اَعُوْذُ بِااللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

میں شیطان مردود (کے شر) سے (بچنے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں ۔

شَیْطٰنِ : یہ شَطْنٌ سے بنا ہے ۔ اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں ۔ شیطان مردود ہر بھلائی سے دور ہے اس لئے اس کو شیطان کہتے ہیں ۔ سرکش اور شریر کو بھی شیطان کہتے ہیں ۔

رَجِیْم : دھتکارا ہوا ، مردود ، ملعون ، یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے ۔ شیطان کو رجیم اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ چوری سے کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتا ہے تو اس کو شہاب ثاقب سے رجم کیا (مارا) جاتا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔

اِلاَّ مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَہٗ شِہَابٌ مُّبِیْنٌ (حجر ١٨)۔

مگر جو کوئی چوری سے (فرشتوں کی بات) سنکر بھاگے تو دہکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے ۔

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ط اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۔ (فاطر ۶) ۔
بلا شبہ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ پس تم اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو ۔ بس وہ تو اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہو جائیں ۔

شیطان کو انسان کی تباہی و بربادی ہی میں مزہ آتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا ہوا ہے ۔
فَبِعِزَّتِکَ لَاُ غْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ط (ص ۸۲) ۔

تیری عزت کی قسم میں ان سب (بنی آدم) کو ضرور گمراہ کروں گا ۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے تَعَوَّذْ پڑھ لینے سے آدمی شیطان مردود کی زد سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آجاتا ہے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ۔
فَاِذَ اقَرَاْتَ اْلقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ۔ (نحل ۹۸) ۔
جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر لیا کرو ۔
دوسری جگہ ارشاد ہے ۔
وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (اعراف ۲۰۰) ۔
اور جب تمہیں کوئی شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو ۔

تسمیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔

رَحْمٰن : بہت رحم کرنے والا ۔ مبالغہ کا صیغہ اور رَحْمَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی دل کی نرمی کے ہیں ۔ دنیا و آخرت دونوں میں رحم کرنے والے کو رحمٰن کہتے ہیں ۔اس کی رحمت تمام مخلوق پر ازل سے ابد تک یکساں حاوی ہے ۔ مثلاً بارش ، ہوا ، اور دوسری مہربانیاں ، نیک و بد سب پر یکساں ہوتی ہیں ۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے ۔

رَحِیْم : بڑا مہربان ۔ یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور رَحْمَۃٌ سے مشتق ہے ۔ اس میں رحمٰن سے کم مبالغہ ہے ۔ رحیم سے اللہ تعالیٰ کی وہ خاص رحمت مراد ہے جو آخرت میں صرف مومنوں کے لئے ہوگی ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً (احزاب ۴۳) ۔
اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا خاص انعام فرمائے گا اور ایک نیکی کے بدلے ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا ۔ یہ لفظ بندوں کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآنِ کریم میں رَؤفٌ الرَّحیم آیا ہے ۔

اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اپنے کام بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے ۔لئے جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کا حکم تھا ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ (سورۂ علق آیت ۱) ۔
اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے سب کو پیدا کیا ۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔کسی سورت کا جزو نہیں بلکہ یہ ایک مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل و امتیاز کے لئے نازل ہوئی ہے سنن ابی داؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کے فصل نہیں جانتے تھے ۔ (ابن کثیر ۱۶/ ۱) ۔

بسم اللہ کے فضائل ۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے نام سے یعنی بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ نا تمام اور بے برکت رہتا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی اور پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) اتری تو بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے ، ہوائیں ساکن ہو گئیں ، سمندر ٹھہر گیا ، جانوروں نے کان لگائے ، شیطان پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہو گی ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بارے میں سوال کیا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں اس قدر نزدیکی ہے ، جیسی آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں (ابن کثیر ۱۷/ ۱) ۔

سورۃ الفاتحہ

وجہ تسمیہ - فاتحہ شروع کرنے کو کہتے ہیں - قرآنِ کریم اسی مہتم بالشان سورت سے شروع ہوتا ہے اور نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے ، اس لئے اس کو سورۂ فاتحہ کہتے ہیں -

سورۂ فاتحہ کے اسماء : ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی اُمّ القرآن اور یہی فاتحۃ الکتاب اور یہی سبع مثانی ہے - (ابن کثیر ۷ / ۱) -

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ القرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہی اُمّ القرآن ہے اور یہی سبعِ مثانی اور یہی قرآنِ عظیم ہے - (ابن کثیر ۹ / ۱) -

تعارف : یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی - اس میں ۲۵ کلمات ، ۱۱۳ حروف ، ایک رکوع اور سات آیات ہیں - البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ان سات آیتوں میں شامل ہے یا نہیں - جو لوگ بسم اللہ کو پوری آیت بتاتے ہیں وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ سے ضَالِّیْن تک ساتویں آیت شمار کرتے ہیں - جو لوگ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو تو مانتے ہیں مگر اس کو پوری آیت نہیں کہتے اور وہ لوگ جو بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو ہی نہیں مانتے ، ان دونوں کے نزدیک چھٹی آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے اور ساتویں آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن - ہے -

یہی سورت قرآنِ کریم کا پیش لفظ یا تعارف اور خلاصہ ہے - سارا قرآن اسی کی تفصیل و تفسیر ہے - یہی قرآنِ کریم کی تعلیمات ، اس کی حکمتوں ، اس کے معارف اور اس کے رموز و اسرار کی جامع ہے - یہی وہ سورت ہے جس کی مثل توریت و انجیل و زبور میں نہیں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی اور سورت نہیں - یہی سورت ، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ، اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے - اسی میں اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی عبادت کا طریقہ بتایا ہے - اس کی پہلی تین آیات میں آدابِ حمد کی تعلیم ہے - چوتھی آیت خالق اور بندے کے

تعلق کو بیان کرتی ہے ۔ آخری تین آیات میں ایک نہایت مختصر اور جامع دعا ہے جس میں ہدایت طلب کی گئی ہے ۔ اسی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ۔

فضائل : حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے ۔ اتنے میں اوپر (آسمان) سے ایک زور دار آواز سنائی دی ۔ حضرت جبرائیلؑ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا ۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا ۔ خوشخبری ہو آپ کو دو نور دئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دئے گئے ۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری (دو) آیتیں ۔ اگر آپ ان میں سے ایک حرف بھی پڑھیں گے تو اس کے بدلے وہ نور آپ کو دیدیا جائیگا ۔(ابن کثیر ، بحوالہ مسلم ۱۱/ ۱) ۔

مسند براز میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم بستر پر لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور قُلْ ھُوَ اللہ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن پالو گے (ابن کثیر ۱۲/ ۱) ۔
بخاری نے اپنی سند سے ابن عباسؓ کی حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ فاتحۃ الکتاب قرآنِ کریم کے دو ثُلُثْ (دو تہائی) کے برابر ہے (مظہری ۱۲/ ۱) ۔

صفاتِ باری تعالیٰ

۱ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔
ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے ۔

حمد : کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں ۔ یہ شکر کے مقابلہ میں عام ہے کیونکہ شکر نعمت کے ساتھ مخصوص ہے ۔
شکر دل و زبان اور دوسرے تمام اعضاء سے بھی ہو سکتا ہے ۔ حمد صرف زبان سے ہو سکتی ہے ۔ قتادہ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حمد، شکر کی اصل ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی اس نے ذرا بھی شکر نہیں کیا (مظہری ۴/۱)۔

مدح: یہ حمد کی نسبت عام ہے کیونکہ یہ صرف خوبی پر ہوتی ہے اور اس میں نہ تو فعل کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور نہ اس خوبی کا واقعتاً ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے مدح بعض اوقات ممنوع بھی ہو جاتی ہے مگر حمد سے کسی وقت بھی منع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اس خوبی پر ہوتی ہے جو واقعتاً ہو۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ الحمد اللہ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی شکر کے لائق ہے۔ اس کے سوا مخلوق میں سے کوئی بھی شکر کے لائق نہیں کیونکہ وہ تمام نعمتیں جو شمار سے باہر ہیں اور جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی کی طرف سے ہیں (ابن کثیر ۲۲/۱)۔

قرطبی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری امت میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں ساری دنیا دیدے اور وہ (اس پر) الحمد للہ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی بڑی نعمت الحمد للہ کہنے کی توفیق دینا ہے۔ اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا (کہف ۴۶)۔

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی آرائش ہیں اور تیرے رب کے نزدیک باقی رہنے والی نیکیاں ثواب میں بہتر ہیں۔ (ابن کثیر ۲۳/۱)۔

رَبِّ: پرورش کرنا، تربیت کرنا، کامل بنانا کسی شئے کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ درجہ، کمال تک پہنچانے کو تربیت کہتے ہیں۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

عٰلَمِیْنَ : یہ عالم کی جمع ہے جو عَلَامَہ سے مشتق ہے ۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات ہیں ۔ اس کا اطلاق ہر مخلوق پر ہوتا ہے جیسے عالَمِ اِنس ، عالَمِ جِنّ ، عالَمِ مَلَائکہ وغیرہ ۔

ہر شئے کا خالق و مالک اور اس کی تربیت و پرورش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے ہر قسم کی حمد بھی اسی کے لئے سزاوار ہے ۔ چنانچہ دنیا میں اگر کسی چیز کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حقیقی ، ذاتی اور کامل ہونے کے علاوہ کسی شخص ، زمانے ، جگہ یا کسی حالت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب عالموں کے لئے عام ہے ۔

۲ ۔ **اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :** (اللہ تعالیٰ) بحد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔
ان لفظوں کی تشریح بسم اللہ کے تحت گزر چکی ہے ۔ رب کے لفظ میں ترہیب اور ڈراوا تھا اور رحمٰن و رحیم کے لفظوں میں امید ہے ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے ۔

اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ (انعام ۱۶۶)

بلاشبہ تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور بخشش و مہربانی کرنے والا بھی ۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔
وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (حجر ۴۹ ، ۵۰) ۔

میرے بندوں کو خبر کر دیجئے کہ میں بخشنے والا اور مہربان بھی ہوں اور میرا عذاب بھی درد ناک عذاب ہے ۔

جزا و سزا ۔

۳ ۔ **مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ** اللہ تعالیٰ بدلے کے دن کا مالک ہے ۔

دِیْنِ ۔: بدلہ ، جزا ، حساب ۔ ایک مقررہ دن میں اچھے برے ، نیک و بد ، ظالم و مظلوم سب کو ان کے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا وہی بدلہ کا دن ہے ۔ قرآنِ کریم میں ہے ۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (نور ۲۵) ۔

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق اور ظاہر ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے ، تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اور اپنے اعمال کا وزن خود کر لو قبل اس کے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار رہو جب تم اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس پر تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ۔
(ابن کثیر ۲۵\۱) ۔

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِیَةٌ ۔ (الحاقہ ۔۱۸ ۔

اس دن تم لوگ پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی مخفی راز چھپا نہیں رہے گا ۔

ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس دن کسی شخص کو حکم کی قدرت نہ ہوگی جیسے دنیا میں بادشاہوں اور حاکموں کو ہوتی ہے ۔ پس قیامت کے دن نہ صرف یہ کہ کوئی ملکیت کا دعویدار نہ ہوگا بلکہ اس مالکِ حقیقی کی اجازت کے بغیر کوئی زبان تک نہ ہلا سکے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ط لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ النبا ۳۸ ۔

اس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔کسی کو بولنے کی مجال تک نہ ہوگی سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ ۱۰۸)

اور (اس دن) آوازیں اللہ تعالیٰ کے واسطے پست ہوجائیں گی ۔ پس تو کھُسر پھُسر یا گنگناہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا ۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۔ (ھود ۱۰۵) ۔

اس دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بات بھی نہیں کرے گا ۔ پس ان میں سے کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت ۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن ۱۶) ۔

آج کس کی بادشاہت ہے ؟ خدائے واحد کی جو زبردست ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لیگا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا پھر فرمائے گا میں (ہی حقیقی) بادشاہ ہوں ۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ ۔ کہاں ہیں سرکش اور ظالم ۔ کہاں ہیں تکبر والے ۔ (ابن کثیر ۱\۲۵)۔

دعاء استعانت

۴ ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

(اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (عبادت سمیت ہر کام میں) مدد چاہتے ہیں ۔

نَعْبُدُ ۔ یہ عِبَادَۃٌ سے جمع کا صیغہ ہے ۔ لغت میں ذلت اور پستی کو عبادت کہتے ہیں اور شریعت میں محبت ، خشوع ، خضوع اور خوف کے مجموعہ کو عبادت کہتے ہیں ۔ یعنی کسی کی انتہائی تعظیم و محبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی و فرماں برداری کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں ۔

عبادت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کو جو تمام کامل صفتوں سے متصف ہے محض اس کی ذات کے لئے عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو (ابن کثیر ۱/۳۶) ۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ کمالِ محبت کے ساتھ کمال اطاعت کا نام عبادت ہے ۔ عبادت کا مفہوم زندگی کے تمام شعبوں ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، معاملات ، اور اخلاق و آداب وغیرہ سب پر حاوی ہے ۔ نَعْبُدُ جمع کا صیغہ ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندگی کرنے والا اپنی عبادت پر ناز نہ کرے بلکہ یہ خیال کرے کہ عبادت کرنے والا صرف وہی نہیں بلکہ بے شمار بندگی کرنے والوں میں سے ایک ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵ ، ۱۶ /۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نَعْبُدُ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے (مظہری ۹\۱) ۔

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں ۔ تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کرتے ہیں ، نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امید رکھتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۶\ ) ۱ ۔

اس آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوتوں کے انکار اور اپنے عجز کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور قوتِ تامّہ کا اقرار ہے ۔ چونکہ حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اس لئے عقلی و طبعی اعتبار سے ہر قسم کی طاقت اور اپنے تمام کاموں میں ، مدد و اعانت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئیے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۔

اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر ۔

طلبِ ہدایت

۵ ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔

(اے خدا) سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرما ۔

اِھْدِنَا ۔ : تو ہمیں ہدایت دے، تو ہماری رہنمائی فرما۔ یہ ہِدَایَۃٌ سے امر کا صیغہ ہے۔ امام راغب اصفہانی نے ہدایت کی جو تشریح فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقصود کی طرف لطف و مہربانی کے ساتھ کسی شخص کی رہنمائی کرنے کو ہدایت کہتے ہیں ۔ (المفردات ۵۳۸) ۔

صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس میں موڑ نہ ہوں ۔ یہاں دین کا وہ راستہ مراد ہے جس میں اِفْرَاط و تَفْرِیط نہ ہو ۔ اِفْرَاط کے معنی حد سے آگے بڑھنا اور تَفْرِیط کے معنی کوتاہی کرنا ہیں ۔ امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اس واضح اور صاف راستے کو کہتے ہیں جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو ۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں ۔

(۱) سیدھا ہو (۲) مقصد تک پہنچانے والا ہو (۳) سب سے زیادہ نزدیک ہو (۴) وسیع اور کشادہ ہو (۵) مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ ہو ۔

حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے ۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷\۱) ۔

پورا قرآنِ کریم اسی طلبِ ہدایت کی دعا کا جواب ہے ۔

انعام یافتہ لوگوں کا راستہ

۶ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔

ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ۔

اس آیت میں صراطِ مستقیم کی تشریح کی گئی ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس پر چلنے

اور ثابت قدم رہنے والے نیک اور ایماندار لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و انعام فرمایا ۔ سورۂ نساء میں ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر اس طرح ہے ۔

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ ۔ آیت ۲۹ ۔

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا وہ انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں ۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو ہمیں اس سیدھے راستہ پر چلنے کی ہمت و توفیق عطا فرما جس پر چلنے والوں پر تو نے انعام فرمایا اور جو ہدایت یافتہ تھے ، تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرتے تھے ، تیرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتے تھے اور تیری طرف سے جن کاموں کے کرنے کی ممانعت ہے وہ ان سے رک جاتے تھے ۔

مغضوب و گمراہ لوگ

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔

جن پر آپ غصے نہیں ہوئے اور نہ وہ گمراہ ہوئے ۔

مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے کے باوجود ان کی تعمیل میں کوتاہی کرتے ہیں جیسے عام طور پر یہود کا حال تھا ۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیْہِ (المائدہ ٦٠) ۔

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اپنا غضب نازل کیا ۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ (بقر ۹۰) ۔

پس وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوگئے ۔

ضَآلِّیْن سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر دین کے معاملے میں غلط راستے پر پڑ گئے اور دین کی مقررہ حدود سے نکل کر افراط اور غلو میں مبتلا ہوگئے جیسے عام طور پر نصاریٰ تھے جو نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ انہوں نے نبی

(حضرت عیسیٰ) کو خدا بنالیا ۔ یہ لوگ گمراہی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞ (مائدہ ۷۷) ۔

یہ تو پہلے ہی گمراہ ہیں اور بہت سوں کو گمراہ بھی کرچکے ہیں اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں ۔

پس آیت کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تو ناراض ہوا اور جنہوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا ۔ اے اللہ تو ہمیں گمراہ لوگوں کے طریقے سے بھی بچالے جو راہ حق سے بھٹک کر ادھر ادھر حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں ۔

حضرت عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے یہود مراد ہیں اور ضَآلِّيْنَ سے نصاریٰ ۔ (ابن کثیر ۱\۳۰) ۔

آمین کہنا ۔ آمین کے معنی ہیں اے اللہ ایسا ہی کر ۔ اے اللہ تو قبول فرما ۔ سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا مسنون ہے ۔ آمین نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ قرآنِ کریم کا ۔ اسی لئے اس کو قرآنِ کریم میں نہیں لکھا جاتا ۔

سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ ہم نے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کرنیکی توفیق و رہنمائی مانگی ہے وہ ہمیں عطا فرمادے اور اہل غضب اور اہل ضلال کے طریقے سے ہمیں دور رکھ ۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو ۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں ۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے تو (اس وقت) فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور اگر ایک کی آمین دوسرے کی آمین کے موافق ہوجائے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۱\۳۱) ۔

سورۂ بقرہ

وجہ تسمیہ ۔ بقر کے معنیٰ گائے کے ہیں اس کا نام بقرہ اس لئے رکھا گیا کہ اس کے آٹھویں رکوع میں گائے ذبح کرنے کے ایک واقعہ کا بیان ہے ۔ بنی اسرائیل کو جو اطاعت خداوندی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے تھے ، ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ۔ طویل سوال و جواب کے بعد آخر کار انہوں نے گائے ذبح کردی مگر کج بحثی سے پھر بھی باز نہ آئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرکے مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ تم کسی قسم کی کج بحثی میں نہ پڑنا بلکہ خلوص نیت اور ادب و اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت ، برکات اور انعامات کے طالب رہو ۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایک مقتول کے جسم کو محض ایک مذبوحہ گائے کے ایک ٹکڑے سے چھودینے پر اس کا زندہ ہوجانا اس قادر مطلق کے ارادہ اور مشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا ۔ منکرینِ حیات بعدالموت کے لئے بھی یہ نہایت عمدہ حجت ہے ۔ ایسے لوگوں کو اس واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہئیے اور خوب سمجھ لینا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بھی اسی طرح مردوں کو زندہ فرمائے گا ۔

تعارف ۔ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی ۔ اس میں ۲۸۷ آیتیں ، ۶،۲۲۱ کلمات ، ۲۵،۵۰۰ حروف اور ۴۰ رکوع ہیں ، یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے ۔ اس میں تمام سورتوں سے زیادہ شرعی احکام بیان ہوئے ہیں ۔ بنیادی طور پر اس میں توحید و رسالت ، تحویلِ قبلہ ، نماز ، روزہ ، حج ، جہاد فی سبیل اللہ ، انفاق فی سبیل اللہ ، اہم معاملات مثلاً نکاح و طلاق ، بیع و شراء اور سود و قرض سے متعلق احکامات کا بیان ہے ۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱ ۔ سب سے پہلے تو قرآنِ کریم کا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہونے کا اعلان ہے ۔اس کے بعد پانچویں آیت تک مومنوں کی مدح و صفات کا بیان ہے پھر دو

آیتوں میں کافروں کی مذمت ہے ۔
رکوع ۲ ۔ منافقوں کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے ۔
رکوع ۳ ۔ بنی آدم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا حکم اور قرآنِ کریم کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے ۔
رکوع ۴ ۔ خلافت آدم ، فرشتوں کا خلافت آدم پر اعتراض اور پھر آدم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ، ابلیس کی نافرمانی اور حضرت آدم و حوّا کو بہکانا ، جس کے نتیجہ میں ان کا جنت سے اخراج اور زمین پر اترنا ۔ پھر حضرت آدم کی توبہ اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے ۔
رکوع ۵ ۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے ان کو ان پر ہونے والے انعامات اور وہ عہد یاد دلایا گیا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھا تھا ۔ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی ممانعت ، نماز قائم کرنے ، زکوٰۃ ادا کرنے اور مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد طلب کرنے کا حکم ہے ۔
رکوع ۶ ۔ پہلے قیامت کا خوف دلایا گیا ہے ، پھر آل فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کا سمندر میں غرق ہونا ۔ حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کا بچھڑے کو معبود بنانا ، اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کو توریت عطا فرمانا ، بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ پر بن دیکھے ایمان لانے سے انکار اور ان پر بجلی گرنا ، منّ و سلویٰ کا نزول ، بستی میں معافی طلب کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کا معافی کی بجائے گندم گندم پکارنے کا بیان ہے ۔
رکوع ۷ ۔ بنی اسرائیل کی طرف سے پانی کا مطالبہ کرنا اور حضرت موسیٰ کے معجزے کے طور پر پتھر سے ۱۲ چشمے پھوٹ پڑنا ۔ پھر بنی اسرائیل کی طرف سے سبزی ترکاری کا مطالبہ اور غضب الٰہیٰ کے نتیجہ میں ان کو ذلت و مسکنت کا مستحق ٹھرانا ۔
رکوع ۸ ۔ یہود و نصاریٰ میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کی یقین دہانی ، بنی اسرائیل پر کوہ طور کو بلند کرنا ، ہفتہ کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز ، اور گائے ذبح کرنے کے مشہور واقعہ کا بیان ہے ۔
رکوع ۹ ۔ ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو ایک مقتول کے جسم پر مارنے سے مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا ۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی کا ذکر ،

توریت میں تحریف کرکے پیسے کمانے والوں کو تنبیہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل دوزخ اور اہل جنت کے لئے دو ٹوک فیصلہ ۔

رکوع ۱۰ ۔ بنی اسرائیل کا چار احکام میں سے صرف ایک حکم (قیدی کا چھڑانا) تسلیم کرنا اور باقی تین احکام (عہد شکنی ، باہم قتال کرنا ، اور لوگوں کو وطن سے نکالنا) کی مخالفت کرنا ، حیاتِ اخروی پر حیات دینوی کو ترجیح دینے پر عذاب آخرت کی وعید کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۱ ۔ انبیاء کی تکذیب و قتل ، منکرین (یہود) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کو شدید غضب الٰہی کا مستحق قرار دینا ، حق کا انکار ، رفع طور ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو موت کی تمنا کرنے کا چیلنج ، زندگی کی حرص ، بیان کی گئی ہے ۔

رکوع ۱۲ ۔ کفار کا جبرائیلؑ سے عداوت رکھنا اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا کافروں سے عداوت رکھنا ، کتاب اللہ سے بے اعتنائی ، کفار کی ایک آزمائش اور حصول خیر کے ذریعہ کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۳۔ کفار و مشرکین کا عناد ، یہود کے دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب ، اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ، راہ راست سے دوری کا سبب ، کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹانے کی کوشش ، نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کے قیام کی تاکید ، یہود و نصاریٰ کا جنت میں جانے کا دعویٰ ، مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ، بیان کیا گیا ہے ۔

رکوع ۱۴۔ یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے مذہب کو باطل قرار دینا ، مساجد ویران کرنے کی سعی کا انجام ، جہتِ قبلہ کی توجیہہ ، اللہ تعالیٰ کا اولاد سے بری ہونا اور اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان ، کافروں کی جاہلانہ آرزو ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجنے اور حقیقی ہدایت کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۵ ۔ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے اپنے انعامات یاد دلانا ، احوال قیامت ، حضرت ابراہیم کی آزمائش ، بیت اللہ میں مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانا ، دعائے خلیل کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۶۔ ملت ابراہیمی سے اعراض حضرت ابراہیم کی وصیت ، موت کے وقت حضرت یعقوب کا بیٹوں سے معبود کے بارے میں سوال ، اعمال کی جوابدہی ، مسلمانوں کو یہودیوں کی طرف سے یہودیت اختیار کرنے کی دعوت کا جواب ، اللہ تعالیٰ ، قرآنِ کریم ، سابقہ آسمانی کتب اور تمام انبیاء پر ایمان لانا ، اطاعتِ خدا وندی ، یہود کے

دعوے کا جواب ، اور اعمال کی جوابدہی کا بیان ہے ۔
رکوع ۱۷ ، ۱۸ ۔ تحویلِ قبلہ کا بیان ہے ۔
رکوع ۱۹ ۔ صبر کے ذریعہ استعانت طلب کرنا ، حیاتِ شہداء، صابرین کے لئے خوشخبری ، اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے والے ، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا کِتمانِ حق پر وعید ، کافروں پر لعنت اور ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے کی خبر اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۰ ۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ، مشرکین پر عذاب کا ذکر ہے ۔
رکوع ۲۱ ۔ حلال کھانے کا حکم ، شیطان کی پیروی کی ممانعت ، باپ دادا کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو تو اس پر چلنے کی ممانعت ، کافروں کی مثال ، مومنوں کو شکر گزاری کا حکم ، حرام اشیاء کا بیان ، کِتمانِ حق کا انجام ، اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنا مذکور ہے ۔
رکوع ۲۲ ۔ حقیقی بھلائی کا بیان ، قصاص اور وصیت کے احکام بیان کئے گئے ہیں ۔
رکوع ۲۳ ۔ روزہ کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی دعا قبول کرنا ، سحر و افطار کے اوقات و احکام اور ناحق مال کھانے کی ممانعت بیان کی گئی ہے ۔
رکوع ۲۴ ۔ حقیقی بھلائی ، کفار سے قتال کا حکم ، مسجدِ حرام کے قریب قتال کی ممانعت ، فتنہ ختم ہونے تک قتال کرنا ، حرمت والے مہینوں میں قتال کا جواز ، اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا اور حج و عمرہ کے احکام کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۵ ۔ ممنوعاتِ حج ، احکامِ عرفات و مُزدَلِفہ ، ذکر اللہ کی تاکید اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے دعا کرنا ، سخت جھگڑالو آدمی ، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کا ذکر ، شیطان کی پیروی کی ممانعت اور حق سے روگردانی کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۶ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو بے شمار کھلی نشانیاں دینے اور بنی اسرائیل کو نعمتِ خداوندی تبدیل کرنے پر شدید عذاب کی وعید ، قیامت کے روز متقیوں کو کافروں پر فوقیت ، لوگوں کا عقائد میں اختلاف کرنا اور ان کی رہنمائی کے لئے نبیوں کا مبعوث ہونا ، جنت میں داخلے کے لئے مومنوں کا امتحان ، پھر لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں پوچھنا ۔ خیرات کے مصارف اور قتال کے حکم کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۷ ۔ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت ، کافروں کی طرف سے

مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالنے کی مذمت ، مومنوں ، مہاجروں اور مجاہدین کا رحمت خداوندی کا امید وار ہونا ، شراب و جوئے کا حکم ، یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک اور مشرکوں سے نکاح کی ممانعت ۔

رکوع ۲۸ ۔ حیض کے احکام ، قَسَم کے ذریعہ نیک کاموں سے رکنے کی ممانعت اور نیک کام کے لئے قَسم توڑ دینا اور کفّارہ ادا کردینا ، جھوٹی قَسم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ ، ایلا اور طلاق کے احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۲۹ ۔ خلع کا بیان ، طلاق مغلظہ اور طلاق کے بعد رجوع کے احکام ، بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۳۰ ۔ عدت کے بعد نکاح اور رضاعت کی مدت ، بیوہ کی عدت اور عدت میں پیغام نکاح کا بیان ہے ۔

رکوع ۳۱ ۔ مطلقہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید ، عام نمازوں اور وسطی نماز کی حفاظت کی تاکید صلوٰۃ خوف کا طریقہ ، بیوی کے لئے وصیت کی تاکید ۔

رکوع ۳۲ ۔ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا ۔ قتال فی سبیل اللہ ، اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ، بنی اسرائیل کا جہاد سے فرار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کرنے کو تسلیم نہ کرنا اور طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی کا بیان ہے ۔

رکوع ۳۳ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نہر کا پانی پینے کی ممانعت ، طالوت کے لشکر کا امتحان لینا ، بنی اسرائیل کی طرف سے جالوت کے لشکر کے خلاف ثابت قدمی کی دعا ، پھر جالوت کے لشکر کو شکست اور جالوت کو مار ڈالنے کا اعلان اور بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دینے کا اعلان ۔

رکوع ۳۴ ۔ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید ، صفات باری تعالیٰ ، اسلام لانے کے لئے کافروں کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت ، اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو اپنا دوست اور کافروں کو شیاطین کا ساتھی اور اہل دوزخ قرار دینا ۔

رکوع ۳۵ ۔ حضرت ابراہیم کا نمرُوْدْ سے مباحثہ ، مُردوں کو زندہ کرنا ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم کی درخواست پر ان کو مُردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرانا بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۳۶ ۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ، خیرات کے بعد احسان جتانا اور سائل کو

ستانا ، صدقات و خیرات میں دکھاوے کی ممانعت ، انفاق فی سبیل اللہ کی ایک اور مثال

رکوع ۳۷ ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں حلال و طیب مال خرچ کرنے کی تاکید ، خیرات کے بارے میں شیطانی وسوسہ ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر عطا ہونا ، خفیہ طور پر خیرات کرنا ، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے لئے پورا بدلہ ، صدقہ کے مستحق لوگ ۔

رکوع ۳۸ ۔ سود خوری کا انجام ، مومنوں کے لئے اجر کا وعدہ ، حرمتِ سود کے احکام اور سودی لین دین ترک نہ کرنے والے مومنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ ۔

رکوع ۳۹ ۔ قرض کی تحریر لکھنا ، اس پر دو گواہ بنانا اور تحریر لکھنے والے کو عدل کے ساتھ لکھنے کی تاکید ۔

رکوع ۴۰ ۔ اعمال کا محاسبہ ، ایمانِ مفصل اور دعائیہ کلمات بیان کئے گئے ہیں ۔

سورۂ بقرہ کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت و بدنصیبی ہے اور اہلِ باطل اس پر قابو نہیں پاسکتے یعنی اس سورت کے پڑھنے والے پر کسی کا جادو نہیں چلے گا (قرطبی بحوالہ مسلم) ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے اس سورت میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآن کی تمام آیات میں اشرف و افضل ہے اور وہ آیت الکرسی ہے (ابن کثیر بحوالہ ترمذی) ۔

حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی رات میں سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھیں تو اس رات میں شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوگا ۔ وہ دس آیتیں یہ ہیں ۔ چار آیتیں آلم سے مُفْلِحُوْنَ تک ، پھر تین آیتیں درمیان کی یعنی آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں پھر آخری تین آیتیں (ابن کثیر ۱/۳۲) ۔

مسند احمد میں حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی بلندی ہے اس کی ہر آیت کے

ساتھ ۸۰ فرشتے نازل ہوتے تھے اور آیت الکرسی تو عرش کے نیچے سے نکال کر اس سورت کے ساتھ ملائی گئی اور سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے ۔ جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور طلب آخرت کے لئے پڑھتا ہے ۔ اسے بخش دیا جاتا ہے ۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو (ابن کثیر ۱/۳۲) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوسکتا (ابن کثیر بحوالہ مسند احمد ، مسلم ، ترمذی ، نسائی ۱/۳۲) ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے پڑھتا چلا جائے اور سورۂ بقرہ کو پڑھنا چھوڑ دے ۔ پس بیشک جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس میں سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور بیشک سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے ۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر

۱ ۔ **حروف مقطعات الٓمٓ** ۔ یہ حروف مقطعات ہیں ۔ اس قسم کے مختلف حروف قرآنِ کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۲۶ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ۔ ان کے معنی و مردا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ۔

عظمتِ قرآن

۲۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

" یہ کتاب (ایسی ہے) جس میں ذرا بھی شک نہیں " ۔

ذٰلِكَ ۔ وہ ۔ دور کے اشارے کے لئے آتا ہے مگر کبھی کبھی اشارہ قریب (یہ) کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں بھی اشارہ قریب کے معنی میں ہے ۔

الکِتَابُ ۔ ایک خاص کتاب ۔ اس سے مُراد قرآن ہے ۔

رَیْبَ ۔ شک ، شبہ ، گمان ۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ رَیب ایسے تردّد اور وہم کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کوئی نہ ہو اور جو ذرا سا غور و تامل سے رفع ہو جائے ۔

شانِ نزول مالک بن صیف یہودی ، مسلمانوں کے دلوں میں یہ کہہ کر شکوک و شبہات پیدا کرتا تھا کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جس کی پہلی کتابوں میں خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شک و شبہ کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں کی تعریف اور کافروں کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں ۔ پہلی چار آیتیں ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے مُفْلِحُوْنَ تک مسلمانوں کی تعریف میں ، دو آیتیں کافروں کی مذمت میں اور پھر ۱۳ آیتیں منافقوں کے بارے میں نازل ہوئیں (تفسیر جلالین صفحہ ۳) ۔

تشریح ۔ یہ کتاب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے ہیں اور یہود و مشرکین جس کو جھٹلاتے ہیں وہی قرآنِ کریم ہے جس کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی ہے اور جس کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ کوئی معقول اور منصف مزاج آدمی اس کی حقانیت اور اس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کرسکتا جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت ۳۲)۔

اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ کتاب پروردگار عالم کی طرف سے اتری ہے ۔

جو یہودی اپنی کتابوں کے حقیقی عالم تھے وہ قرآن کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور جو بغض و عناد اور حسد میں مبتلا تھے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے ۔

مومنین کی صفات

هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ ؕ

"(یہ کتاب) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت و رہنمائی (کا ذریعہ) ہے"

مُتَّقِیْنَ ۔ پرہیز گار ۔ اللہ سے ڈرنے والے ۔ یہ اِتِّقَاءٌ سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متقی وہ مومن ہیں جو شرک سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے تھے ۔ اس وقت بھی بہت کم لوگوں نے ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی تھی اور لوگوں کی اکثریت اپنی بد اعمالی اور حالتِ کفر پر قائم رہی ۔ ان میں سے بعض بد بخت تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے ۔ اسی طرح قرآنِ کریم سے بھی ہدایت و رہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے دل کا آئینہ ، نفسانی و شیطانی ظلمتوں کے زنگ سے صاف و شفاف اور روشن ہوگا ۔ ایسے لوگ ہی اپنے قلب کی نورانیت کے سبب ناپسندیدہ اور بُرے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں ۔

قرآنِ کریم میں کہیں عام ہدایت کا ذکر ہے اور کہیں خاص ہدایت کا ۔ یہاں خاص ہدایت مُراد ہے ۔ ہر چند کہ قرآنی ہدایت مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے ہے (هُدًی لِّلنَّاسِ ۔ انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے) مگر اس سے فائدہ حاصل کرنا صرف پرہیزگاروں کا حصہ ہے کیونکہ ان کا دل زنگ و ظلمات نفسانی و شیطانی سے پاک و صاف اور روشن ہوتا ہے (مظہری ۱/۱۸) ۔

صحیحین میں حضرت نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے ۔ پس جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہ امور سے بچا لیا تو اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا تو وہ حرام میں جا پڑا ۔ جیسے ایک چرواہا کسی محفوظ و ممنوعہ چراگاہ کے گرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں جا پڑے ۔ آگاہ ہو جاؤ ! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ اس کے مَحَارِمْ

(ممنوعات) ہیں ۔ آگاہ ہو جاؤ ! (انسان کے) جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ درست اور صحیح رہتا ہے تو (انسان کا) سارا بدن درست اور صحیح رہتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے ۔ آگاہ ہو جاؤ وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے (مظہری ۱/۱۸) ۔

۳ ۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔

(اور متقی وہ ہیں) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۔

يُؤْمِنُوْنَ یہ لفظ اِیْمَانٌ سے نکلا ہے ۔ لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقین کے ساتھ مان لینے کا نام ایمان ہے ۔ شریعت کی اصطلاح میں رسول کی خبر کو مشاہدہ کے بغیر محض رسول کے اعتماد اور بھروسہ پر یقینی طور سے مان لینے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام ایمان ہے (معارف القرآن ۱/۱۰۹) ۔

بِالْغَيْبِ ۔ ہر وہ چیز جو انسان کی نظروں اور دوسرے حواس سے باہر ہو غیب ہے۔ قرآنِ کریم میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور ان کا علم عقل اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ، تقدیری امور ، مرنے کے بعد زندہ ہونا ، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ، جنت و دوزخ کے حالات ، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات ، فرشتے ، آسمانی کتابیں اور انبیاء سابقین وغیرہ سب شامل ہیں ۔

يُقِيْمُوْنَ ۔ وہ قائم کرتے ہیں ۔ یہ اِقَامَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی قائم کرنا کے ہیں

الصَّلٰوۃَ ۔ لغت میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں ۔ شریعت میں نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں ، رکوع ، سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام نماز ہے ، جو خاص اوقات میں خاص شرائط کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں ۔

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ وقتوں کا خیال رکھنا ، وضو اچھی طرح کرنا اور رکوع و سجود پوری طرح ادا کرنا ۔ مقاتل کہتے ہیں کہ وقت کی نگہبانی کرنا ، کامل طہارت کرنا ۔ رکوع و سجود پوری طرح کرنا ، تلاوت اچھی طرح کرنا اور اَلتَّحِیَّاتُ و درود پڑھنا ، اقامتِ صلوٰۃ ہے ۔

پس اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ رکوع و سجود اور قیام و قعود کی پوری رعایت اور پابندی کے ساتھ خود بھی باقاعدگی سے صحیح اوقات میں نماز ادا کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی ادائیگی پر آمادہ کرنا ۔

رَزَقْنٰھُمْ ہم نے ان کو دیا ۔ اس کے معنی میں بہت وسعت ہے ۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں جیسے مال و دولت صحت اور اولاد وغیرہ ۔ یا باطنی جیسے علم و دانائی اور سمجھ بوجھ وغیرہ ۔

یُنْفِقُوْنَ ۔ وہ خرچ کرتے ہیں ۔ یہ اِنْفَاقٌ سے نکلا ہے ۔

تشریح :۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی تین صفتیں بیان کی ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ غیب کی ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور عقل و حواس کے ذریعہ ان کا علم نہیں ہوسکتا ۔ دوسرے یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں مناسب موقعوں پر جائز اور مفید کاموں میں خرچ کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا بہت بڑی قربانی ہے ۔ بہت سے لوگ بدنی عبادت ، نماز و روزہ وغیرہ تو کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے ۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ سورۂ برات میں زکوٰۃ کی جو سات آیتیں نازل ہوئی ہیں

ان سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے رہو ۔ (ابن کثیر ۱/۴۲) ۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے رہو کیونکہ یہ مال تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور عنقریب تم سے جدا ہو جائیگا ۔ پس تم اپنی زندگی میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دو (ابن کثیر ۱/۴۲) ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ مال و دولت اور ہنر و صلاحیت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے عطاکردہ ہیں اور اسی کی امانت ہیں ۔ اگر ہم اپنا تمام مال و صلاحیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے خرچ کر دیں تو بھی بجا ہے اور ہمارا کوئی احسان نہیں (معارف القرآن ۱/۱۱۰) ۔

۴ ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ

اور وہ (متقی) لوگ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر (قرآن) نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ۔ اور ان کو قیامت (واقع ہونے) کا یقین ہے ۔

آخرت ۔ آخرت ۔ پچھلا گھر ۔ قیامت چونکہ دنیا فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں ۔

يُوْقِنُوْنَ ۔ وہ یقین رکھتے ہیں ۔ یہ اِيْقَانٌ سے بنا ہے جو یقین سے نکلا ہے ۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل سے اس قدر واضح اور ثابت ہو کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ۔

تشریح اس آیت میں بھی متقیوں کی صفات کا بیان ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جو کچھ سابقہ انبیاء آپ سے پہلے لائے تھے ، یہ متقی لوگ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے رب کی سب باتوں ، مرنے کے بعد زندہ ہونا ، قیامت ، جنت ، دوزخ ، حساب اور میزان وغیرہ کو مانتے ہیں ۔ یہ لوگ یہ نہیں کرتے کہ اپنے رب کی بعض باتوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں ۔ دنیا

عمل کی جگہ ہے ۔ بدلہ کی جگہ آخرت ہے جہاں ہر شخص کو دنیا میں کئے ہوئے اس کے ایک ایک عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا ۔ پس اس دنیا سے آخرت کا گہرا تعلق ہے ۔ ہماری آخرت کی زندگی کا دارومدار اسی دنیا کی زندگی پر ہے ۔ ہم دنیا میں جیسے اعمال کریں گے ویسا ہی بدلہ آخرت میں پائیں گے ۔ اس لئے متقی وہی ہے جو ہر کام سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لے کہ انجام کے اعتبار سے اس کے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کی ہدایت و احکام کے خلاف نہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے ۔ صحیح اور غلط راستوں کی واضح طور پر نشاندہی فرمائی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اعمال کے معاملہ میں پوری پوری آزادی اور اختیار بھی دیا گیا ہے ۔ اب یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کو اختیار کرتے ہیں یا شیطان کے راستہ پر چلتے ہیں ۔

۵ ۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵

" وہی (متقی) لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں " ۔

مُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے ۔ یہ اِفْلَاحٌ سے اسم فاعل ہے جو فَلْحٌ سے بنا ہے ۔ اس کے لفظی معنی چیرنے پھاڑنے کے ہیں ۔ کاشت کار کو فَلَّاحْ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو کھود کر بیج بوتا ہے جو زمین کو چیر کر پودے کی صورت میں باہر آتا ہے ۔

تشریح : آخرت کے گھر کا جیسا یقین ان پرہیز گاروں کو حاصل ہے جن کی چند صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ویسا کسی اور کو میسر نہیں ۔ پس جو غیب پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر یقین رکھتے ہیں ، آپؐ سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان کو بھی مانتے ہیں ، یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں ، نماز قائم کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ نیک عمل کرتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں وہی دنیا و آخرت دونوں میں ہر طرح کی خیر و خوبی

اور فوز و فلاح حاصل کرنے والے ہیں اور وہی یقینی طور پر کامیاب ہیں ۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی (بعض آیتوں کی) تلاوت سے تو ہماری ہمت بڑھتی ہے اور قرآن کی (بعض آیتوں کی) تلاوت ہمیں نا امید و مایوس کر دیتی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتادوں ؟ ۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پھر آپؐ نے الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے مُفْلِحُوْنَ ، تک پڑھ کر فرمایا کہ یہ تو جنتی لوگ ہیں ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں گے ۔ پھر آپؐ نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ سے عَظِیْمٌ تک پڑھکر فرمایا کہ یہ اہل دوزخ ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسے نہیں ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ہاں (ابن کثیر ۴۵،۴۴/۱) ۔

یہاں تک مومنوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہدایت یافتہ اور مراد پانے والے ہیں ۔ آخرت کی فلاح و کامیابی بھی انہی کو حاصل ہوگی ۔ اس کے بعد دو آیتوں میں کافروں کا ذکر ہے جو اپنے کفر پر سختی سے قائم ہیں ۔ یہ لوگ ایمان کی دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے ہیں گویا ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ۔

کافروں کا حال

۶ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

بلا شبہ جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے سے) انکار کیا ، ان کے لئے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔

کَفَرُوْا ۔ انہوں نے کفر کیا ۔ انہوں نے انکار کیا ۔ کفر کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں ۔ شریعت کی اصطلاح میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے ۔

اِنْذَار ۔ ایسی خبر دینے کو کہتے ہیں جس سے خوف پیدا ہو ۔ مطلق ڈرانے کو انذار نہیں کہتے بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت و رحمت کی بنا پر ہو جیسے بچہ کو آگ ، سانپ وغیرہ سے ڈرانا ، (معارف القرآن ۱۱۷/۱) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو مومنوں کی بالکل ضد واقع ہوئے ہیں ۔ یہ لوگ دل سے اسلام کے دشمن ہیں ، اپنا وقت ، قوت اور مال و دولت ، ہر چیز اسلام کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں اور واضح اور روشن دلائل سامنے آنے کے باوجود اپنے کفر پر قائم ہیں ۔ ان کے مسلسل انکار اور اسلام کی مخالفت کے باعث ان کے قبول حق کی صلاحیت رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ۔ ایسی صورت میں ان کو عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ تمام لوگ ایماندار ہو جائیں اور وہ ہدایت کو قبول کر لیں ۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خبر دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ، یہ سعادت ہر ایک کے نصیب میں نہیں ۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے ۔ جس نے اس میں سے حصہ پایا ہے وہ آپؐ کی بات مانے گا اور جو بد قسمت ہے وہ ہر گز آپؐ کی اطاعت نہیں کرے گا ۔ یعنی جو لوگ حق کو چھپانے کے عادی ہیں ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ۔ لہذا آپؐ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے ذرا سا بھی فائدہ مند نہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی جو آپؐ پر نازل کی گئی ہے کبھی بھی تصدیق نہیں کریں گے ۔ ابن کثیر ۴۵\۱ ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝
وَلَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝
(یونس ۹۶، ۹۷) ۔

بیشک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ وہ تمام معجزے دیکھ لیں یہاں تک کہ درد

ناک عذاب دیکھیں۔

پھر آپؐ کے اطمینان اور تسلی کے لئے ارشاد فرمایا۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۔ (رعد آیت ۴۰)۔

پس آپ کے ذمہ تو احکام پہنچا دینا ہے اور (ان سے) حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ نَذِيْرٌ ۔ وَّ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ (ہود ۱۱)۔

بس آپ کا کام تو خبر دار کرنا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

۷۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ۔ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

خَتَمَ۔ اس نے مُہر لگا دی۔ خَتْمٌ سے ماضی۔ مُہر لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز پر مُہر لگائی جائے اس کے اندر نہ تو باہر سے کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے اور نہ اندر سے کوئی چیز باہر آسکتی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ختم کا مطلب یہ ہے کہ ان پر شیطان غالب آگیا اور وہ اس کے کہنے پر لگ گئے یہاں تک کہ مُہرِ خداوندی ان کے دلوں اور کانوں پر لگ گئی۔ اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ اب وہ نہ ہدایت کو دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں پر گناہ چڑھتے جاتے ہیں اور اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طَبَعٌ، ختم اور مُہر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِ ھِمْ ۔ (النساء ۱۵۵) ۔

بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مُہر لگادی ۔

قُلُوْبِھِمْ ۔ ان کے دل ۔ قَلْبٌ کی جمع ہے ۔ یہاں قلب سے مراد گوشت پوست کا بنا ہوا دل نہیں بلکہ وہ قوت مراد ہے جو عقل و شعور اور ارادہ کا مرکز ہے ۔

سَمْعِھِمْ ۔ ان کے کان ۔ یہ مفرد لفظ ہے مگر جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ سَمْعٌ کے معنی سننے کی قوت ہے یہاں کان مراد ہیں ۔

اَبْصَارِ ھِمْ ۔ ان کی آنکھیں ۔ یہ بَصَرٌ کی جمع ہے ۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا آنکھ سے ادراک کرنا ۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق قوت باصرہ پر بھی ہوتا ہے یہاں اس سے دیکھنے کی قوت مراد ہے ۔

غِشَاوَۃٌ ۔ پردہ ۔ ڈھکنا ۔ غشاوہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر حاوی ہو کر اسے سب طرف سے ڈھانک لے ۔

شانِ نزول ۔ یہ آیت ولید بن مغیرہ ، عتبہ ، شیبہ ، ابو جہل وغیرہ ، ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی جنکی موت اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں حالتِ کفر پر ہونی تھی (حاشیہ ترجمۂ قرآن از حضرت مولانا عاشق الہیٰ میرٹھی) ۔

ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...... عَذَابٌ عَظِیْمٌ تک دونوں آیتیں مدینہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ (جلالین صحفہ ۴) ۔

تشریح ۔ مُہر اور پردہ سے سچ مچ کی مُہر اور پردہ مراد نہیں بلکہ اس سے وہ سیاہی مردا ہے جو گناہوں کے ارتکاب سے گنہگاروں کے دلوں پر آجاتی ہے اور جس سے ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ۔ اس لئے وہ کفر اور گناہ کے کاموں کی طرف خوشی سے دوڑتے ہیں پس یہ ایک حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے استعارہ کے

طور پر مہر اور پردے سے تعبیر فرمایا ہے (حقانی ۱/۳۱۶) ۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس نے توبہ کر لی اور آئندہ گناہ کرنے سے باز رہا اور استغفار کرتا رہا تو اس کے دل سے وہ سیاہ نقطہ صاف کر دیا جاتا ہے ۔ پس یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآنِ کریم) میں فرمایا ہے ۔ (مظہری ۱ \ ۲۴) ۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ط
المطففین ۱۴ ۔

بلکہ ان کے دلوں پر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زنگ آ گیا ہے ۔

یہ مُہر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی دیدہ دلیری اور علی الاعلان نافرمانی کی سزا تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا کر ان کو ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دیا اب وہ نہ تو حق بات کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اس لئے ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے ۔ اور آخرت میں ان کے لئے ایک ایسا سخت عذاب ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

منافقین کا حال

سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں مومنوں اور کافروں کا بیان تھا اب اگلی تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے جو ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے مگر دل سے وہ کفر کے حامی و ناصر تھے ۔ منافق لفظ نَفَقٌ سے نکلا ہے جس کے معنی سرنگ لگانے کے ہیں جیسے جنگلی جانور زمین کے اندر سرنگیں بناتے ہیں تاکہ وقت آنے پر ان میں پناہ لے سکیں اور خفیہ راستوں سے بھاگ نکلیں ۔ اس اعتبار سے منافق اس بد بخت انسان کو کہا جاتا ہے جو بظاہر اسلام قبول کر لے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں خفیہ چالیں چلے اور دشمنی

کے لئے وقت کا منتظر رہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں ۔

۱ ۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ۔

۲ ۔ جب وعدے کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے ۔

۳ ۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے ۔

(بخاری شریف ۱۳/ ۱) ۔

منافقوں کے ایمان کی حقیقت

۸ ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔

اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

النَّاسِ ۔ انسان ۔ لوگ ، یہ یا تو اِنْسٌ سے مشتق ہے کیونکہ انسان ایک دوسرے سے مانوس اور مالوف ہوتے ہیں یا اٰنَسَ (اس نے ظاہر کیا) سے کیونکہ آدمی بھی ایک دوسرے پر ظاہر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو دکھائی دیتے ہیں یہ اصل میں اُنَاسٌ تھا ہمزہ کو حذف کرکے اس کے بدلے حرف تعریف (ال) لایا گیا بعض کے نزدیک یہ اِنْسَانٌ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک اسم جمع ہے ۔ (مظہری ۲۵/ ۱) ۔

تشریح ۔ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت پر ایمان لائے تاکہ مسلمانوں میں گھل مل کر دنیاوی فوائد و منافع حاصل کریں ۔ اور ہر قسم کی سختی سے جو ان پر پیش آنے والی تھی اسلام کو آڑ بنا کر اپنا بچاؤ کر سکیں مگر ان کا ایمان حقیقی ایمان نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ مومن

نہیں بلکہ فریبی اور دھوکہ باز ہیں ۔ یہ لوگ ہمیشہ در پردہ رہ کر اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے (حقانی ۱/۳۱۸) ۔

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر یوم آخرت پر ایمان کے مدعی تھے حالانکہ کوئی بھی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو نہیں پاسکتا ۔ لہذا ان کا دعویٰ ایمان باطل اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ۔

منافقوں کی غلط فہمی

۹ - يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

وہ (اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ (اس بات کو) سمجھتے نہیں ۔

يُخٰدِعُوْنَ وہ دھوکہ دیتے ہیں ۔ وہ دل میں بری بات چھپاتے ہیں ۔ یہ خَدَعٌ سے بنا ہے جس کے معنی پوشیدہ کرنے کے ہیں ۔ خَدَعٌ اسے کہتے ہیں کہ کسی کو اس مکروہ اور ناپسندیدہ بات کے بارے میں دھوکہ میں رکھنا جسے وہ دل میں چھپائے ہوئے ہو (مظہری ۲۵/ ۱) ۔

يَشْعُرُوْنَ وہ شعور رکھتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں ۔ یہ شُعُوْرٌ سے بنا ہے جس کے معنی بوجھنے کے ہیں ۔ یہاں اس سے اندرونی احساس مراد ہے۔مطلب یہ ہے کہ منافقین خود ہی فریب میں مبتلا ہیں اور انہیں اپنی اس حماقت کی خبر نہیں ۔

منافقوں کا یہ سمجھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو دھوکہ دے رہے ہیں محض خام خیالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے ۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور وہ وحی کے ذریعے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ان کے ذریعے مسلمانوں کو وقتاً

فوقتاً ان منافقوں کے حال سے مطلع فرماتا رہتا ہے ۔ لہذا یہ خود ہی دھوکہ میں ہیں اور اپنی غفلت اور بے خبری کی بنا پر اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ ان کی دھوکہ دہی کا نقصان خود انہی کو پہنچ رہا ہے ۔ یہ لوگ دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں بھی شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے (مظہری ۱/۲۵ حقانی ۱/۳۲۰) ۔

نفاق کی بیماری

۱۰ ۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۔

ان (منافقوں) کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے اور ان کے جھوٹ کے سبب ان کے لئے (مرنے کے بعد) سخت عذاب ہے ۔

مَرَضٌ ۔ مرض ۔ بیماری ۔ مرض اسے کہتے ہیں جو بدن کا عارض ہو کر اسے اعتدال کی حد سے خارج کر دے اور رفتہ رفتہ ضعیف و کمزور کر کے ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دے ۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق اغراضِ نفسانیہ پر بھی مجازاً ہوتا ہے جیسے حسد ، جہل ، کفر ، نفاق عقیدے کی خرابی وغیرہ ۔ منافق جن اغراضِ نفسانیہ کی بیماری میں مبتلا تھے وہ نہایت ہی موذی اور خبیث تھی ۔ (مظہری ۱/۲۶) ۔

اَلِیْمٌ ۔ دردناک ، یہ اَلَمٌ سے نکلا ہے جس کے معنیٰ درد کے ہیں ۔

یَكْذِبُوْنَ ۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں ۔ **جھوٹ** اس خبر کو کہتے ہیں جو حقیقت کے خلاف اور لوگوں کو نقصان **پہنچانے** والی ہو ۔ یہ کِذْبٌ اور کَذِبٌ سے مضارع ہے

تشریح ۔ یہاں دل کی بیماری سے مراد شک و نفاق ہے ۔ جس طرح بیماری سے بدن کمزور ہوجاتا ہے اسی طرح دین کے بارے میں شک و شبہ کرنے سے ایمان کمزور

ہوجاتا ہے ۔ بیماری موت اور زندگی کے درمیان کی حالت ہے جبکہ نفاق کفر و اسلام کے درمیان کی حالت کا نام ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مرض فرمایا ۔ منافقوں کے دل نفاق کی وجہ سے مریض تو تھے ہی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جوں جوں قرآنی ہدایات نازل ہوتی گئیں ، منافقین ان کا انکار کرکے اپنے کفر و نفاق اور عداوت کے مرض کو بھی ترقی دیتے گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَاَمَّاالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ ۔ توبہ ۱۲۵

اور جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری ہے تو ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھادی ۔

منافقوں کی بے شعوری

۱۱۔۱۲ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۔ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۔

" اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۔ یاد رکھو ! بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ۔

تُفْسِدُوْا ۔ تم فساد کرتے ہو ۔ تم خلل ڈالتے ہو ۔ یہ فَسَادٌ سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں مزاج کا بگڑ جانا ۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا ہی زمین میں فساد کرنا ہے ۔ اور زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت خداوندی میں ہے ۔

مُصْلِحُوْنَ اصلاح کرنے والے ۔ درست کرنے والے ۔ اِصْلَاحٌ سے اسم فاعل ۔ یہ

صَلَاحٌ سے نکلا ہے اور فساد کی ضد ہے ۔

تشریح ۔ ان منافقوں کا مرضِ نفاق ان پر اس حد تک غالب آ گیا کہ ان کو نہ صرف نیک و بد اور صحیح و غلط میں تمیز نہیں رہی بلکہ وہ فساد کو اصلاح سمجھنے لگے اور اپنی احمقانہ حرکتوں کو دانائی و فراست خیال کرنے لگے ۔ اسی لئے ان کا مرض نفاق لا علاج ہے ۔ منافقوں کا فساد پھیلانا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے راز فاش کرتے ، کافروں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے ، قرآنی آیات میں تحریف اور باطل تاویلات کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے وغیرہ ۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے ، جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا وہ اسے کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ کے فرائض ضائع کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے اور اس کی صداقت پر کامل یقین نہیں رکھتے تھے ۔ مومنوں کے پاس آکر اپنی ایمانداری جتاتے حالانکہ ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے ۔ موقع پاتے ہی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مدد و اعانت کرتے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی طرفداری کرتے تھے اور اپنی اس مکاری اور مفسدانہ طرز عمل کے باوجود اپنے طور پر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فتنہ و فساد پھیلنے سے تعبیر فرمایا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفعال ۷۳) ۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم نے ان سے دوستی کی تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائیگا ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (نساء ۱۴۴) ۔

اے ایمان والو ! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ ۔

منافقین مسلمانوں کو اپنی گفتار و کردار سے دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ یہ پوشیدہ طور پر کافروں سے دوستی رکھتے ہیں ۔ اگر یہ علانیہ طور پر اپنے کفر پر رہتے تو ان کی سازشوں اور چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہ پہنچتا اور اگر یہ پوری طرح مسلمان ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو یکساں کر لیتے تو دنیا کے امن و امان کے ساتھ آخرت کی نجات بھی پالیتے ۔ مگر وہ اپنی غلط روش پر قائم رہے اور کہتے رہے کہ ہم تو صلح کن ہیں ، کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ، ہم تو دونوں فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافق کہتے تھے کہ ہم دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نری جہالت ہے ۔ جسے یہ لوگ صلح کہتے ہیں وہ عین فساد ہے ۔ یہ لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے ۔ (ابن کثیر ۵۰ / ۱) ۔

ایمان کی کسوٹی

۱۳ ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں تم بھی (ویسے ہی صاف دل سے) اسلام قبول کر لو تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق لوگ ایمان لائے ہیں ۔ یاد رکھو ! بلا شبہ یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر یہ جانتے نہیں ۔

سُفَہَآءُ ۔ یہ سَفِیْہٌ کی جمع ہے جو سَفَہٌ سے نکلا ہے ، بے وقوف لوگ ، جاہل ، کم عقل اور نفع و نقصان کو پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں ۔

تشریح ۔ اس آیت میں منافقوں کے سامنے صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا ہے کہ

تم بھی صحابۂ کرام کی طرح صدق دل سے اللہ تعالیٰ ، اس کے فرشتوں ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور موت کے بعد زندہ ہونے اور جنت و دوزخ کی حقانیت کو تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نیک اعمال کرو اور برائیوں سے بچو ۔ صحابۂ کرام کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر باقی امت کا ایمان کسا جائیگا ۔ اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے ، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ۔ ہر زمانے میں گمراہوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو بھی راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے وہ اس کو بیوقوف قرار دیتے ہیں ۔ مگر قرآنِ کریم کہتا ہے کہ درحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں کہ ایسی کھلی اور واضح نشانیوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے ۔ (معارف القرآن ۱۲۵/ ۱ ، ابن کثیر ۵۰/ ۱) ۔

تمسخر کرنا

۱۴ ، ۱۵ ۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا ۔ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ ۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور یہ (منافق) جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لائے اور جب وہ اپنے سرداروں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم تو ان (مسلمانوں) سے دل لگی کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی ان (منافقوں) سے دل لگی کرتا ہے اور ان کو ان کی گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے اور وہ (گمراہی میں) اندھے ہو رہے ہیں ۔

خَلَوْا ۔ وہ لوٹتے ہیں ، وہ جاتے ہیں ، وہ تنہا ہوتے ہیں ۔ خَلْوَةٌ سے مضارع کے معنی میں ماضی ہے ۔

شَیٰطِیْنِہِمْ ان کے شیطان ، ان کے سرکش ، ان کے ہم عقیدہ لوگ ، اس سے مراد رؤسا ، اور سردار ہیں جو اپنی سرکشی کے لحاظ سے شیطان بنے ہوئے ہیں ۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً شَیٰطِیْنَ الْاِ نْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْراً
(انعام ۱۱۳) ۔

اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے ہر نبی کے دشمن بنادئے جن میں سے بعض بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں ۔

ایک حدیث میں حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم جنوں اور انسانوں کے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۱/۵۱) ۔

مُسْتَھْزِءُوْنَ مذاق کرنے والے ، ہنسی اڑانے والے ، تمسخر کرنے والے ۔ اِسْتِھْزَاءٌ سے اسم فاعل ہے ۔

یَمُدُّھُمْ ۔ وہ ان کو ڈھیل دیتا ہے ۔ یہ مَدٌّ سے بنا ہے ۔

طُغْیَانِہِمْ ان کی سرکشی ، ان کی گمراہی ۔ طغیان کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں ۔ یہاں سرکشی اور کفر میں حد سے بڑھنا مراد ہے ۔

یَعْمَھُوْنَ وہ سرگرداں پھرتے ہیں ۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں عَمَہٌ سے مضارع ہے ۔ عَمًیٌ آنکھوں کے اندھے کو کہتے ہیں اور عَمَہٌ دل کے اندھے پن کو ۔ یہاں ایسی کیفیت مراد ہے کہ انسان کو راستہ کھائی نہ دے اور وہ

اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا پھرے ۔

ان آیتوں میں منافقوں کی دورُخی پالیسی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کو خوش کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب (یہ لوگ) اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کو بتاکید یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ ہم تو مسلمانوں کو بے وقوف بنانے اور دل لگی کرنے کے لئے ان سے ملتے ہیں اور ان کے سامنے **لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه** کہدیتے ہیں ، وہ بیوقوف اور سیدھے سادے لوگ ہیں ۔ ہماری اس بات کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنالیتے ہیں ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور تمسخر کر رہے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو ڈھیل دیکر اس خراب حالت میں چھوڑ رکھا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا کی خرابی اور آخرت میں سخت عذاب ہے (حقانی ۳۲۵/ ۱) ۔

خسارہ کی تجارت

۱۶ ۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ۔ پس نہ تو ان کی تجارت سود مند ہوئی اور نہ وہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوئے ۔

اِشْتَرَوْا ۔ اِشْتِرَاءٌ سے ماضی ۔ انہوں نے خریدلی ۔ ایک چیز کے بدلے دوسری چیز پالینا ۔ یہ لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ ایمان کا قبول کر لینا منافقوں کے اختیار میں تھا ۔ مگر انہوں نے اس کی بجائے کفر اور منافقت کا راستہ اختیار کر لیا ۔

رَبِحَتْ ۔ سود مند ہونا ۔ یہ رِبْحٌ سے بنا ہے جس کے معنی نفع کے ہیں ۔

تشریح ۔ منافقین کفر میں تو پہلے ہی مبتلا تھے ۔ پھر انہوں نے اسلام کو قریب سے دیکھا اور اس کا ذائقہ بھی چکھا ۔ اس کے باوجود انہوں نے دنیاوی اغراض کی خاطر اسلام کے بدلے کفر ہی کو ترجیح دی ۔ قرآنِ کریم نے ان کے اس عمل کو تجارت کا نام دیکر بتایا ہے کہ ان کو تجارت کا سلیقہ بھی نہیں آیا ۔ کہ بہترین اور قیمتی چیز (ایمان) دیکر خراب اور تکلیف دہ چیز (کفر) خرید لی ۔ (معارف القرآن ۱۲۶، ۱۲۶ / ۱) ۔

خالص منافق کی مثال

۱۷ ، ۱۸ ۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۚ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (تاریک رات میں) آگ جلائی ۔ پس جب اس کے آس پاس روشنی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھا دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے، گونگے ، بہرے ، اندھے ہیں ۔ وہ راہ پر نہیں آئیں گے ۔

اِسْتَوْقَدَ ۔ اس نے (آگ) جلائی ۔ اس نے سلگائی ، اِسْتِیقَادٌ سے ماضی ۔

اَضَاءَتْ ۔ اس نے روشن کر دیا ۔ یہ اِضَاءَةٌ سے نکلا ہے ۔

صُمٌّ ۔ بہرے ، بہرہ ہونا ۔ اس کا واحد اَصَمُّ ہے ۔ اگر چہ منافق ظاہری طور پر بہرے نہیں تھے مگر وہ اسلام کے بارے میں سنی ان سنی کر دیتے تھے اس لئے ان کو بہرہ کہا گیا ۔

بُكْمٌ ۔ گونگے ۔ یہ اَبْكَمُ کی جمع ہے ۔ ان لوگوں کے زبانیں تو تھیں مگر وہ حق بات معلوم کرنے اور اس کا اقرار کرنے سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کی اس حالت کو گونگا پن کہا گیا ۔

عُمْيٌ ۔ اندھے ۔ اس کا واحد اَعْمٰی ہے ۔ آنکھیں رکھنے کے باوجود یہ لوگ اللہ

تعالیٰ کی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی حق کو قبول نہیں کرتے اس لئے گویا وہ اندھے ہیں ۔

تشریح یہ مضمون گزشتہ آیت کی تائید میں ہے کہ منافقوں نے اپنے دلوں میں کفر پوشیدہ کر کے اس کلمۂ حق کو جوان کی زبان سے نکلا تھا ضائع کر دیا ۔ ان کے دلوں میں نفاق پختہ ہو چکا ہے ۔ اب وہ کسی طرح ہدایت کی طرف رجوع کرنے والے نہیں ۔ (مظہری ۲۹/ ۱) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو قسم کے منافق تھے ۔ ایک وہ جو خالص منافق تھے اور دل سے اسلام کے دشمن تھے مگر زبان سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے ۔ دوسرے وہ جو قطعی طور پر نہ تو اسلام کے حامی تھے اور نہ مخالف بلکہ یہ لوگ پس و پیش اور تردّد میں مبتلا رہتے تھے اور جدھر فائدہ دیکھتے اُدھر ہو جاتے ۔ قرآنِ کریم نے یہاں دونوں گروہوں کی حالت کو علیحدہ علیحدہ مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے ۔ ان آیات میں پہلے گروہ یعنی خالص منافق کی مثال بیان کی گئی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلام کی شمع کو روشن کر کے حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کو خوب واضح اور ممتاز کر دیا ۔ اور خلقِ خدا اسلام کی روشنی سے ہدایت و رہنمائی پانے لگی مگر منافقوں نے اس کو نظر انداز کر کے گمراہی کو اختیار کر لیا ۔ پس منافقوں کا ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص اندھیرے میں آگ جلائے جس سے اس کے اطراف کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں ، پریشانی دور ہو اور فائدہ کی کچھ امید بندھے ۔ پھر یکایک آگ بجھ جائے اور ایک دم اندھیرا چھا جائے ۔ اب نہ تو اس کی نگاہ کام کرتی ہے کہ وہ اس کی مدد سے خود دیکھ کر راستہ معلوم کر سکے اور نہ وہ بہرا ہونے کی بنا پر کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ گونگا ہونے کی وجہ سے کسی سے معلوم کر سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں اس کا راہ راست پر آنا محال ہے ۔ (ابن کثیر ۵۳/ ۱ ، حقانی ۳۲۷/ ۱) ۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ منافقوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ کئی جگہ آیا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۳ \ ۱) ۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ

لَا یَفْقَهُوْنَ ۔ (المنفقون ۔ ۳) ۔

یہ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ ایمان لائے ، پھر کافر ہو گئے ، پھر ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ۔ اب وہ سمجھتے ہی نہیں ۔

متردّد منافق کی مثال

۱۹ ، ۲۰ ۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۭ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

یا (ان کی مثال) ایسی ہے جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو اور اس میں کڑک اور بجلی ہو اور وہ کڑک سے ڈر کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے (جب بجلی کی چمک سے) ان کو روشنی معلوم ہوتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سماعت اور بینائی کھو دے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

صَیِّبٍ ۔ فَیْعِلٌ کے وزن پر صَوْبٌ سے مشتق ہے اور نزول کے معنی میں ہے ۔ بادل اور بارش دونوں کے لئے آتا ہے ۔ یہاں بارش مراد ہے (مظہری ۱/۳۰) ۔

السَّمَآءِ ۔ یہ سُمُوٌّ سے بنا ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں ۔ افق کو بھی سماء کہتے ہیں ، بادل اور آسمان کو بھی ۔ یہاں بادل مراد ہے کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوتی ہے (حقانی ۱/۳۳۰) ۔

رَعۡدٌ ۔ اس آواز کو کہتے ہیں جو ابر (بادل) سے سنائی دیتی ہے (مظہری ۱\۳۰) ۔

بَرۡقٌ اس چمک ، روشنی اور آگ کو کہتے ہیں جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے ۔ رَعۡدٌ اور بَرۡقٌ دونوں مصدر ہیں (حقانی ۱\۳۳۰ ، مظہری ۱\۳۰) ۔

یَجۡعَلُوۡنَ ۔ وہ بناتے ہیں ۔ وہ ڈالتے ہیں ۔ یہ جَعۡلٌ سے بنا ہے ۔

اَصَابِعَھُمۡ ۔ ان کی انگلیاں ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد اِصۡبَعٌ ہے ۔

اٰذَانِھِمۡ ۔ ان کے کان ۔ یہ بھی جمع کا صیغہ ہے ۔ اس کا واحد اُذُنٌ ہے ۔

الصَّوَاعِقِ یہ صَاعِقَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی کڑک کے ہیں ۔ صَعِقَ ایسی شدید آواز کو کہتے ہیں جس کو سننے والا بیہوش ہو جائے یا مر جائے ۔ ہر مہلک عذاب کو بھی صاعقہ کہتے ہیں ۔ (مظہری ۱/۳۱) ۔

حَذَرَ ۔ ڈر ۔ خوف ، مصدر ہے ۔

مُحِیۡطٌ ۔ احاطہ کرنے والا ، گھیرنے والا ۔ اِحَاطَۃٌ سے اسم فاعل ۔

یَخۡطَفُ ۔ وہ اچک لے گا ۔ وہ سلب کر لے گا ، خَطۡفٌ سے مضارع ۔

شان نزول ۔ ابن جریر نے مرہ سے حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرام کے حوالہ سے روایت کی کہ مدینہ کے دو منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ کر مشرکین مکہ کی طرف چلدئے ۔ راستہ میں ان کو اس بارش نے آلیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے ۔ اس میں شدید گرج اور کڑک اور بجلی تھی ۔ اندھیرا گھپ ہو گیا اور وہ دونوں منافق حیران و پریشان کھڑے رہ گئے ۔ جب گرجنے کی ہولناک آواز ان کے کانوں میں آتی تو اس وقت اس ڈر سے کہ کہیں یہ کانوں میں داخل ہو کر ہلاک نہ کر دے یہ لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ۔ جب بجلی کوندتی تو جلدی سے اس کی روشنی میں چند قدم چل لیتے اور پھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ۔ آخر حیران و پریشان کہنے لگے کہ کاش جلدی سے صبح ہو اور بادل کھلے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں یعنی بیعت کر لیں ۔ پھر جب صبح

ہوئی تو وہ دونوں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لے آئے اور پھر وہ اچھے مسلمان ہوئے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین ۸ ،۹ ، مظہری ۳۳ / ۱) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے واقعہ کو مدینہ کے منافقوں کے لئے ضرب المثل بنا دیا ۔ جس طرح وہ دونوں بادل گرجنے کی آواز سن کر موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اسی طرح جب منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کانوں میں انگلیاں دئے رہتے کہ کہیں کوئی ایسی آیت نہ سن لیں جو ان کے بارے میں نازل ہوئی ہو یا کوئی ایسی بات نہ سن لیں جو ان کے قتل کا سبب بن جائے۔ جس طرح یہ دونوں منافق بجلی کی چمک میں چند قدم چل لیتے اسی طرح جب مدینے کے منافقوں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہوتی اور جنگ میں فتح اور مال غنیمت حاصل ہوتا تو وہ یہ کہتے ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بلا شبہ سچ اور صحیح ہے ، اس پر قائم رہتے اور جب ان کے اموال اور اولاد ہلاک ہو جاتے اور ان پر کوئی مصیبت آتی تو وہ یہ کہتے ہوئے کہ یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وجہ سے ہے ، کفر کی طرف لوٹ جاتے ۔ جیسا کہ وہ دونوں منافق بجلی کی چمک ختم ہونے کے بعد حیران و پریشان کھڑے رہ جاتے ۔ اور قرآنی تعلیمات سے آنکھیں بند کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو اندھا اور بہرہ کرسکتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے (جلالین ۸ ، ۱۰ ، مظہری ۳۳ / ۱ ، حقانی / ۱) ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ (الحج آیت ۱۱) ۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔ اگر کوئی بھلائی اور نعمت مل گئی تو مطمئن ہو گئے اور اگر برائی اور مصیبت پہنچی تو اسی وقت پھر گئے ۔ ایسے آدمی نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیں ۔

قیامت کے روز کئی قسم کے لوگ ہوں گے ۔ خالص مومن جن کا ذکر پہلی چار آیتوں میں ہوا ۔ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی ہے ۔ دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں ۔ ان کا ایمان کبھی تو چمک اٹھتا ہے اور کبھی بجھ جاتا ہے ۔ ان کی مثال بارش سے دی گئی ہے اور یہ پہلی قسم کے منافقوں سے نفاق میں کچھ کم ہیں ۔ قیامت کے روز بھی منافقوں کا حال ایسا ہی ہوگا جب کہ لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا ۔ بعض کو کئی کئی میل تک کا ، بعض کو اس سے بھی زیادہ اور بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہوا اور کبھی بجھ گیا ۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا دور چلیں گے پھر ٹھہر جائیں گے ۔ پھر ذرا دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بد نصیب ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا ۔ یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۔ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ ۔ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۔ الحديد ١٣

اس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہمیں بھی آلینے دو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کرلیں ۔ ان سے کہا جائیگا کہ تم اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ پس کوئی اور نور تلاش کر لو ۔

مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

يَوْمَ تَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔ الحديد ١٢ ۔

اس دن (قیامت کے دن) تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا چلا آتا

ہو گا ۔ (ان سے کہا جائے گا) تمہارے لئے آج کے دن ایسے باغوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ج نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ التحريم ٨ ۔

اس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا ۔ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرمادے اور ہمیں بخشدے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے ۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہو گا ، بعض کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہو گا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہو گا ۔ کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا ۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں ۔ ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو ۔ دوسرے وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو (اس میں حق بات جا ہی نہیں سکتی) ۔ تیسرے وہ دل جو اُلٹے ہیں۔چوتھے وہ دل جو دوڑخا ہو (اس میں ایمان اور نفاق دونوں ہوں) پہلا دل تو مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔دوسرا دل کافر کا ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ تیسرا دل خالص منافق کا ہے جو جانتا ہے اور پھر انکار کرتا ہے۔چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں ۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھ رہا ہو ۔ اب جو مادہ بڑھ جاتا ہے وہ دوسرے پر غالب آجاتا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۵ ، ۵٦ / ۱) ۔

تعلیمِ توحید

۲۱ ۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ط

اے لوگو ! اپنے رب (ہر وقت پرورش کرنے والے) کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے ۔ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ ۔

النَّاسُ ۔ یہ مطلق انسان کے معنی میں آتا ہے اس لئے یہ خطاب مذکورہ بالا تینوں گروہوں (مومنوں ، کافروں ، منافقوں) کو ہے ۔

اُعْبُدُوْا ۔ تم عبادت کرو ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو عاجزی اور ادب کے ساتھ مانو ۔ یہ عِبَادَةٌ سے امر ہے ۔

خَلَقَكُمْ ۔ اس نے تمہیں پیدا کیا ، جس چیز کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو اس کو عدم سے وجود میں لانے کو خلق کہتے ہیں ۔ یہ ربکم کی صفت ہے اور تعظیم بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے ۔

لَعَلَّكُمْ ۔ تاکہ تم ۔ یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کام کا نتیجہ پیدا ہونیکی قوی امید ہو ۔

تشریح یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میری عبادت کرو بلکہ یہ حکم دیا کہ اپنے رب کی عبادت کرو ۔ لفظ رب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ وہ ہر وقت اپنے بندوں کی پرورش کرتا ہے اس لئے اس کے اس عظیم انعام و احسان کے شکریہ میں اس کی عبادت کرو ۔ عبادت کا حکم مومن و کافر سب کے لئے ہے البتہ کافر کے لئے عبادت کا حکم ایمان لانے کے بعد ہے کیونکہ ایمان عبادت کے لئے شرط ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ قرآنِ کریم میں عبادت سے مراد توحید ہے ۔ کفار کو یہ حکم ہے کہ تم توحید کو اختیار کرو اور مومنوں کو یہ حکم ہے کہ تم توحید پر

قائم رہو (مظہری ۳۵ / ۱) ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد یعنی تمام بنی نوع انسان کا خالق و مالک وہی ہے جو ہر وقت تمہاری پرورش کرتا ہے اور تم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو تاکہ تمہارے اندر پرہیز گاری آ جائے ۔ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو پوجتے ہو ان میں سے کسی نے بھی نہ تو تمہیں پیدا کیا ہے اور نہ تمہارے باپ دادا کو اور نہ ہی ان باطل معبودوں نے تم میں سے کسی کی پرورش کی ہے ۔ جس طرح تم محتاج ہو اسی طرح یہ بھی محتاج ہیں لہذا ان کو کسی امر کا مالک سمجھ کر ان کی عبادت کرنا باطل خیال ہے ۔ (حقانی ۲۳۴ / ۱ ، معارف القرآن ۱۳۴ / ۱) ۔

۲۲ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

(تمہارا رب وہ ہے) جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس بارش سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے ۔ پس تم (اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے بعد) کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ حالانکہ (یہ بات) تم جانتے ہو (کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت خدا نہیں ہو سکتے

فِرَاشًا ۔ فرش ، وہ چیز جو بچھا دی گئی ہے یعنی ایسی ٹھوس اور ہموار چیز جس پر قدم رکھ کر چلا پھرا جا سکے ۔

بِنَآءً ۔ چھت ، خیمہ ۔

اَنْدَادًا ۔ شریک ، مقابل ، یہ نِدٌّ کی جمع ہے نِدٌّ اس کو کہتے ہیں جو برابر کا مخالف ہو ۔ مشرکین ذات میں تو کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے تھے مگر عبادت و استعانت ، نظر و نیاز اور ادب و تعظیم بتوں کی بھی اسی

اسی طرح کرتے تھے جس طرح خدا کی (حقانی ۳۳۴/ ۱) ۔
تشریح ۔ چونکہ عبادت بندے اور خالق میں ایک عجیب رابطہ اور نسبت ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ یہ فعل خدا کے سوا کسی اور کے ساتھ نہ کیا جائے۔لہٰذا حقیقی معبود وہ ہے جس نے تمہیں اور ان سب کو پیدا کیا ۔ جو تم سے پہلے ہوئے ہیں اور اس نے تمہارے آرام کیلئے زمین کو فرش بنایا ۔ یعنی نہ تو اس کو گارے اور ہوا کی طرح نرم بنایا اور نہ ایسا سخت اور گول بنایا کہ انسان اس کے اوپر سے لڑھک جائے بلکہ اس کو ایسا آرام دہ بنایا کہ اس پر تمام لوگ اطمینان اور سکون سے رہتے ہیں ، سوتے ہیں ، بیٹھتے ہیں ، اور چلتے پھرتے ہیں ۔ اسی نے تمہارے اوپر آسمان کو خیمے کی طرح بنایا۔ گویا زمین کو فرش اور آسمان کو اس کی چھت بنا دیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفاً مَّحْفُوْظاً ۔(انبیاء ۳۲) ۔

اور ہم نے آسمان کو (ہر بلا سے محفوظ) چھت بنا دیا۔

پھر اسی نے تمہاری روز مرہ کی دعوت و ضیافت کا بھی عجیب سامان کیا کہ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگ برنگ کے پھل اور پھول پیدا کئے ۔ جن کو کھا کر تم آرام و راحت پاتے ہو لہٰذا جس ذات میں یہ تین وصف نہیں کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنا، آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس پر ، پر تکلف مکان رکھنا ، اور قِسم قِسم کے کھانے کھلانا ، وہ رب نہیں اور جو رب نہیں وہ عبادت کے لائق نہیں ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَاراً وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ط ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ج فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ المومن ٦٤ ۔

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا ۔ اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں ۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی ۔ یہی اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی برکتوں والا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے ۔

پس سب کا خالق ، سب کا رازق ، سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے وہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق اور شرک سے مُبرّا ہے ۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا گناہ کونسا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا ۔ حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے ؟ پھر فرمایا کہ (اس کا حق یہ ہے کہ) تم اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو ۔ (ابن کثیر ۵۷/ ۱) ۔

اثباتِ رسالت

۲۳ ، ۲۴ ۔ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۔ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۔

اگر تمہیں اس (قرآن) کے (من جانب اللہ ہونے کے) بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور (اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی (اپنی مدد کے لئے) بلا لو اگر تم (اپنے شک میں) سچے ہو ۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقین جانو کہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

شُهَدَآءَ ۔ حاضر ، گواہ ، مدد گار ، یہ شَاہِدٌ کی جمع ہے ۔ گواہ کو بھی شاہد اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے ۔ یہاں شہداء سے مراد یا تو عام لوگ ہیں یا کافروں کے بت مراد ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ قیامت کے روز وہ ان کے لئے گواہی دیں گے ۔

وَقُوْدُھَا اس کا ایندھن ۔ آگ جلانے کا ایندھن ۔ یہ اسم ہے ۔

الْحِجَارَۃُ۔ پتھر کو کہتے ہیں ۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبو دار پتھر ہیں جنکی آگ بہت تیز ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ (ابن کثیر ۶۱/۱) ۔

اُعِدَّتْ ۔ وہ تیار کی گئی ہے ۔ یعنی وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ اِعْدَادٌ سے ماضی مجہول ہے ۔

ربط آیات ۔ گزشتہ آیات میں عبادت اور معرفتِ خداوندی کے طریقے بتائے گئے اور محکم دلائل سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا گیا ۔ ان آیات میں نبوت کے دلائل کا بیان ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی معرفت حاصل ہو ۔ اسی لئے آپؐ کے سب سے اعلیٰ اور افضل معجزے کو بیان کیا تاکہ آپؐ کی نبوت و رسالت میں منکرین کو کوئی شبہ باقی نہ رہے ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم وقتاً فوقتاً ضرورت اور واقعات کے لحاظ سے نازل ہوتا رہا ۔ یہی مشرکین کے شک و شبہ کا سبب تھا ۔ ان کا گمان تھا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو یہ ایک دم پورے کا پورا نازل کیوں نہیں کیا گیا ۔ تدریج تو انسانوں کے کلام میں ہوتی ہے۔جیسے شاعر اور خطیب موقع اور ضرورت کے لحاظ سے شعر کہتے اور اپنے خطبے لکھتے ہیں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے انسانوں کو مخاطب کر کے چیلنج دیا ہے کہ اگر تم اس کلام کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی تو انسان ہو ، تم بھی اہل زبان ہو ، اور تم تو ہر مجلس اور میلے میں جہاں اہل سخن جمع ہوتے ہیں اپنے اشعار و کلام کو سناتے اور زبان دانی میں اپنی مہارت دکھاتے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قسم کے مجمع میں کبھی تشریف نہیں لے گئے ۔ لہٰذا ایسا کلام پیش کرنے میں تمہیں بھی قدرت ہونی چاہئے ۔ تم سب مل کر پورا قرآن نہیں تو کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اس کام میں اپنی مدد و اعانت کے لئے ، سارے جہان سے اپنے حمایتی اور مدد گار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو ۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہر گز نہیں بنا سکو گے تو یقین کر لو کہ یہ اس

ذاتِ واحد اور قادرِ مطلق کا کلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ ایسی صورت میں قادرِ مطلق کا مقابلہ کرنا اور اس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے اور جہنم کی آگ یہاں کی آگ سے سخت اور تیز ہے اور اس کا ایندھن پتھر اور آدمی ہیں اور یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ لہٰذا اب تم اس آگ سے بچنے کی تدبیر کرو اور اس کلام پر سچے دل سے ایمان لے آؤ ۔ (حقانی ۳۴۱ ۔ ۳۴۳ / ۱ ، معارف القرآن ۱۴۱ / ۱) ۔

مخالفین کی بے بسی ۔ قرآنِ کریم نے اس چیلنج کا بارہا اعادہ کیا اور ساتھ ہی پیشنگوئی بھی کی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۸۸) ۔

آپ کہدیجئے کہ اگر تمام جنّات اور انسان جمع ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد کر کے یہ چاہیں کہ وہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی (ایسا کرنا) ان کے لئے ممکن نہیں ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (**ھود ۱۳**) ۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو (خود اس پیغمبر نے) گھڑ لیا ہے۔آپ کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں تم (اپنی مدد کے لئے) بلاسکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (یونس ۳۸) ۔

کیا یہ لوگ اس (قرآن) کو خود ساختہ بتاتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شخص کو اپنی مدد کے لئے بلا کر اس جیسی صرف ایک سورت ہی بنا لاؤ تاکہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی، جنہیں اپنی زبان دانی اور اپنی فصاحت پر ناز تھا اور جو غیر عرب قوموں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے وہ در حقیقت اس چیلنج کے جواب سے عاجز و بے بس تھے۔ لہذا وہ نہ تو پورا قرآن بنا سکے، نہ دس سورتیں بلکہ وہ تو اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی نہ بنا سکے اور قرآنِ کریم کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ سب لوگ جمع ہو کر بھی اس جیسا قرآن نہیں بنا سکتے۔ قرآنِ کریم کا یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے۔ آج تک نہ تو کوئی اس کے جواب میں کچھ پیش کرنے کی جرأت کر سکا اور نہ قیامت تک کسی سے ایسا ہو سکے گا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔ اس میں شاعروں کے کلام کی طرح لایعنی اور فضول باتیں نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت کا مظہر ہے۔ کلام کی ترتیب، الفاظ کی بندش، عبارت کی روانی، معانی کی نورانیت، مضمون کی پاکیزگی اور واقعات میں تسلسل بے مثل ہے۔ اس کا کسی مضمون کو دہرانا قندِ مکرّر کا مزہ دیتا ہے۔ اس کو بار بار پڑھنے سے دل نہیں اکتاتا بلکہ ہر دفعہ نیا مزہ اور نئے مضامین سامنے آتے ہیں۔ یہ صرف کلامِ الٰہی کا ہی خاصہ ہے، کسی انسان کے کلام میں یہ بات کہاں (ابن کثیر ۵۹، ۱/۶۰)۔

جنت کی نعمتیں

۲۵۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

جو لوگ (توفیق الٰہی سے) ایمان لے آئے اور (انہوں نے) نیک کام کئے تو ان کے لئے ایسی جنتوں (باغوں) کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب (وہاں) ان کو اس (جنت) کا کوئی پھل کھانے کو دیا جائیگا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے

پہلے دیا گیا تھا اور (واقعی) ان کو ملتے جلتے (پھل) دیئے جائیں گے
اور اس (جنت) میں ان کے لئے پاک بیویاں ہونگی اور وہ وہاں
(جنت میں) ہمیشہ رہیں گے ۔

عملِ صالح ۔ اس عمل کو کہتے ہیں جس کو شرع نے اچھا کہا ہو ۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ عملِ صالح اس عمل کو کہتے ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ریا سے بالکل پاک ہو ۔ علامہ بغویؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا کہ عملِ صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں جمع ہوں ۔
۱ ۔ علم (۲) نیت (۳) صبر (۴) اخلاص ۔

جَنّٰتٍ ۔ لغت میں اس باغ کو جنت کہتے ہیں جس میں بکثرت سایہ دار درخت ہوں مگر شریعت کی اصطلاح میں جنت ایک خاص مقام کا نام ہے جو آخرت میں نیک اور پرہیز گار لوگوں کو ہمیشہ کے لئے عنایت ہوگا ۔

مُطَهَّرَةٌ ۔ پاک کی ہوئی ۔ تَطْهِیْرٌ سے اسم مفعول ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ بیویاں ہر لحاظ سے پاک و صاف ہوں گی اور جسم و روح کی ہر قسم کی گندگی سے دور ہوں گی ۔

خٰلِدُوْنَ۔ہمیشہ رہنے والے ۔ خُلُوْدٌ سے اسم فاعل ۔ خُلُود کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جنت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے ۔

تشریح گزشتہ آیات میں قرآنِ مجید کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کافروں اور منکروں کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وہ قرآنِ مجید کو نعوذ باللہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہیں تو وہ بھی اس جیسا کلام بنا کر دکھائیں جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جو قرآن مجید میں ہیں ۔ مگر آج تک کوئی بھی اس کا جواب پیش نہ کرسکا ۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی فرما دیا ہے کہ یہ لوگ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے ۔ پھر ان کو اس انکار و تکذیب کی سزا بھی بتا دی گئی کہ ان کو ایسی دوزخ میں پھینکا جائے گا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ۔

قرآنِ کریم میں عام طور پر ترہیب کے بعد ترغیب اور ترغیب کے بعد ترہیب ، ایمان کے ساتھ کفر ، کفر کے ساتھ ایمان ، نیکوں کے ساتھ بدوں اور بدوں کے ساتھ

نیکیوں کا ذکر ضرور آتا ہے ۔ غرض جس چیز کا بھی ذکر ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے مقابل چیز کا ذکر بھی آتا ہے چنانچہ گزشتہ آیات میں کافروں اور دشمنان اسلام کی سزا ، عذاب اور رسوائی کا بیان تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک و صالح لوگوں کی جزا ، ثواب اور سرخ روئی کا بیان ہے ۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جنت کے پھل ظاہری شکل و صورت میں ایک جیسے ہوں گے مگر سب کا مزہ جدا جدا ہو گا ۔ اس لئے اہل جنت دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دئے گئے تھے ، مفسرین کے دوسرے گروہ کی رائے میں پھلوں کے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھل شکل و صورت میں دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے ۔ اہل جنت ان کو دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں دنیا میں ملا کرتے تھے مگر ذائقہ اور لذت میں ان کو دنیا کے پھلوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ اہل جنت کا یہ کہنا کہ یہ تو وہی ہیں جو ہمیں پہلے بھی دئے گئے تھے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت کو جنت میں پھل دئے جائیں گے تو وہ ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہمیں دنیا میں بھی دئے گئے تھے ۔ قتادہ اور ابن جریر بھی اسی کی تائید کرتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۶۲ / ۱) ۔

نیک لوگوں کو جنت میں ایسی پاکیزہ عورتیں ملیں گی جن میں صورت و سیرت کسی قسم کی گندگی نہ ہوگی ۔ بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جنت کی کوئی عورت زمین پر جھانک بھی لے تو آسمان سے زمین تک اس کی چمک اور خوشبو پھیل جائے اور وہاں کی حور کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے ۔ (مظہری ۴۰ / ۱) ۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے مکانات ، بیویاں ، نوکر ، چاکر ، اور تخت اس کثرت سے ہوں گے کہ وہ انہیں ہزار برس کی راہ سے دیکھے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ نعمت یافتہ وہ شخص ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا کرے گا ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔ (مظہری ۴۱ / ۱) ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (القیامہ ۲۲،۲۳)۔

اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ۔

جنت کی ان تمام نعمتوں کے ساتھ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہاں کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح کبھی فنا اور زائل نہ ہوں گی ۔ اور نہ نعمتوں والے فنا ہوں گے ۔ نہ ان لوگوں کو بڑھاپے ، موت ، اور افلاس کا غم ہوگا بلکہ وہ ان نعمتوں اور راحت و آرام میں ہمیشہ رہیں گے ۔

کافروں کے اوصاف

۲۶ ، ۲۷ - اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اس میں شرم محسوس نہیں کرتا کہ وہ کوئی مثال مچھر یا اس چیز کی جو اس سے بھی بڑھ کر ہو (مچھر سے بھی زیادہ حقیر مخلوق کی) بیان کرے ۔ پس جو مومن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (مثال ان کے پروردگار کی طرف سے صحیح (حق) ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا منشا ہے ۔ وہ (اللہ) ایک ہی مثال سے بہت سے (بے سمجھ اور ہٹ دھرم) لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے (حق شناس) لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور (اللہ تعالیٰ) اس (مثال) کے ذریعہ صرف فاسقوں (بد کاروں) کو گمراہ کرتا ہے جو (بد کار) خدا کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد (کسی حقیر فائدے کے لئے) توڑتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور زمین (ملک) میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ

خسارے میں ہیں ۔

بَعُوْضَۃً ۔ مچھر ۔

فَوْقَھَا ۔ اس سے بڑھ کر ۔ فوق کے لفظی معنی اوپر کے ہیں ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مچھر سے بھی زیادہ ادنیٰ اور حقیر چیز ۔

یَسْتَحْیِ ۔ وہ شرماتا ہے ۔ وہ جھجکتا ہے ۔ اِسْتِحْیَاءٌ سے مضارع ۔ جو حَیَاءٌ سے مشتق ہے۔ انسانی نفس کا بد نامی اور برائی کے خوف سے متغیر و مکدر ہو جانا ۔ حیا انسان کی وہ درمیانی حالت ہے جس کے نیچے خجالت (شرمندگی) ہے جو نفس کو کسی کام سے بالکل باز رکھتی ہے اور اس کے اوپر وقاحت ہے یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نفس و انقباض سے پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے حیا کا اطلاق حقیقی طور پر نہیں بلکہ معنوی طور پر ہے یعنی حیا کے لئے لازم ہے کہ جس کام سے حیا کرے اس کو ترک کر دے (حقانی ۳۶۲/ ۱) ۔

فَاسِقِیْنَ ۔ بد کار ، یہ فَاسِقٌ کی جمع ہے ۔ فِسْقٌ کے لفظی معنی باہر نکل جانے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گناہ کر کے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانا کفرو انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی ۔ اس لئے یہ لفظ مومن گنہگاروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور کافروں کے لئے بھی ۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ زیادہ تر کافروں کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ یہاں کافر مراد ہیں ۔

یُنْقِضُوْنَ ۔ وہ عہد توڑتے ہیں ۔ نَقْضٌ سے مضارع ۔ اس کے اصل معنی رَسّی وغیرہ کے بل کھولنے کے ہیں پھر اس کا استعمال عہد توڑنے میں ہونے لگا ۔ کیونکہ عہد کو بھی رسّی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جس طرح رسّی سے دو چیزوں میں تعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح عہد کرنے والوں میں ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے ۔ (مظہری ۴۳/ ۱) ۔

عَھْدَ ۔ عہد ، قول ۔ پیمان ، عہد اس معاملہ کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے پاتا ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے عہد سے

مراد یا تو وہ عہد ہے جو توریت میں اہل کتاب سے لیا گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی جو تعریف توریت میں مذکور ہے اسے ظاہر کریں ۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہہ کر لیا تھا کہ میرے سوا کسی کو خدا نہ جاننا ۔ (مظہری ۴۳/ ۱) ۔

مِیْثَاقٌ ۔ ایسے معاہدہ کو کہتے ہیں جو قسم کے ساتھ مضبوط کیا جائے (معارف القرآن ۱/۱۶۸) ۔

شانِ نزول ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں لوگوں کو سمجھانے کی غرض سے حقیر جانداروں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک جگہ فرمایا کہ کافروں نے اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے جن بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز و کمزور ہیں کہ وہ سب مل کر ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر وہ مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے ۔ عابد اور معبود دونوں بے حد کمزور ہیں (الحج ۷۳) ۔

دوسری جگہ فرمایا کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے ۔ کافر ان مثالوں کو سنکر طعنہ دینے لگے کہ مسلمانوں کا خدا کیسا ہے کہ اس کو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے اور ایسے بے حقیقت جانوروں کا ذکر کرنے میں ذرا بھی عار نہیں آتی ۔ اس وقت یہ آیت اتری اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ حق کے بیان سے نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ۔

ابن عباسؓ ، ابن مسعودؓ ، اور دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ جب گزشتہ آیات میں منافقوں کی مثالیں (آگ روشن کرنے ، زور کی بارش ہونے) بیان ہوئیں تو وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں ہرگز بیان نہیں کرتا ۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں ۔ ابن جریر نے بھی سدی سے بسند معتبر اسی قسم کی روایت بیان کی (ابن کثیر ۶۴/ ۱ ، جلالین ۱۰ - ۱۳ ، مظہری ۴۱/ ۱) ۔

بیوقوف کافر اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام چھوٹی بڑی مخلوق برابر ہے ، سب کو اسی نے پیدا کیا ہے ۔ ان مثالوں کے بیان کرنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں جنکو اللہ تعالیٰ کے سمجھدار بندے ہی سمجھتے ہیں ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم میں مکھی ، مچھر اور مکڑی جیسے حقیر جانداروں کا جو ذکر آیا ہے

اس سے منکرینِ قرآن شبہ میں مبتلا ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر اور چھوٹی مخلوق کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ بڑے لوگ ایسی چیزوں کے ذکر سے شرم و حیا محسوس کرتے ہیں ۔ اس آیت میں منکرین کے اسی شبہ کا جواب ہے کہ عقل و بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ حقیر و ذلیل چیزوں کی حقارت و ذلت ظاہر کرنے کے لئے ویسی ہی حقیر و ذلیل چیزوں سے مثال دی جائے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کے ذکر سے نہیں شرماتا ۔ ایسے شکوک و شبہات صرف انہی لوگوں کو پیدا ہوتے ہیں جن کی سمجھ بوجھ کفر کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے ۔ اہل ایمان ایسے شبہات میں مبتلا نہیں ہوتے ۔

جو لوگ ان مثالوں کو سن کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لئے یہ مثالیں مزید ہدایت و رہنمائی کا سامان پیدا کرتی ہیں ۔ جو لوگ سرکش اور گمراہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد اور ان تعلقات (بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق ، عام مسلمانوں اور عام انسانوں کے ساتھ تعلق ، والدین کے ساتھ تعلق ، عزیزوں اور پڑوسیوں کے ساتھ تعلق) کو توڑتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے تو ایسے لوگوں کے لئے یہ مثالیں مزید گمراہی و سرکشی کا سبب بنتی ہیں ۔ اپنے تعلقات کے پورے حقوق ادا کرنے کا نام اسلام یا شریعتِ اسلام ہے اور انہی میں کوتاہی سے زمین میں فساد برپا ہوتا ہے ۔ آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ عقل و فطرتِ سلیمہ کا سرمایہ لیکر دنیا میں آخرت کی تجارت کرنے آئے تھے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا اور ہدایت کے بدلے میں گمراہی حاصل کر کے اپنی تجارت کو حقیقی خسارے اور نقصان سے دو چار کیا ۔ (معارف القرآن ۱۶۷/ ۱) ۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات

۲۸ - كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

(اے کافرو) تم کس طرح اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو ؟ حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی ، پھر وہ تمہیں موت دے گا ، پھر (قیامت کے دن) وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

اَمْوَاتٌ ۔ میت کی جمع ہے ۔ مُردہ اور بے جان چیز کو کہتے ہیں ۔

تُرْجَعُوْنَ ۔ تم لوٹائے جاؤ گے ، رَجْعٌ سے مضارع مجہول ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اسے دوبارہ زندگی ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام و احسان کا ذکر فرمایا ہے جو ہر انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے ۔ باقی تمام احسانات و انعامات کا مدار اسی احسان یعنی زندگی پر ہے ۔ اگر زندگی نہ ہو تو انسان کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا ۔ موت کو نعمتوں کی فہرست میں اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ انسان کو دنیاوی زندگی سے دائمی زندگی تک موت ہی لیجائے گی جس کے بعد کوئی موت نہیں' لہذا یہ موت بھی ایک نعمت ہے ۔ اس کے بعد مزید نعمتوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے تائب ہوں اور راہِ ہدایت اختیار کریں ۔

زندگی اور موت سب اسی قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے جس نے اس دنیا میں رہنے کے لئے ہر انسان کو ایک مقررہ عمر عطا فرمائی ہے جس کے بعد انسان کو موت آئے گی ۔ جب کسی کی زندگی کا آخری وقت آتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی حیات میں ایک لمحہ کا بھی اضافہ نہیں کر سکتی ۔ پھر موت کے ایک عرصہ کے بعد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا ۔ اس وقت حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے سب کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیا جائے گا ۔ پس انسان دنیاوی زندگی سے پہلے بھی بے جان تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی عطا فرمائی اور وہ اپنی مقررہ عمر تک دنیا میں رہا ۔ پھر جب اس کی دنیا کی زندگی پوری ہو گئی تو اس کو موت دیدی ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو پھر زندہ کرے گا ۔

۲۹ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔

وہ (پاک ذات) وہی ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے وہ سب کا سب جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا ۔ پھر وہ آسمان کی طرف

متوجہ ہوا ۔ پس ان کو ٹھیک (اور درست کر کے) سات آسمان بنا دیا اور (خوب سمجھ لو کہ) وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔

اِسْتَوٰی ۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی ۔ اس کے لفظی معنی سیدھا ہونے کے ہیں ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا ایسا قصد فرمایا جس میں کوئی حائل و مانع نہ ہو سکے یہاں تک کہ سات آسمانوں کی تخلیق مکمل فرما دی ۔

فَسَوّٰھُنَّ پس اس نے ان کو ٹھیک کر دیا ۔ یہ تَسْوِیَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز کے مختلف حصوں اور جوڑوں کو ان کی جگہ پر ٹھیک ٹھیک بٹھا دینا اور درست کردینا ہے ۔ یہاں اس سے ساتوں آسمانوں کو بنانا مراد ہے ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری نعمت کو یاد دلایا ہے کہ تم اس خدا سے کیسے رو گردانی کر سکتے ہو جس نے تمہیں معدوم سے موجود کیا اور پھر موجود کر کے یو نہی پریشان اور بے سرو سامان نہیں چھوڑا بلکہ زمین کی ہر ایک چیز کو تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کسی نہ کسی شکل میں بالواسطہ یا بلا واسطہ فائدہ نہ اٹھاتا ہو ۔ بہت سی چیزوں کا فائدہ تو انسان محسوس کرتا ہے جیسے اس کی غذا ، لباس ، اور مکان وغیرہ ، یہ سب زمین ہی کی پیداوار ہیں ۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کو فائدہ تو پہنچتا ہے مگر اس کو ان کی خبر نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض زہریلی اشیاء اور زہریلے جانور وغیرہ بھی انسان کے لئے کسی نہ کسی حیثیت میں نفع بخش ہوتے ہیں ۔

خلافتِ آدم

۳۰ ۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں

انہوں (فرشتوں) نے کہا، کیا تو اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق عطا فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے ۔

خَلِیْفَۃٌ ۔ یہ خَلْفٌ سے مشتق ہے اور فَعِیْلَۃٌ کے وزن پر ہے ۔ اس میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے ۔ اس کی جمع خُلَفَاءُ آتی ہے ۔ اس کے معنی نائب اور قائم مقام کے ہیں جو پیچھے کام کرے ۔ یہاں مراد آدم علیہ السلام ہیں ۔

یَسْفِکُ ۔ وہ خون بہائے گا ۔ سَفْکٌ سے مضارع ۔ یہ آنسو اور خون دونوں کے بہانے میں استعمال ہوتا ہے ۔

نُسَبِّحُ ۔ ہم تسبیح پڑھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کو تمام عیوب اور ہر برائی سے پاک سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی صفات بیان کرنا ۔

دِمَآءَ ۔ خون ۔ یہ دَمٌ کی جمع ہے ۔

نُقَدِّسُ ۔ ہم پاکی بیان کرتے ہیں ۔ ہم تسبیح کرتے ہیں ۔ تَقْدِیْسٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت بیان فرمائی ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا اور انہیں تمام فرشتوں پر فضیلت دینا ایک ایسی نعمت ہے جو تمام اولادِ آدم کو شامل ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت تھی ۔ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اسے کسی چیز کی حاجت نہیں بلکہ خلیفہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جن لوگوں کے لئے خلیفہ بنائے گئے وہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ مستفیض نہیں ہو سکتے تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بلا واسطہ اخذ کر سکتے تھے ۔ حضرت آدم کے بعد ہر نبی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوا ۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ جانتے تھے کہ بعض انسان نیک اور فرماں بردار ہوں گے اور بعض نا فرمان ۔ نیز ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ بزرگ کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا ۔ اگر کوئی مخلوق پیدا ہو گی بھی تو وہ علم میں بہر حال ان سے کم ہوگی کیونکہ وہ پہلے پیدا کئے گئے ہیں اور ایسے عجائبات دیکھ چکے ہیں جو نئی پیدا

ہو نیوالی مخلوق نے نہیں دیکھے ہوں گے ۔ اس لئے انہیں یہ خیال ہوا کہ وہ انسان سے افضل و بزرگ ہیں کیونکہ وہ سب کے سب معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنانے کا ذکر فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار کیا تو زمین میں ان کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کریں گے حالانکہ ہم معصوم ہیں ۔ ہم تیری تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تونے ہمیں تسبیح کی توفیق عطا فرمائی ۔ اس لئے ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں ۔ فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خلافتِ الٰہیہ کی حقیقت اور اس کے لوازم سے تم واقف نہیں ہو۔اس کی پوری حقیقت کو میں ہی جانتا ہوں ۔

فرشتوں کا امتحان

۳۱۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا دئے ۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ ۔

اَسْمَآءِ ۔ نام ۔ یہ اسم کی جمع ہے ۔ یہاں ان تمام چیزوں کے نام ، خاصیتیں اور کیفیتیں مراد ہیں جن کی حضرت آدم اور ان کی اولاد کو ضرورت پیش آنی تھی ۔

عَرَضَهُمْ ۔ اس نے ان کو سامنے کیا ۔ اس نے ان کو پیش کیا ۔ عَرْضٌ سے ماضی ۔

اَنْۢبِـُٔوْنِىْ ۔ تم مجھے خبر دو ۔ تم مجھے بتاؤ ۔ اِنْبَآءٌ سے امر ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے نام اور ان کے خواص جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم علیہ السلام ہی میں ودیعت کی گئی تھی وہ سب حضرت آدم کو سکھائے قرآنِ کریم میں کہیں اشارتاً بھی یہ نہیں ہے کہ یہ تعلیم حضرت آدم کو تنہائی میں فرشتوں سے علیحدہ دی گئی ۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ تعلیم تو سب کے لئے عام ہو مگر اس سے فائدہ اٹھانا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی طبعیت میں تھا اس لئے وہ سیکھ گئے مگر

فرشتوں کی فطرت میں یہ بات نہ تھی اس لئے وہ سیکھ نہ سکے ۔ اسی لئے یہاں تعلیم کو حضرت آدم سے منسوب کیا گیا ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل میں نہ آئی ہو بلکہ ان چیزوں کا علم حضرت آدم کی فطرت میں ابتداء سے ہی ودیعت کر دیا گیا ہو ۔ جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینا جانتا ہے ۔ اور بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے ۔ ان کو کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات کو جن کے اسماء کا علم حضرت آدم کو دیا گیا تھا فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تم سے زیادہ افضل و اعلیٰ کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوگی یا یہ کہ خلافت کے لئے انسانوں کی نسبت فرشتے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتاؤ (معارف القرآن ۸۰ / ۱) ۔

۳۲ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

انہوں (فرشتوں) نے عرض کیا (اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے ۔ بے شک تو ہی جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔

تشریح ۔ فرشتوں کو فوراً ہی اپنی کم علمی اور عجز کا احساس ہوگیا اور انہوں نے حضرت آدم کی فضیلت اور استحقاقِ خلافت کا اقرار کرلیا اور عرض کیا کہ اے پروردگار ہم تیرے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو تو نے ہمیں بتا دیا ہے ۔ بے شک تو اپنی مخلوق کو جاننے والا اور اپنے امر میں حکمت والا ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ جو علم حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا وہ ان کے ذریعہ فرشتوں کو بھی عطا فرما دیا ۔ ان آیات سے واضح ہے کہ فرشتوں پر انسان کی برتری اور عظمت ، علم کے اعتبار سے ہوئی لہذا اگر اولاد آدم میں سے کوئی علم سے لاپرواہ ہے تو وہ خلافتِ آدم کا حق ادا نہیں کر سکتا چنانچہ دنیا میں وہی اقوام ترقی پر ہیں جو علم کی دولت سے مالا مال ہیں (مظہری ۵۴ / ۱) ۔

۳۳ ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! اب تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ ۔ پس جب اس (آدم) نے ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں (اور رازوں) کو خوب جانتا ہوں اور میں (وہ بھی) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ۔

تُبْدُوْنَ ۔ تم ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔ یہاں فرشتوں کا یہ کہنا مراد ہے کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا ۔

تَكْتُمُوْنَ ۔ تم چھپاتے ہو ۔ كَتْمٌ و كِتْمَانٌ سے مضارع ۔ اس سے فرشتوں کی وہ گفتگو مراد ہے جو انہوں نے آپس میں چپکے چپکے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ بزرگ کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا (مظہری ۵۴ / ۱) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار بتاؤ ۔ پس حضرت آدم نے ان تمام چیزوں کے نام جو بے شمار اور بے انتہا تھیں بتا دئے ۔ اور اس میں کوئی غلطی نہیں کی تو فرشتے حضرت آدم کے فضل و کمال اور صلاحیت و استعداد کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھی دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں بتا دیا تھا کہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہوں اور جو تم ظاہراً کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کو بھی خوب جانتا ہوں ۔

ابلیس کی سرکشی

۳۴ ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس (شیطان) کے سب نے سجدہ کیا ۔ اس (شیطان) نے انکار کیا اور تکبر کیا (اپنے آپ کو بڑا سمجھا) اور وہ تھا ہی کافروں میں سے ۔

اُسْجُدُوا۔ تم سجدہ کرو ۔ سُجُوْدٌ سے امر ۔ لغت میں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنے کو کہتے ہیں ۔ شرع میں عبادت کے مقصد سے زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں ۔ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے ۔ اس لئے شریعت نے اس کو غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا ہے ۔

اِبْلِیْسَ ۔ یہ اِبْلَاسٌ سے مشتق ہے ۔ شیطان کا نام ہے ۔ نا امید اور دھوکہ دینے والے کو ابلیس کہتے ہیں ۔ شیطان جنوں میں سے تھا جیسے کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے **کَانَ مِنَ الْجِنِّ (سورہ الکہف ۵۰)** ۔
اور فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا ۔

اَبٰی ۔ اس نے انکار کیا ۔ اِبَاءٌ سے مشتق ہے اپنے اختیار سے کسی چیز سے انکار کرنا ۔ یعنی شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا ۔

اسْتَکْبَرَ ۔ اس نے تکبر کیا ۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا یعنی آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں شیطان نے اپنی بڑائی ظاہر کی ۔ یہ کِبْرٌ سے بنا ہے ۔

تشریح ۔ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائے اور ابلیس کے سوا سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا ۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا ۔ اگرچہ اس کا کفر اس وقت ظاہر ہوا ۔ فرشتوں کو جو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اس سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے ۔ تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا ، کیونکہ سجدۂ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا ۔ یہ سجدہ تعظیم اور سلام کے طور پر تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا ۔ وہ اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس سجدہ میں فرشتوں نے زمین پر پیشانی نہیں رکھی

بلکہ حضرت آدم کی تعظیم کے لئے جھک گئے اور جب اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا تو اس سجدۂ تعظیمی کو منسوخ کر کے اس کے بجائے سلام مقرر فرما دیا ۔ (مظہری ۵۶ / ۱) ۔

شجرِ ممنوعہ

۳۵ ۔ وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو اور دونوں اس میں جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح کھاؤ اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم بھی ظالموں (اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں) میں سے ہو جاؤ گے ۔

اُسْكُنْ ۔ تو سکونت اختیار کر ۔ سُکُوْنٌ سے امر ۔

زَوْجُكَ تیری بیوی ۔ اس سے حضرت حوا مراد ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکی تھیں

الْجَنَّةَ ۔ جنت ، بہشت ، باغ ۔ لغت میں اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گھنے درخت زمین کو چھپالیں ۔ شرع میں اس سے وہ باغ مراد ہے جس میں بے شمار ایسی نعمتیں ہوں گی جن کا خیال تک کسی کے دل میں نہیں گزرا ہوگا ۔ اور وہ آخرت میں نیک لوگوں کو رہنے کے لئے ملے گا ۔

كُلَا ۔ تم دونوں کھاؤ ۔ اَكْلٌ سے امر ۔

رَغَدًا ۔ جی بھر کر ۔ خوب اچھی طرح ۔ لغت میں اس کے معنی اس رزق کے ہیں جس کے حصول میں کوئی محنت و مشقت نہ ہو اور وہ اتنی کثیر مقدار میں ہو کہ اس کے ختم یا کم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو ۔

حَيْثُ ۔ جہاں ، جس جگہ ۔

شِئْتُمَا ۔ تم دونوں نے چاہا ۔

تَقْرَبَا ۔ تم دونوں قریب ہو جاؤ ۔ قُرْبٌ و قُرْبَانٌ سے مضارع ۔ یہاں قربِ مکانی مراد ہے ۔

الظَّالِمِيْنَ ۔ظلم کرنے والے ۔ گنہگار لوگ ۔ بے رحم ۔ ظُلْم سے اسم فاعل یہاں وہ لوگ مراد ہیں ، جو اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں ۔ اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہوتا ہے ۔

تشریح ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور خلافت کی صلاحیت فرشتوں پر واضح کر دی گئی اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور شیطان کو اس کے غرور و تکبر اور کفر کی وجہ سے نکالدیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی بیوی حوّا کو یہ حکم دیا کہ تم دونوں جنت میں رہا کرو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک،خوب کھاؤ ، پیو ۔ پھر ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کھانے کی غرض سے اس کے قریب بھی نہ جانا اور اس کے کھانے پینے سے مکمل پرہیز کرنا ۔ قرآنِ کریم کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ درخت کیا تھا ۔

ابلیس کا ورغلانا

٣٦ ۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۔

پھر شیطان نے ان دونوں کو اس (درخت) کے بارے میں پھسلا دیا اور ان دونوں کو اس (عزت و آرام کی) جگہ سے نکلوا دیا جہاں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ تم سب (نیچے) اترو (جنت سے چلے جاؤ) اور تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے ۔ تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ ہے ایک مقررہ وقت تک ۔

اَزَلَّهُمَا ۔ اس نے دونوں کو ورغلایا ۔ اس نے دونوں کو پھسلایا ۔ اِزْلَالٌ سے ماضی اس کے معنی ارادہ اور اختیار کے بغیر قدم پھسلنے کے ہیں ۔

اِهْبِطُوْا تم نیچے اترو ۔ یہ ہُبُوْطٌ سے ہے جس کے معنی اوپر سے نیچے اترنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں ۔

عَدُوٌّ ۔ دشمن

حِيْنٍ ۔ وقت ۔ زمانہ ۔ مدت

مُسْتَقَرٌّ ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول اور اسم ظرف ۔

مَتَاعٌ ۔ متاع ۔ فائدہ ، پونجی ۔

تشریح ۔ شیطان کو جب اس بات کا علم ہوا کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا کو ایک خاص درخت کا پھل کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہے تو وہ ان کو ورغلانے اور پھسلانے کی کوشش میں لگ گیا ۔ پھر جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲۰ میں ہے ، اس نے موقع پا کر ان دونوں کو ورغلایا اور کہنے لگا ۔

يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۔

اے آدم کیا میں آپ کو ایسے درخت کی نشاندہی نہ کروں جس کے کھانے سے دائمی زندگی حاصل ہوگی اور کبھی موت واقع نہ ہوگی اور ایسی بادشاہت حاصل ہوگی جس میں کبھی زوال اور کمزوری نہیں آئے گی ۔

حضرت آدم کے پوچھنے پر شیطان نے اسی درخت کی طرف اشارہ کیا جس کا پھل کھانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوّا کو منع فرمایا تھا ۔ حضرت آدم نے جواب دیا کہ یہ تو فنا اور ندامت کا درخت ہے ۔ بقا اور دوام کا نہیں ۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے ۔ اگر اس میں کسی قسم کی بھلائی اور دوام کے فائدے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں منع نہ فرماتا ۔ یہ سن کر شیطان نے جواب دیا کہ ۔

مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۔ (اعراف ۲۰) ۔

تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لئے منع نہیں کیا کہ اس کا پھل تمہارے لئے نقصان کا باعث ہوگا بلکہ اس لئے منع کیا ہے کہ

تم اس کے کھانے سے کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی
نہ حاصل ہو جائے ۔

حضرت آدم و حوّا شیطان کی باتوں سے شک و شبہ میں مبتلا ہوگئے ۔ پھر ان کو (شک پر) پختہ کرنے کے لئے شیطان نے بہت سی قسمیں کھائیں جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۔ (اعراف ٢١) ۔

اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ یقین جانئے کہ میں تم
دونوں کا خیر خواہ ہوں ۔

حضرت آدم یہ خیال کرتے ہوئے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا ، شیطان کی دلفریب باتوں میں آگئے اور اس درخت کا پھل کھا لیا ۔ اس طرح شیطان دونوں کو جنت سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا ۔
مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دنوں میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے ۔ اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے ۔ اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے ۔ (ابن کثیر ٨٠ / ١)-

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم نیچے اترو اس طرح کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور یہ کہ تمہیں زمین پر ایک معین مدت تک رہنا ہے اور وہاں کے ساز و سامان سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور یہ معین مدت افراد کے لحاظ سے تو موت ہے اور تمام عالم کے اعتبار سے قیامت ہے ۔

حضرت آدم کی توبہ

٣٧ ۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھ لئے اور اللہ نے اس
کی توبہ قبول کرلی ۔ بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

تَلَقّٰى ۔ اس نے سیکھ لیا ۔ یہ تَلَقِّیٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا پانا ۔

شوق و رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اس کو قبول کرنا ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے کلمات اِلقا کئے تو حضرت آدم نے ان کو شوق و رغبت کے ساتھ قبول کر لیا یعنی سیکھ لیا ۔ (معارف القرآن ۱۹۹/ ۱) ۔

کَلِمٰتٍ ۔ وہ کلمات جو حضرت آدم کو توبہ کی غرض سے بتائے گئے تھے ۔ اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں ۔ سب سے مشہور روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کے مطابق اس سے وہ کلمات مراد ہیں جو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ منقول ہیں ۔ یعنی ۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (اعراف ۲۳) ۔

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے ۔(معارف القرآن ۱۹۹/ ۱) ۔

تَابَ ۔ توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں ۔ جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی گناہ کا اقرار کرنے ، اس پر شرمندہ ہونے ، اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے کے ہوتے ہیں ۔ اگر توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی توبہ قبول کرنے اور مغفرت کی طرف توجہ فرمانے کے ہوں گے ۔

تشریح ۔ حضرت آدم نے جب جنت سے نیچے اترنے کا حکم سنا تو بے چین اور بے تاب ہو گئے اور فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی تضرع اور زاری کے ساتھ التجا کرنے لگے جس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی شان عفو و مغفرت جوش میں آئی اور حضرت آدم کی خطا چونکہ سہو ونسیان تھی اس لئے ان کو معذرت کے مذکورہ بالا کلمات القاء و الہام فرمادئے۔ جب دونوں نے ان کلمات کے ذریعہ اپنی غفلت و کوتاہی کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ قبول فرمالی اور دونوں کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیا ۔

مومنین پر انعام

۳۸ ۔ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعاً فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

ہم نے کہا تم سب کے سب یہاں سے (نیچے) اترو ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے (تو تم اس کی پیروی کرنا) جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

خَوْفٌ ۔ آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف اور مصیبت کے اندیشے کا نام خوف ہے (معارف القرآن ۲۰۲/ ۱) ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نیک اور ایماندار بندوں کو سزا کا خوف نہیں ہوگا ۔

یَحْزَنُوْنَ ۔ کسی مقصد و مراد (یا کسی پسندیدہ چیز) کے فوت ہو جانے سے پیدا ہونے والے غم کو حُزن کہتے ہیں ۔ (معارف القرآن ۲۰۲/ ۱) ۔
یہاں مراد یہ ہے کہ نیک اور مومن بندے اپنی پہلی زندگی پر حسرت و افسوس نہیں کریں گے ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر تھا ۔ چونکہ دنیا میں ہدایت اور انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے جو زمین کی خلافت کا وعدہ کیا تھا اس کو بھی پورا کرنا تھا ۔ اس لئے ان کی توبہ قبول ہونے کے بعد بھی زمین پر اترنے کا حکم بر قرار رہا اور حضرت آدم کو جنت میں آنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم اسی جگہ رہو جہاں تمہیں اتارا گیا ہے ۔ پہلی بار جو اترنے کا حکم دیا تھا وہ بطور عتاب اور سزا کے جنت سے اترنے کے لئے تھا اور اب زمین پر اترنے کا دوسرا حکم خطا معاف ہونے کے بعد زمین میں مقیم رہنے کے لئے ہے تاکہ خلافت الٰہیہ کے مقصد کی تکمیل ہو ۔ لہٰذا دوسرے حکم کے تحت حضرت آدم کا نزول زمین کے حاکم اور خلیفہ کی حیثیت سے ہوا ۔

زمین پر اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ امر و نہی کے ذریعہ اولاد آدم کا امتحان لیا

جائے گا ۔ پس جب ان (اولاد آدم) کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت آئے تو ان میں سے جو اس کی اتباع کرے گا اس کو کسی قسم کا رنج و ملال نہ ہوگا ۔

منکرین کا انجام

۳۹ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ

اور جو لوگ (اس ہدایت) کا کفر کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے وہی لوگ اہل دوزخ ہیں ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ میری ہدایت کا انکار کریں گے اور میری نشانیوں کو جھٹلائیں گے تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ اس میں سے کبھی نہیں نکلیں گے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۚ (بقرہ ۱۶۷) ۔

اور وہ آگ سے کبھی نہیں نکلیں گے ۔

بنی اسرائیل کو دعوتِ ایمان

ربطِ آیات ۔ سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے ۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اس کی ہدایت و رہنمائی تمام مخلوق کے لئے عام ہے مگر صرف مومنین ہی اس سے نفع حاصل کریں گے ۔ اس کے بعد اس کتاب پر ایمان نہ لانے والوں کے لئے شدید عذاب کا ذکر ہے ۔ ان میں کافر اور منافقین شامل ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ان کے کچھ حالات اور طرز عمل کا بیان ہے ۔ اکیسویں اور بائیسویں آیتوں میں مومنین ، مشرکین اور منافقین سب کو مخاطب کر کے شرک سے اجتناب اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید کی گئی ہے ۔ پھر منکرین قرآن کو کھلا چیلنج دیا گیا کہ اگر تمہیں اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں شک و شبہ ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور ان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ ناکامی کی صورت میں تمہیں ایسی آگ کا عذاب دیا جائیگا جس کا ایندھن پتھر اور لوگ ہیں ۔ اس کے بعد تخلیق آدم کا

ذکر کر کے فرشتوں پر ان کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ واضح کی گئی ہے ۔

کافروں اور منافقوں میں دو طرح کے لوگ تھے ۔ ایک بت پرست مشرکین جو محض اپنے آباء و اجداد کے رسوم و رواج پر چلتے تھے ۔ ان کے پاس کوئی جدید یا قدیم علم نہ تھا ۔ عام طور پر یہ لوگ ان پڑھ تھے ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو گزشتہ انبیاء پر ایمان لائے اور ان کے پاس آسمانی کتابوں (توریت و انجیل وغیرہ) کا علم تھا ۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ کہلاتے تھے ۔ ان میں سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ۔ ان کو یہود کہا جاتا تھا اور کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ۔ ان کو نصاریٰ کہا جاتا تھا ۔ قرآنِ کریم میں ان دونوں کو اہل کتاب کہا گیا ہے کیونکہ یہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے تھے ۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر لوگوں کی نظر میں معزز اور قابلِ اعتماد مانے جاتے تھے ۔ لوگ ان کی باتوں سے متاثر ہوتے تھے ۔ ان لوگوں کے راہ راست پر آجانے سے دوسرے لوگوں کے مسلمان ہونے کی بڑی توقع تھی ۔ سورۂ بقرہ چونکہ مدنی سورت ہے اس لئے اس میں مشرکین و منافقین کے بیان کے بعد خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کو خطاب ہے جو چالیسویں آیت سے شروع ہو کر پارہ کے آخر (آیت ۱۲۳) تک ہے ۔

اہل کتاب کو مانوس کرنے کے لئے پہلے ان کی خاندانی شرافت اور اس سے ان کو دنیا میں حاصل ہونے والے اعزاز کا ، پھر اللہ تعالیٰ کے پے در پے انعامات کا ذکر ہے پھر ان کی بے راہی اور غلط کاری پر تنبیہ ہے اور صحیح راستہ کی طرف دعوت ہے ۔ پہلی سات آیتوں (آیات ۴۰ تا ۴۷) میں اجمالی خطاب ہے ۔ ان میں سے تین میں دعوتِ ایمان اور چار میں اعمالِ صالحہ کی تلقین ہے ۔ اس کے بعد مفصل خطاب ہے (ماخوذ از معارف القرآن ۲۰۴ ، ۱/۲۰۵) ۔

۴۰ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ؁

اے یعقوب کی اولاد ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور تم اپنے اس عہد (اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانا) کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا ۔ میں (بھی) اس عہد (نعمتوں سے سرفراز فرمانا) کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرو ۔

بَنِیْ ۔ یہ اصل میں بَنِیْنَ تھا ۔ اضافت کی وجہ سے نون حذف ہوگیا ۔ یہ اِبْنٌ کی جمع ہے جو بِنَاءٌ سے مشتق ہے ۔ اس کے معنی بنانا اور تعمیر کرنے کے ہیں ۔ اِبن بھی باپ کا بنا کیا ہوا ہوتا ہے ۔ (مظہری ۶۰/ ۱) ۔

اِسْرَائِیْلَ ۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عبداللہ کے ہیں (اسراء بمعنی عبد ، ایل بمعنی اللہ) یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے ۔ قرآنِ کریم نے یہود کو بنی یعقوب کی بجائے بنی اسرائیل کہا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہود کو اپنے لقب ہی سے معلوم ہو جائے کہ وہ عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک عبادت گزار بندے کی اولاد ہیں ۔ لہذا انہیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہئے (معارف القرآن ۲۰۵/ ۱)۔

اُذْکُرُوْا ۔ تم یاد کرو ۔ اصل میں دل سے یاد کرنے کو ذکر کہتے ہیں ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اُذْکُرُوْا کے معنی ہیں تم شکر کرو ۔ حسن فرماتے ہیں کہ نعمت کا ذکر کرنا ہی شکر ہے (مظہری ۶۰/ ۱) ۔

نِعْمَتِیْ ۔ میری نعمتیں ۔ میرے احسان ۔ یہ واحد کا صیغہ ہے اور جمع کے معنی میں ہے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں اور احسانات مراد ہیں جو اس نے یہود پر کئے مثلاً آل فرعون کی غلامی سے نجات اور فرعون کو غرق کرنا ۔ پتھر میں سے چشموں کا جاری ہونا ، بغیر کسی محنت و مشقت کے مَنّ اور سَلوٰی جیسی مزیدار خوراک کا اتارنا ۔ بنی اسرائیل میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا ۔ سلطنت و بادشاہت عطا فرمانا وغیرہ

فَارْھَبُوْنِ ۔ پس تم مجھ سے ڈرو ۔ رَھْبَۃٌ سے امر ۔ رَھْبَۃ اس خوف کو کہتے ہیں جس میں پرہیز اور بچاؤ ہو ۔ (مظہری ۶۱/ ۱) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے توحید و نبوت اور معاد کے دلائل بیان کرنے اور ان کی تائید میں اپنی تمام نعمتیں ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو اپنی خاص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ کیا کہ میں تمہارا قدیم منعم ہوں ۔ میں نے تمہاری بہتری اور بھلائی

ہمیشہ پیش نظر رکھی ۔ اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح کے لئے جس کو حوادثِ زمانہ میں لوگوں کی افراط وتفریط نے الٹ پلٹ کر دیا ہے ، قرآن کریم اور نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے ۔ تم میری ان مہربانیوں اور عنایتوں کا خیال کرو جو وقتاً فوقتاً میں نے تم پر کی ہیں ۔ تم میرے عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا کہا مانیں گے ۔ پھر ہم حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس عہد کی تجدید بھی کرتے رہے ۔ میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ دنیا میں تمہاری عزت و آبرو اور شوکت و سلطنت تمہیں لوٹا دوں گا ۔ تمہارے اوپر سے تمہارے دین کے سخت احکام ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمہیں ایک آسان دین دوں گا ۔ اور آخرت میں تمہیں جنت عطا کروں گا ۔

۴۱ ۔ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّ اِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝

اور جو کتاب میں نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ ۔ یہ تصدیق کرتی ہے اس (توریت) کی جو تمہارے پاس ہے اور تم اس (قرآن) کا سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں (میں تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (دنیاوی فائدہ) حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو ۔

مَآ اَنْزَلْتُ ۔ جو میں نے نازل کیا ۔ اس سے قرآنِ کریم مراد ہے ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے ۔

مَا مَعَكُمْ ۔ جو تمہارے پاس ہے ۔ اس سے توریت مراد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جسکی قرآن مجید تصدیق کرتا ہے ۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔ تھوڑی سی قیمت ۔ مراد یہ ہے کہ تم حق کو چھوڑ کر دنیا کے طلبگار نہ بنو ۔ دنیاوی فائدہ بظاہر خواہ کتنا ہی بڑا اور شاندار کیوں نہ معلوم ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہونے کی بنا پر حق و صداقت اور آخرت کے مقابلہ میں بالکل بے قدر اور حقیر ہے ۔

شانِ نزول ۔ یہود کے عالموں اور رئیسوں کو جاہلوں اور عام آدمیوں سے بہت آمدنی ہوتی تھی ۔ انہوں نے ان بیچاروں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اور وہ ان کے ہر قسم کے مال میں سے جس میں کھیت ، مویشی اور نقد سب چیزیں شامل تھیں ، حصہ لیتے ۔ جب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی تو ان کو یہ خیال ہوا کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور ان کی اتباع کی تو ہماری یہ ساری آمدنی ہاتھ سے چلی جائے گی ۔ اس لئے انہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور دین کو چھوڑ دیا اور توریت میں تحریف کر کے آپؐ کے اسم مبارک کو محو کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱/۶۲) ۔

تشریح ۔ عہد کا پورا کرنا یہ ہے کہ تم اس نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں ۔ یہ قرآن ، توریت اور انجیل اور دیگر انبیاء کی کتب کی تصدیق کرتا ہے اور ان کو سچ بتاتا ہے ۔ چونکہ توریت وانجیل میں آپؐ کا ذکر تھا اس لئے آپ کا تشریف لانا توریت کی سچائی کی دلیل تھی ۔ اسی لئے کہا گیا کہ تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کے پہلے منکر نہ بنو ۔ (ابن کثیر ۱/۸۳) ۔
کافر ہونا خواہ سب سے پہلے ہو یا بعد میں ، ہر حال میں انتہائی ظلم اور ایک بڑا جرم ہے یہاں اس لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے کفر اختیار کرے گا تو بعد میں اس کو دیکھ کر کفر کا ارتکاب کرنے والے ہر شخص کے کفر کا وبال اور گناہ خود اس پر بھی ہوگا جس نے کفر کا ارتکاب کیا اور اس پہلے کافر پر بھی ہوگا جس کو دیکھ کر یہ شخص کفر میں مبتلا ہوا ۔ اس طرح پہلا کافر اپنے کفر کے علاوہ اپنے بعد والے لوگوں کے کفر کا سبب بنکر ان سب کے کفر کے وبال کا بھی ذمہ دار ٹھہرے گا ۔

۴۲ ۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھکر حق کو نہ چھپاؤ ۔

تَلْبِسُوا ۔ تم ملاؤ ، تم خلط ملط کرو ، لَبْسٌ سے مضارع ۔ لغت میں لَبْسٌ کے معنی خلط ملط کرنے کے ہیں اور یہاں ایک بات کو دوسری بات کے ساتھ اس طرح رلا ملا دینا (ملا جلا دینا) مراد ہے جس سے دونوں میں کچھ فرق اور تمیز باقی نہ رہے ۔

بَاطِلِ ۔ غلط ، نا حق ، جھوٹ ، بُطْلَانٌ سے اسم فاعل ۔
تشریح ۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں ہوا تھا اس وقت تک یہود توریت اور دیگر کتبِ انبیاء میں آپؐ کے بارے میں بشارتیں دیکھ کر آپؐ کے آنے کے منتظر اور آپؐ کے محاسن اور محامد بیان کرتے تھے ۔ پھر جب آپؐ کا ظہور ہو گیا اور آپؐ ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تو حسد و عناد اور دنیاوی اغراض کی بنا پر انہوں نے ان بشارتوں میں تحریف کر کے کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں نے جو سچی اور حق بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں تم پر اتاری ہے تم اسے باطل کے ساتھ نہ ملاؤ کہ حق و باطل میں تمیز نہ رہے اور حق بات کو عام لوگوں سے نہ چھپاؤ کیونکہ تمہاری اس گمراہی سے بہت سے ان پڑھ گمراہ ہوتے ہیں ۔ یعنی جن لوگوں کے کان حق سے آشنا ہو چکے ہیں ان کو حق و باطل ، جھوٹ و سچ اور ہدایت و گمراہی میں خلط ملط کر کے شک و شبہ میں مبتلا نہ کرو جس سے ان کو حق قبول کرنے میں تردد ہو ۔ (حقانی ۳۹۲ / ۱) ۔

اعمالِ صالحہ کی تلقین

۴۳ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ؕ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور (اللہ تعالیٰ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ (نماز میں) جھکو ۔

الزَّكٰوةَ یہ زَکَاۃٌ (بڑھنا) یا تَزَکِّیٌ (پاک ہونا) سے مشتق ہے ۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور بڑھتا بھی ہے ۔

ارْكَعُوْا ۔ تم جھکو ۔ تم رکوع کرو ، تم نماز پڑھو ۔ رُکُوْعٌ سے امر ہے ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان اعمال میں بہترین چیز نماز ہے ۔

تشریح ۔ جس طرح یہود پر نماز فرض تھی اسی طرح ان پر زکوٰۃ بھی فرض تھی مگر ان کی نماز اور زکوٰۃ کا قاعدہ اور تھا ۔ اس آیت میں یہود کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جیسی نماز مسلمان پڑھتے ہیں تم بھی وہی نماز پڑھو اور جیسی زکوٰۃ مسلمان دیتے ہیں تم بھی ویسی ہی زکوٰۃ ادا کرو ، انہی میں مل جاؤ اور انہی کی امت بن جاؤ ۔ نیز اس آیت میں با

جماعت نماز ادا کرنے کی تاکید ہے جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہے ۔ یہود تنہا نماز پڑھتے تھے ۔

۴۴ ۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو ؟ حالانکہ تم کتاب (توریت) بھی پڑھتے ہو ۔ کیا تم نہیں سمجھتے ؟

تَاْمُرُوْنَ ۔ تم حکم دیتے ہو ۔ اَمْرٌ سے مضارع ۔

اَلْبِرِّ ۔ خوب دل کھول کر نیکی کرنا ۔ یہ بَرٌّ (وسیع میدان) سے مشتق ہے ۔ اور ہر قسم کی نیکی پر بولا جاتا ہے ۔

اَلْكِتٰبَ ۔ یہاں کتاب سے مراد توریت ہے ۔

تَنْسَوْنَ ۔ تم بھول جاتے ہو ۔ نِسْيَانٌ سے مضارع ۔

اَنْفُسَكُمْ ۔ اپنی جان کو ، اپنے آپ کو ، یہ نَفْسٌ کی جمع ہے ۔

شان نزول ۔ علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ یہود میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ اپنے غیر مسلم یہودی اعزاء و اقربا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رائے لیتے تھے کہ ان کا دین حق ہے ۔ اس پر ان کے عزیز و اقارب کہتے کہ تم جس دین پر ہو اسی پر قائم رہو کیونکہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ سب حق ہے مگر خود یہ لوگ اپنی شرارت نفس اور دنیاوی طمع کے باعث ایمان نہ لاتے تھے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے ۔ اے قوم یہود دنیا کا نفع تو چند روزہ ہے تم اس قلیل نفع سے میری آیتوں کو بدلتے ہو ۔ کیا تمہارے دلوں میں قیامت کے ہولناک دن کا اندیشہ بالکل نہیں رہا ۔ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے ۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی علماء عوام کو تو توریت پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور توریت میں جہاں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف تھی

اس میں تحریف کر دیتے تھے ۔ (مظہری ۶۳ / ۱ ، جلالین ۱۴) ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کے علماء مال و دولت اور نام و نمود کے طالب تھے ۔ اس آیت میں ان کو شرم دلائی گئی ہے کہ تم لوگوں کو تو ہر وقت نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہو اور خود اس کے قریب بھی نہیں جاتے ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں اپنا پیشوا مان کر تمہاری خدمت کرتے رہیں ۔ افسوس ہے تم پر کہ توریت پڑھنے کے باوجود تم اپنی اصلاح سے بالکل غافل ہو اور دنیاوی فائدے کے پیچھے بھاگ رہے ہو ۔ حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی اخلاق و کردار اور عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے مثالی بنا کر پیش کرے ۔ لہذا اگر تم دوسروں کو نصیحت کرنے میں مخلص ہو تو پہلے خود عمل کر کے دکھاؤ ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (الصف ۳) ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہ کرو ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (الصف ۱) ۔

اے ایمان والو ! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ۔

علامہ بغوی نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں کچھ آدمی دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے ۔ میں نے جبرائیلؑ امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپؐ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے مگر اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھے ۔ حالانکہ وہ کتاب الٰہی پڑھتے تھے ۔

حضرت اُسامہؓ بن زید سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا، جہاں اس کی آنتیں اور اوجھ سب نکل پڑے گا۔ پھر وہ اس کے پیچھے اس طرح گھوے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اس کا یہ حال دیکھ کر اہل دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ تیرا کیا حال ہو گیا ہے۔ تو، تو ہمیں بھلی بات بتایا کرتا تھا لیکن خود عمل نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں! میں تمہیں تو بُری بات سے روکتا تھا اور خود اس میں مبتلا تھا (مظہری ۱/۶۵)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال شمع کی مانند ہے جو دوسروں کو تو روشنی پہنچاتی ہے اور خود جلتی ہے۔

۳۵، ۳۶۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۚ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۚ

اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ (نماز) دشوار ہے بجز ان لوگوں کے جو عاجزی کرنے والے ہیں۔ (عاجزی کرنے والے وہ لوگ ہیں) جن کو خیال ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اَلصَّبْرِ ۔ برداشت، تحمل، خواہش نفس کے خلاف اپنے ارادے سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا نام صبر ہے۔

لَكَبِيْرَةٌ ۔ البتہ بھاری ہے۔ البتہ دشوار ہے۔

الْخٰشِعِيْنَ ۔ سکون، عاجزی ظاہر کرنا، خُشُوْعٌ سے اسم فاعل، خشوع، آواز اور نگاہ میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ۔ اور رحمٰن کے خوف سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی (مظہری ۱/۶۵)۔

يَظُنُّوْنَ ۔ وہ گمان کرتے ہیں۔ ظَنٌّ سے مضارع۔ ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے اور یقین کے معنی میں بھی۔ یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

تشریح ۔ صبر میں تو غیر ضروری خواہشات کو ترک کرنا ہوتا ہے جبکہ نماز میں تو بہت سی جائز خواہشات کو بھی وقتی طور پر ترک کرنا پڑتا ہے ، مثلاً کھانا پینا ، چلنا پھرنا ، بات کرنا وغیرہ ، اگر انسان غیر ضروری خواہشات کو ترک کرنے پر ہمت باندھ لے تو چند روز کی کوشش سے غیر ضروری خواہشات کا طبعی تقاضا بھی ختم ہو جاتا ہے ۔ مگر نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ وقت پر ادا کرنا اور نماز کے اوقات میں خواہشاتِ ضروریہ سے پرہیز کرنا انسانی طبیعت پر بھاری اور دشوار ہے ۔ جن لوگوں کے دلوں میں خشوع ہو ان پر پابندی کے ساتھ نماز کو اس کے اوقات میں بمع اس کی شرائط ادا کرنا چنداں دشوار نہیں ۔ نماز میں ہر طرح کی پستی ، عاجزی اور خاکساری ہے ۔ جب کوئی شخص نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات سے وہ فحش اور منکرات سے بچنے لگتا ہے اور اس کا تکبر و غرور اور اس کے اندر حبِ جاہ جیسی صفات آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عاجزی کرنے والے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہوں گے تو ان کو اپنے اعمال کا حساب و کتاب بھی دینا ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ، اجر و ثواب ، اور انعام و اکرام کی بھی امید ہوتی ہے ۔ ایسے لوگوں پر نماز شاق اور گراں تو کیا ہوتی وہ تو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سرور ہے ۔

اگر کسی شخص میں خشوع نہیں تو اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ۔ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حرکات و سکنات کو ہر وقت دیکھ رہا ہے ۔ رفتہ رفتہ جب یہ خیال پختہ ہو جائیگا تو اس کے نتیجہ میں نماز اور دوسری عبادات اس کے لئے آسان ہوجائیں گی ۔ دوسری چیز جس سے نماز اور عبادات اس کے لئے آسان ہوجائیں گی وہ آخرت کا یقین ہے ۔ آخرت میں ہر آدمی کو اس کے اعمال کے مطابق ثواب یا عذاب ملے گا ۔ اس خیال کے پختہ ہونے سے بھی آدمی کے دل میں خوف خدا اور اس کی رحمت کی امید پیدا ہوتی ہے جس سے خشوع میں اضافہ ہو کر نماز کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام ، مشکل اور رنج و غم میں ڈالدیتا تو آپؐ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے (ابن کثیر ۸۷ / ۱)۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کی رات میں ، میں نے دیکھا کہ ہم سب سوگئے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک نماز اور دعا میں مشغول رہے (ابن کثیر ۸۷/۱) ۔

۴۷ ۔ يٰبَنِيٓ اِسۡرَاۗءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۔

اے بنی اسرائیل ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام مخلوقات پر فضیلت دی ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ رکوع میں ایمان و تقویٰ کی دعوت دی گئی تھی اور ثابت قدمی کا طریقہ بتایا گیا جو شکر گزاری سے حاصل ہوتا ہے ۔ اگلے (چھٹے) رکوع میں ان انعامات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر کئے گئے ۔ یہ بھی مسلمانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے ہیں ۔ یہی خصوصی انعام تھا جو ایمان و عملِ صالح سے حاصل ہوتا ہے ۔ اسی کی بنا پر بنی اسرائیل کو مخلوقات پر فضیلت حاصل تھی ۔ جب انہوں نے ایمان و عمل صالح کو چھوڑ دیا تو ان کی فضیلت بھی جاتی رہی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو بنی اسرائیل کے باپ دادا کو عطا فرمائی تھی ۔ وہ نعمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں کو اپنا رسول بنایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ، پھر ان کو ان کے زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت و مرتبہ عطا فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۔ (مائدہ ۲۰) ۔

اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام کی ۔ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا ۔

بنی اسرائیل کو تمام لوگوں پر فضیلت دینے سے ، انکو اپنے ہی زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دینا مراد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام

امتوں سے افضل ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط (اٰل عمران ۱۱۰) ۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ۔ تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو ، اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ۔

ابو العالیہ مجاہد ، ربیع بن انس اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنے ہی زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی ۔(ابن کثیر ۸۸ ،۸۹ / ۱)۔

۴۸ ۔ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ط

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کے بارے میں (کسی کی) سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے بدلا لیا جائیگا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۔

تَجْزِیْ ۔ وہ جزا دے گا ، وہ بدلہ دے گا ، جَزَاءٌ سے مضارع ۔

شَفَاعَةٌ ۔ شفاعت کرنا ، سفارش کرنا ، مصدر ہے ۔

يُنْصَرُوْنَ ۔ ان کی مدد کی جائے گی ۔ نَصْرٌ سے مضارع مجہول ۔

شان نزول ۔ یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ہماری شفاعت کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۶۶ \ ۱) ۔

تشریح ۔ چونکہ باپ دادا کی فضیلت سے اولاد کو بھی عزت و شرف حاصل ہوتا ہے اور یہود اس پر فخر بھی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے انعام و اکرام اور شرف و فضیلت یاد دلا کر ان کو تنبیہ و تہدید فرمائی کہ تم اس دن سے ڈرو جس (قیامت کے)

دن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا ۔ اس دن نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی و شفاعت کام آئے گی ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلاَّ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلاً ط (طه ۱۰۹) ۔

اس دن (کسی کی) سفارش کام نہ آئے گی مگر جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی بات کو پسند فرمالے ۔

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلاَّ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَاباً ط (النبا ۳۸) ۔

اس دن کسی کے منہ سے بات نہیں نکلے گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے اور وہ بات بھی معقول کہے ۔

یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ (ابراہیم ۳۱) ۔

اس دن نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ۔

لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ط (عبس ۳۷) ۔

اس روز ہر شخص کی ایک خاص حالت ہوگی جو اس کو سب سے بے پرواہ کردے گی ۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (فاطر ۔ ۱۸) ۔

اور (کوئی گناہ) اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھائے گا ۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَ اخْشَوْا یَوْماً لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئاً ط (لقمٰن ۳۳) ۔

اے لوگو ! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنی اولاد کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اولاد اپنے باپ کے ذرا کام آئے گی ۔

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کے روز مسلمان بھی کسی مسلمان کے کام نہیں آئے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ کوئی کسی کافر کو نفع نہیں پہنچا سکے گا ۔ آیات اور

احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر نیک لوگ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے ۔

اس آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اے بنی اسرائیل اگر تم اپنے باپ دادا اور انبیاء علیہم السلام پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہو کہ قیامت کے روز وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے تو یہ محض تمہاری خام خیالی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ط (بروج ۱۲) ۔

بلا شبہ تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے ۔

لَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَۃٌ ط (بقرہ ۴۸) ۔

اس روز کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے لئے شفاعت تو کیا لب کشائی بھی نہیں کر سکے گا ۔

مَالَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ط (شعرا ۱۰۰) ۔

کفار کہیں گے آج ہمارا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے ۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ اس روز کسی کی طرف سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا ۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس دن اپنا مال فدیے اور معاوضہ کے طور پر دیکر نجات پالو گے تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مال و دولت کی ذرا بھی پرواہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِلْأُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط (اٰل عمران ۔ ۹۱) ۔

پھر ان میں سے کسی سے ہر گز زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اگر وہ فدیہ میں دے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ

لِيَفْتَدُوا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (مائدہ ۳۶) ۔

بیشک جو لوگ کافر ہیں ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے اگر وہ سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی وہ فدیہ میں دیدیں تب بھی وہ ان سے قیامت کے عذاب کے بدلے میں قبول نہیں کیا جائیگا ۔ اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس روز عزیز و اقارب ، برادری اور دوسرے مدد گار بھی اپنی قوت و زور کے بل پر ان کو نہیں چھڑا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی کسی کو مجال نہیں ۔

اس آیت میں جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بھی طرح کفار سے عذاب دور نہیں کر سکتا کیونکہ عذاب دور کرنے کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نفی فرما کر واضح فرما دیا کہ قیامت کے روز کوئی بھی شخص کسی کافر سے کسی قسم کی تدبیر کے ساتھ عذاب دفع نہ کر سکے گا ۔

عذاب دفع کرنے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

۱) سزا پانے والے کو یا تو کوئی شخص ، قبیلہ ، برادری ، یا دوسرے مدد گار ، سزا دینے والے کے ہاتھ سے زبردستی چھڑا لیں ۔ اس کو مدد کہتے ہیں ۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتا مگر کسی کے کہنے سے اس کو چھوڑ دیا جائے ۔ اس کو سفارش کہتے ہیں ۔

۳) جو کچھ اس کے ذمہ ہو وہ ادا کر دیا جائے ۔ اس کو جزا کہتے ہیں ۔

۴) جو کچھ اس کے ذمہ ہو اسکی بجائے اس کا بدل دے دیا جائے اس کو عدل اور فِدیہ کہتے ہیں ۔

قیامت کے روز سب کچھ حکم الٰہیٰ اور رضائے حق جَلَّ وعَلاَء سے ہوگا ۔ وہاں نہ کسی قسم کا فدیہ اور سفارش ہو گی اور نہ رشوت نہ حمایت ۔ غرض کسی کی مدد کے جتنے بھی دنیاوی طریقے ہیں ان میں سے کوئی بھی وہاں کام نہ آئے گا سوائے ایمان کے (مظہری ۱/۶۶) ۔

قومِ فرعون سے نجات

۴۹ ۔ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ؕ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی اولاد سے نجات دی ۔ وہ تمہیں بہت بڑا عذاب دیتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ۔

فِرْعَوْنَ ۔ فرعون ، یہ مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا ۔ جیسے روم کے بادشاہ کو قیصرؔ اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور چین کے بادشاہ کو خاقانؔ کہتے تھے ۔ اسی طرح مصر کے بادشاہ کو فِرْعَون کہتے تھے ۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ ۔ وہ تمہیں ستاتے ہیں ، وہ تمہیں سخت تکلیف دیتے ہیں ۔ سَوْمٌ سے مضارع ۔

يَسْتَحْيُوْنَ ۔ وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں ۔ اِسْتِحْيَاءٌ سے مضارع جو حَيٰوةٌ سے ماخوذ ہے ۔

بَلَآءٌ ۔ آزمائش ۔ ابن عباسؓ ، مجاہد ابو العالیہ اور سدی وغیرہ سے یہاں نعمت کے معنی منقول ہیں ۔ امتحان اور آزمائش ، بھلائی اور برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے ۔ مگر بَلْوَةٌ بَلَاءٌ عموماً بُرائی کی آزمائش کے لئے اور اَبْلِيَةٌ اِبْلَاءٌ و بَلَآءٌ کا لفظ بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لئے آتا ہے ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ بچوں کے قتل ہونے میں تمہاری آزمائش تھی (ابن کثیر ۱/۹۰) ۔

کبھی شدید عذاب دیکر آزمایا جاتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ بندہ تکلیف پر صبر کرتا ہے یا نہیں اور کبھی فراخی اور انعام کے ذریعہ امتحان لیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون نعمت و آسودگی کے وقت شکر ادا کرتا ہے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ (انبیاء ۳۵) ۔

اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کے ذریعہ آزمائیں گے ۔

اس لئے فراخی میں شکر اور تنگی میں صبر واجب ہے (مظہری ۶۷/ ۱) ۔

تشریح ۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ہونے والے انعامات کا اجمالی ذکر تھا ۔ یہاں سے ان انعامات کی تفصیل مذکور ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا ایک انعام یاد دلایا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے ان کو روزانہ ایک نئی مصیبت کا سامنا تھا یہاں تک کہ ان کے لڑکے قتل کئے جاتے اور لڑکیاں باقی چھوڑ دی جاتی تھیں ۔ بنی اسرائیل پر یہ بڑی سخت مصیبت تھی ، ایک تو ان کی نسل و قوم کا ختم ہونا ، دوسرے لڑکیوں کا غیر قوم کے استعمال میں آنا ، تیسرے زندہ اولاد کا قتل دیکھنا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو ان تمام مصائب سے نجات دی ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور احسان تھا (حقانی ۳۹۷/ ۱) ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ آئی اور اس نے سارے مصر کو گھیر لیا ۔ اور قبطیوں کو جلا دیا ۔ فرعون اس خواب سے پریشان ہو گیا ۔ چنانچہ اس نے تمام کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی ۔ انہوں نے اس کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے ہلاک کر دے گا اور تیرا ملک اور مال سب ختم ہو جائیگا ۔ ابن جریر نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے ۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں خواب کی تعبیر سننے کے بعد فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے ۔ اور لڑکیوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے ۔

اس حکم کے نتیجہ میں جب ہزاروں معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے جا چکے تو قبطی سرداروں نے متفقہ طور پر فرعون سے درخواست کی کہ تمام ذلیل کام انہی یہودیوں کے ذمہ ہیں ۔ اگر یہ قتل عام اسی طرح جاری رہا تو بچے بھی مرتے رہیں گے اور بڑے اپنی طبعی عمر پوری کر کے مرہی رہے ہیں ۔ لہذا آئندہ ذلیل کام بھی ہم کو ہی کرنے پڑیں گے ۔ اس پر فرعون نے اپنے حکم میں ترمیم کر دی کہ ایک سال تو بچے قتل کئے جائیں اور دوسرے سال بچوں کا قتل بند رکھا جائے ۔ چنانچہ جس سال بچوں کا قتل موقوف تھا اس سال تو حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی حضرت ہارون پیدا ہوئے اور جس سال یہ قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے ۔

حضرت موسیٰ کے واقعات قرآنِ کریم کی متعدد سورتوں میں آئے ہیں جن کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی ۔ (مظہری ۶۷/ ۱) ۔

آلِ فرعون کی غرقابی

۵۰ - وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا ۔ پھر ہم نے تمہیں بچا دیا اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے ۔

فَرَقْنَا ۔ ہم نے پھاڑ دیا ۔ ہم نے (پانی کو) الگ الگ کر دیا ۔ فَرْقٌ سے ماضی

اَلْبَحْرَ ۔ سمندر ، ابن کثیر ، خطیب اور علامہ سیوطی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بحرِ قُلْزُمْ ہے جسے بحرِ اَحْمَرْ بھی کہتے ہیں ۔

اَنْجَيْنٰكُمْ ۔ ہم نے تمہیں نجات دی ۔ ہم نے تمہیں بچا لیا ۔ اِنْجَاءٌ سے ماضی ۔

اَغْرَقْنَا ۔ ہم نے غرق کر دیا ۔ ہم نے ڈبو دیا ۔ اِغْرَاقٌ سے ماضی ۔

تَنْظُرُوْنَ ۔ تم دیکھتے ہو ۔ نَظْرٌ سے مضارع

تشریح ۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہونے کے بعد مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے اور بنی اسرائیل برسوں سے مصر کے ظالم و جابر بادشاہ کے ظلم و سختیاں سہ رہے تھے ۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر کنعانَ کی طرف روانہ ہوگئے ۔ راستہ میں سمندر حائل ہوا ۔ اس وقت فرعون بھی بنی اسرائیل کی روانگی کی خبر پا کر اپنے لشکر کے ہمراہ تعاقب کرتا ہوا سمندر تک پہنچ گیا ۔ اب پیچھے فرعون اور اس کا خونخوار لشکر اور آگے سمندر ۔ بنی اسرائیل نہ آگے جاسکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ، چنانچہ اس صورتحال سے وہ حواس باختہ ہو گئے مگر اسی وقت حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے سمندر کو شق کر کے اس میں خشک راستہ بنا دیا

جس میں سے گزر کر بنی اسرائیل سمندر سے پار ہو گئے ۔ ان کے پیچھے پیچھے فرعون بھی خشک راستہ دیکھ کر اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا ۔ جب فرعون اور اس کے تمام ساتھی اور لشکری دریا میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی مل کر اپنی پہلی حالت پر آگیا اور بنی اسرائیل کے لئے جو خشک راستہ بنا تھا وہ ختم ہو گیا۔ نتیجتاً فرعون اور اس کے تمام ساتھی سمندر میں غرق ہو گئے ۔

بنی اسرائیل سمندر کے دوسرے کنارے پر خائف اور ہراساں کھڑے ہوئے اتنے بڑے ظالم و جابر دشمن کی انتہائی ذلت و رسوائی اور بے بسی کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ۔ جب سب غرق ہوگئے تب بھی بنی اسرائیل کے بعض لوگوں پر خوف طاری تھا یہاں تک کہ سمندر نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے ناپاک جسم کو کنارے پر پھینک دیا تب کہیں بنی اسرائیل کو اطمینان حاصل ہوا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ (یونس ۹۲)۔

پس آج ہم تیری لاش کو بچا دیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے باعثِ عبرت ہو ۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا جو بنی اسرائیل پر ہوا ۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے (معارف القرآن ۲۲۵/ ۱ ، حقانی ۳۹۷،۳۹۸/ ۱) ۔

بچھڑے کی پوجا

۵۱ ۔ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰىٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے (حضرت) موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم بڑے ظالم تھے ۔

اِتَّخَذْتُمْ ۔ تم نے اختیار کر لیا ۔ تم نے بنا لیا ۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی ۔

عِجْلَ ۔ بچھڑا ۔ گائے کا بچہ ۔

تشریح ۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہو نے کے بعد حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ ملک شام چلے گئے یا کسی اور مقام پر جا کر رہنے لگے تھے ۔ ابن جریر اور دیگر مفسرین نے تصریح کی ہے کہ فرعون کی ہلاکت دسویں محرم کو ہوئی اور حضرت موسیٰ کی چالیس راتیں دس ذی الحجہ کو پوری ہوئیں ۔ اس طرح فرعون کی ہلاکت اور حضرت موسیٰ کے چلّہ میں گیارہ مہینہ کا فرق ہوا ۔ اس وقت تک بنی اسرائیل کوہِ طور کے نواح میں مقیم تھے ۔ نہ وہ ملک شام پہنچے اور نہ لوٹ کر مصر گئے ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کوہِ طور پر آکر چالیس رات میری عبادت کرو تاکہ میں تمہیں احکامِ شریعت پر مشتمل ایک کتاب دوں ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اپنی عدم موجودگی میں قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کو مقرر فرما گئے ۔ حضرت موسیٰ کو تیس دن کے لئے بلایا گیا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قیام میں دس دن کا اضافہ فرما دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ۔ اعراف ۱۴۲ ۔

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ سے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی اور ہم نے اس کو دس سے پورا کر دیا ، پس ان کے رب کی مقرر کردہ میعاد پوری چالیس راتیں ہو گئی ۔

حضرت موسیٰ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں آزاد خیالی اور خود سَری پیدا ہو گئی اور وہ حضرت ہارون کے ہوتے ہوئے بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے ۔ ان کی سادہ لوحی اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شعبدہ باز نے جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور جس کا نام سَامِری تھا ، چاندی یا سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کے اندر وہ مٹی ڈالدی جو اس نے فرعون کی غرقابی کے وقت حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ۔ اس مٹی سے اس بچھڑے میں جان پڑ گئی اور اس کے منہ سے کچھ آواز نکلنے لگی ۔ اگرچہ وہ آواز بے معنی تھی مگر ان لوگوں کے لئے حیرت کی بات ضرور تھی ۔ چونکہ بنی اسرائیل کے لوگ اہل مصر کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے اس لئے عبادت کے اس طریقے سے وہ پہلے سے ہی آشنا تھے

اور وہ حضرت موسیٰ سے بچھڑے کی شکل کے بت بھی مانگ چکے تھے ۔ پھر فرعون کے غرق ہونے کے بعد شام کی طرف جاتے ہوئے ان کا گزر قوم عمالقہ پر ہوا جو گائے کی شکل کے بت پوجتے تھے ، اس لئے انہوں نے سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پوجا میں جلد بازی کی ۔ چند لوگوں کے سوا تمام اسرائیلی اس بچھڑے کی پوجا کرنے لگ گئے ۔ حضرت ہارون نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ حق کی طرف مائل نہ ہوئے ۔ جب حضرت موسیٰ توریت لیکر کوہِ طور سے واپس آئے تو بنی اسرائیل کو شرک میں مبتلا دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور ان کو خوب ملامت کی ۔ (معارف القرآن ۲۲۵/ ۱ ، حقانی ۴۲۴/ ۱)۔

۵۲ ۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞

پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو ۔

عَفَوْنَا ۔ ہم نے معاف کیا ۔ عَفْوٌ سے ماضی ۔ عفو گناہ کے محو کرنے کو کہتے ہیں ۔

تَشْكُرُوْنَ ۔ تم شکر کرتے ہو ۔ تم احسان مانتے ہو ، شُکْرٌ سے مضارع ، مفسرین کے مطابق یہاں شکر سے مراد اطاعت ہے ۔ شکر ، قلب زبان اور اعضاء سب سے ہوتا ہے ۔ حسن نے کہا کہ نعمت کا شکر اس کا ذکر کرنا ہے ۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو منعمِ حقیقی کی رضا میں صرف کیا جائے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا ایک اور احسان یاد دلایا ہے کہ جب تمہارے نبی عبادت کی غرض سے چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے کوہِ طور پر گئے تو ان کے جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ۔ پھر ان کے آنے پر ان کے سمجھانے سے تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بھی بخشدیا (ابن کثیر ۹۱/ ۱) ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے مالک و خالق تونے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور مجھے ان پر شکر ادا کرنے کا حکم بھی فرمایا مگر اے میرے پروردگار میرا کسی نعمت پر شکر ادا کرنا بھی تو تیری ہی نعمت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تم بڑے عالم ہو ۔ اس زمانے میں تم سے زیادہ کسی کا علم نہیں ۔ یاد رکھو میرے بندے کو شکر اتنا ہی کافی ہے

کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو نعمت حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے (مظہری ۱/۷۱) ۔

۵۳ ۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام (شریعت) عطا کئے ۔ تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ۔

اَلْفُرْقَانَ ۔ حق و باطل میں فرق کرنے والی ۔ یہ مصدر بھی ہے اور صفت بھی ۔

تَهْتَدُوْنَ ۔ تم ہدایت پاؤ ۔ تم راہ پاؤ ، اِهْتِدَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ بعض مفسرین کے مطابق یہاں کتاب اور فرقان دونوں سے مراد توریت ہے کیونکہ وہ حق و باطل میں فرق کرتی ہے ۔ بعض نے فرقان سے عصاو ید بیضا ، وغیرہ معجزات مراد لئے ہیں کیونکہ معجزات اہل حق اور اہل باطل میں فرق کر دیتے ہیں جیسے عصا کے ذریعہ سحر اور نبوت میں فرق واضح ہوا ۔

شرک کی سزا

۵۴ ۔ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ! بیشک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ (توبہ کرو) اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالو ۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے لئے بہتر ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ۔ بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے ۔

بَارِئِكُمْ ۔ یہ بَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شے کو دوسری شئے سے چھانٹ لینے اور خاص کر لینے کے ہیں ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس درجہ کی جہالت نے گھیر لیا تھا کہ ان کو اپنے خالق کی بھی پہچان نہ رہی یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بچھڑے کو

خدا سمجھ کر پوجنے لگے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بچھڑے کی پوجا سے توبہ کا طریقہ تجویز کیا گیا ۔ جب حضرت موسیٰ چالیس روز کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر انہیں سمجھایا تو وہ اپنی غلطی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا کہ تم میں سے جو لوگ بچھڑے کی پوجا سے باز رہے وہ پوجا کرنے والوں کو قتل کریں ۔ مجرمین میں بچھڑے کی پوجا سے باز رہنے والوں کے عزیز و اقارب بھی تھے ۔ کوئی کسی کا باپ ، کوئی بیٹا کوئی بھائی ، کوئی قریبی رشتہ دار اور کوئی دوست تھا ۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کیا اور قتل کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا ۔ آخر حضرت موسیٰ نے بار گاہِ خداوندی میں بنی اسرائیل کے لئے رحمت کی دعا فرمائی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا کیونکہ وہ بڑا مہربان اور بہت توبہ قبول کرنے والا ہے (حقانی ۴۲۶ / ۱ ، مظہری ۷۱ / ۱)-

بنی اسرائیل کی گستاخی

۵۵ - وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ٥

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا ۔ اے موسیٰ ! ہم ہر گز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر (بالکل آمنے سامنے) نہ دیکھ لیں ۔ پھر (تمہاری اس گستاخی پر) تمہیں بجلی کی کڑک نے آلیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے ۔

جَھْرَۃً ۔ برملا ، ظاہری طور پر ، مصدر ہے ۔

الصّٰعِقَۃُ ۔ بجلی کی کڑک ۔ سخت آواز ۔ غضب ۔ جمع صَوَاعِقُ ۔

تشریح ۔ جب حضرت موسیٰ کوہِ طور سے توریت لیکر آئے اور بنی اسرائیل کو بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو ان میں سے بعض گستاخوں نے کہا کہ ہم یہ بات آپ کے کہنے سے ہر گز نہیں مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توریت عطا فرمائی ہے اور آپ

سے کلام فرمایا ہے یا آپ نبی ہیں یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر آمنے سامنے نہ دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہے کہ یہ میری کتاب ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو کوہِ طور پر چلنے کے لئے کہا ۔ بنی اسرائیل نے اس مقصد کے لئے اپنے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر بھیجدئے جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام خود سنا اور کہنے لگے کہ ہم صرف کلام سننے سے مطمئن نہیں ہوں گے ۔ نہ جانے کون بول رہا ہوگا ۔ ہم تو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں ۔ چونکہ دنیا میں کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا اس لئے اس گستاخی پر ان کو بجلی کی کڑک نے آلیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ کا احسان

۵۶ ۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

پھر تمہاری موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر کرو ۔

بَعَثْنٰكُمْ ۔ ہم نے تمہیں زندہ کر کے اٹھایا ۔ بَعْثٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ جب بجلی کی کڑک سے بنی اسرائیل کے چنیدہ لوگ ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ بارگاہِ خداوندی میں التجا اور رحمت کی درخواست کرنے لگے اور عرض کی کہ بنی اسرائیل تو پہلے ہی مجھ سے بد گمان رہتے ہیں ۔ اب یہ خیال کریں گے کہ میں نے ہی کسی تدبیر سے ان کا کام تمام کیا ہے ۔ اے اللہ مجھے اس تہمت سے محفوظ رکھ ۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک دن رات مُردہ حالت میں پڑے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ایک کر کے زندہ کر دیا ۔ جو زندہ ہو کر اٹھتا تھا وہ دوسرے کو زندہ ہوتے دیکھتا تھا ۔

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس لئے زندہ کر دیا تاکہ وہ اپنا رزق اور بقیہ عمریں پوری کر لیں ۔ اگر وہ اپنی عمر ختم کر کے مرتے تو پھر قیامت ہی میں اٹھائے جاتے (معارف القرآن ۲۲۷/ ۱ ، مظہری ۷۳/ ۱)۔

مَنّ و سلویٰ

۵۷ ۔ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا اور تمہارے اوپر منّ اور سلویٰ اتارا تاکہ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ ۔ اور (نافرمانی کر کے) انہوں نے ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے ۔

ظَلَّلْنَا ۔ ہم نے سایہ کیا ۔ ہم نے سائبان بنایا ۔ تَظْلِيْلٌ سے ماضی ۔

الْغَمَامَ ۔ بادل ۔ سفید ابر ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد غَمَامَۃٌ ہے جو غَمٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کے ہیں ۔ ابر کو غمام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سورج کو چھپا لیتا ہے ۔

الْمَنَّ ۔ شبنم۔ترنجبین کی طرح کی ایک میٹھی اور لذیذ چیز جو بنی اسرائیل کے خیموں کے آس پاس جم جاتی تھی اور صبح لوگ اس کو جمع کرکے کھا لیتے تھے ۔ قتادہ نے کہا کہ منّ اس تِیۂ (وادی) میں برف کی طرح گرتی تھی ۔ اس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں تھا وہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک گرتی تھی ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ من گوند کی طرح کی ایک چیز ہے جو درختوں پر آکر گر جاتی ہے اور اس کا مزہ شہد جیسا ہوتا ہے ۔

سَلْوٰی ۔ بٹیر کی طرح کا ایک پرندہ ۔ یہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان سے بھاگتے نہیں تھے ۔ یہ لوگ ان کو پکڑ کر ذبح کر کے کھا لیتے تھے ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے ۔ یہ لوگ حضرت یوسف کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہیں رہنے لگے تھے اور ان کے بعد شام میں عَمَالِقَہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا تھا ۔ جب فرعون غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا اصل وطن (شام) عَمَالِقَہ سے جہاد کے ذریعہ آزاد کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ (مائدہ ۲۱) ۔

اے میری قوم مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ ۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی تقدیر میں لکھدی ہے ۔ اور پیٹھ پھیر کر واپس نہ لوٹو کہ پھر تم بالکل خسارے میں ہو جاؤ گے ۔

بنی اسرائیل اسی ارادے کے ساتھ چلے تھے ۔ جب شام کی حدود میں پہنچکر ان کو عَمَالِقہ کی قوت و زُور کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے انکار کر دیا ۔ حضرت موسیٰ نے ان کو نصرتِ الہیٰ اور فتح کی بشارت بھی دی مگر یہ لوگ لڑائی کے لئے کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے انکار کی سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں حیران و پریشان پھرتے رہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۝ (مائدہ ۲۶) ۔

پھر وہ (ملک) ان پر حرام ہوا چالیس برس تک وہ زمین میں سر مارتے پھریں گے ۔

اس میدان کا رقبہ بہت زیادہ نہ تھا بلکہ صرف دس میل کے قریب تھا ۔ روایت یہ ہے کہ یہ لوگ مصر جانے کے لئے دن بھر سفر کرتے ، رات کو کسی منزل پر اترتے اور صبح دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں ۔ اسی طرح چالیس برس تک اس میدان میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے ، اسی لئے اس میدان کو وادیٔ تِیہَ کہتے ہیں ۔ کیونکہ تِیہَ کے معنیٰ سرگردانی اور پریشانی کے ہیں ۔ یہ وادی ایک کھلا میدان تھا ۔ نہ اس میں کوئی عمارت تھی ، نہ سردی و گرمی اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی درخت ، نہ کھانے پینے کا سامان اور نہ پہننے کے لئے لباس ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معجزے کے طور پر اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا ۔ دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر کا سایہ اور بھوک کے لئے مَنّ و سَلویٰ نازل فرما دیا ۔ جب ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا جس سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ۔ اسکی تفصیل دو آیتوں کے بعد آئے گی ۔ جب ان لوگوں نے رات کی تاریکی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ

نے ان کی آبادی کے درمیان غیب سے ایک عمودی روشنی قائم فرمادی ۔ جب ان کے کپڑے میلے ہو گئے اور پھٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بطورِ اعجاز یہ صورت فرمادی کہ ان کے کپڑے نہ میلے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے اور بچوں کے کپڑے انکے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مناسبت سے بڑھتے رہے (معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی ۲۲۹/ ۱) ۔

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ جس قدر روزانہ کھا سکو اتنا ہی مَنّ و سَلویٰ لے لیا کرو اور دوسرے دن کے لئے جمع کر کے نہ رکھو ، مگر انہوں نے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کی اور جمع کر کے رکھنے لگے ۔ آخر کار جمع کیاہوا کھانا (مَنّ و سَلویٰ) سڑنے لگا اور پھر وہ نعمت بند ہو گئی ۔ امام احمد ، بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا اور گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوّا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے بے وفائی نہ کرتی ۔ (مظہری ۷۳/ ۱) ۔

غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کے سبب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب اخروی ان کو ملتا تھا ۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

۵۸ - وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور بستی کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے داخل ہونا ۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ۔

رَغَدًا ۔ جی بھر کر ۔ خوب اچھی طرح ۔ بافراغت ۔ مصدر ہے ، صفتِ شبہ کے معنی دیتا ہے ۔

حِطَّةٌ ۔ معافی کی درخواست ، بخشش مانگنا ۔ توبہ ۔

مُحْسِنِیْنَ ۔ احسان کرنے والے ۔ بھلائی کرنے والے ، نیکی کرنے والے ۔ اِحْسَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ اس آیت میں صحیح قول کی بنا پر قریہ سے مراد بیت المقدس ہے ۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم شام جاکر عُمَالِقَہْ (یہ قوم عاد کے بچے ہوئے لوگ تھے) سے جہاد کر کے ان کو مسلمان کرو یا ان کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر ڈالو اور خود شام میں آباد ہو جاؤ ۔ مگر انہوں نے عَمَالِقَہ کے مقابلہ میں بزدلی دکھائی اور جہاد سے انکار کیا ۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سزا ملی کہ وہ ایک مدت تک وادیٔ تِیَہْ میں حیران و پریشان پھرتے رہے مگر اس سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا ۔ اسی وادی میں بنی اسرائیل کے بوڑھے لوگ مع حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام انتقال کر گئے ۔ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یُوْشَعْ علیہ السلام پیغمبر ہوئے ۔ جب بنی اسرائیل سفر کی مشقت سے گھبرا گئے تو حضرت یُوْشَعْ نے چالیس سال کے بعد تِیَہْ سے نکل کر بنی اسرائیل کے باقی ماندہ نوجوانوں کو ہمراہ لیکر عَمَالِقَہ کے ساتھ جہاد کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور فتح کے بعد حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے حِطَّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ ۔ اگر تم نے اس ہدایت پر عمل کیا اور فتح کے وقت اپنی پستی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں اس لئے میں تمہاری خطاؤں سے در گزر کر لوں گا ۔ اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دوں گا ۔ (ابن کثیر ۹۸/ ۱ ، مظہری ۷۴/ ۱) ۔

نافرمانی کی سزا

۵۹ ۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلاً غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزاً مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ؕ

پھر ان ظالموں نے اس قول (لفظ) کو بدل دیا جو ان سے کہا گیا تھا پھر ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کے سبب آسمان سے عذاب نازل کیا ۔

فَبَدَّلَ ۔ پھر اس نے تبدیل کر دیا ۔ تَبْدِیْلٌ سے ماضی ۔

رِجْزاً ۔ عذاب ، آفت ، بنی اسرائیل پر یہ عذاب آسمان سے طاعون کی شکل میں اترا جس سے بہت سے لوگ مرگئے ۔

یَفْسُقُوْنَ ۔ وہ نا فرمانی کرتے تھے ۔ یہ فِسْقٌ سے بنا ہے جس کے معنی نا فرمانی کرنا اور حکم نہ ماننے کے ہیں ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کو ثواب اور مغفرت کی بجائے گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی اس لئے وہ بستی میں داخل ہوتے وقت حطہ کی بجائے حنطہ کہنے لگے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے سزا کے طور پر آسمانی عذاب نازل فرمایا جس سے ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے ۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّۃٌ کہتے ہوئے داخل ہونا مگر انہوں نے (لفظ) حِطَّۃٌ کو بدل دیا اور سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حِطَّۃٌ کی بجائے حَبَّۃٌ فِی شَعْرَۃٍ (گیہوں جو میں) کہتے ہوئے جانے لگے ۔ (ابن کثیر ۹۹/ ۱ مظہری ۷۴/۱)۔

پانی کا مطالبہ

۶۰ ۔ وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا اس پتھر پر مار ۔ پس (جب حضرت موسیٰ نے پتھر پر اپنا عصا مارا) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ (پانی پینے کی جگہ) معلوم کر لیا ۔ (پھر ہم نے کہا کہ) اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو ۔

اِسْتَسْقٰی ۔ اس نے پانی مانگا ۔ اِسْتِسْقَاءٌ سے ماضی ۔

اِنْفَجَرَتْ ۔ وہ پھوٹ نکلی ، وہ بہہ نکلی ، اِنْفِجَارٌ سے ماضی ۔

اُناَسٍ ۔ لوگ ۔ انسان ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد اِنس ہے ۔

تَعْثَوْا ۔ تم پھرو ، تم پھیلاؤ ، عثیٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر کئے یعنی (۱) ان کو ان کے اپنے زمانے کے تمام اہل جہان پر فضیلت دی (۲) آلِ فرعون سے نجات ، فرعون ان کو سخت تکلیفیں دیتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا ۔ (۳) دریا کو پھاڑ کر اس میں بنی اسرائیل کے لئے خشک راستہ بنا دیا ، ان کو نجات دی اور آلِ فرعون کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا ۔

(۴) حضرت موسیٰ کو چالیس دن کی عبادت کے لئے کوہِ طور پر بلایا تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ۔

(۵) بچھڑے کو معبود بنانے جیسے نا قابلِ معافی جرمِ عظیم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معاف فرما دیا اور آلِ فرعون کی طرح ان کو ہلاک نہیں کیا ۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو توریت دی جو احکامِ الٰہیٰ کی جامع تھی اور حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی ۔

(۷) ۔ بچھڑے کی پوجا جیسے جرم سے توبہ کا یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ پوجا نہ کرنے والے ، پوجا کرنے والوں کو قتل کریں ، حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق اس میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے توبہ قبول ہوئی ، مقتولین کی مغفرت ہوئی انہوں نے شہادت کا درجہ پایا ۔ اور زندہ بچنے والوں کو معاف کر دیا گیا ۔

(۸) بنی اسرائیل نے یہ گستاخی کی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھے بغیر اس پر ایمان نہ لانے کا اعلان کر دیا ۔ اس گستاخی پر ان کو بجلی نے اس طرح آ پکڑا کہ وہ اس کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے ، پھر ان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دوبارہ زندہ کر دیا ۔

(۹) بنی اسرائیل کو قومِ عَمَالِقہ سے جہاد کا جو حکم ملا تھا اس پر عمل نہ کرنے کے جرم میں وادی تیہ میں چالیس سال تک حیران و پریشان پھرنے کی سزا ملی ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دھوپ کی تکلیف سے بچانے کے لئے ان پر ایک سفید ابر کا سایہ کر دیا اور کھانے کے لئے منّ و سلویٰ نازل کیا اور پانی طلب کرنے پر ان

کے بارہ قبیلوں کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالدئے ۔
(۱۰) پھر ان کو حکم دیا کہ حِطّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ تو انہوں نے حِطّۃٌ کو بدل کر حِنطۃٌ کر دیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا ۔

ان انعامات کے ذکر کے بعد آئندہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شرارتوں ، بد اعمالیوں اور ان کو ملنے والی سزاؤں کو بیان فرمایا ہے تاکہ انعامات کو یاد کر کے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت کی تحریک پیدا ہو ۔ اور شرارتوں اور بد اعمالیوں کو یاد کر کے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو ۔

تشریح ۔ یہ واقعہ بھی وادیٔ تِیہ کا ہے ۔ اس وادی میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا ۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پتھر پر اپنی لاٹھی ماری ۔ اسی وقت پتھر سے بحکم خدا بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کی مناسبت سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۔ ہر خاندان نے اپنے استعمال کے لئے ایک چشمہ مخصوص کر لیا ۔ اس آیت میں کھانے سے مراد منّ و سلویٰ اور پینے سے مراد یہی پانی ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم منّ و سلویٰ کھاتے رہو ، ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت روزی کو کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو ۔ نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی ۔

اگرچہ سب رزق اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے ہیں مگر اور رزقوں میں بظاہر آدمی کے کسب اور محنت کو کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے مگر اس منّ و سلویٰ میں کسی کی محنت و مشقت کو دخل نہیں ۔ یہ بغیر محنت کے ملتا ہے اس لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو (ابن کثیر ۱۰۰،۱۰۱/۱ مظہری ۷۵/۱) ۔

کفرانِ نعمت اور اس کی سزا

۶۱ ۔ وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ط

(وہ وقت یاد کرو) جب تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک (طرح) کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے ۔ پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین سے لگنے والی سبزی اور ککڑی ، اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کرے (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ کیا تم اعلیٰ درجہ کی چیز کو ادنیٰ درجہ کی چیز سے بدلنا چاہتے ہو (اگر تم یہی چاہتے ہو تو) کسی شہر میں اترو ۔ پس جو تم نے سوال کیا ہے (وہ سب) تمہارے لئے (وہاں) موجود ہے ۔ اور ان پر ذلت اور محتاجی مار دی گئی (مسلط کر دیگئی) اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ۔ یہ اس لئے (ہوا) کہ وہ اللہ کی نشانیوں (احکام) کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے ۔ نیز یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نا فرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا ۔

تُنْبِتُ ۔ وہ (زمین) اگاتی ہے ۔ اِنْبَاتٌ سے مضارع ۔

بَقْلِهَا ۔ اس (زمین) کی ترکاری ۔ اس کی سبزی ۔ جمع بُقُوْلٌ ۔

قِثَّآئِهَا ۔ اس کی (زمین) ککڑی ۔ اسم جنس ہے واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

فُوْمِهَا ۔ اس (زمین) کا گیہوں ۔ اس کا لہسن ۔ جمع فُوْمَانٌ ۔

عَدَسِهَا ۔ اس (زمین) کے مسور ، واحد عَدَسَةٌ ۔

بَصَلِهَا ۔ اس (زمین) کی پیاز ۔

اِهْبِطُوْا ۔ تم سب اترو ، تم سب داخل ہوجاؤ ۔ هُبُوطٌ سے امر ۔

بَآءُوْا ۔ وہ مستحق ہوئے ۔ انہوں نے رجوع کیا ۔ بَوَاءٌ سے ماضی ۔ کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے ۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے ۔

عَصَوْا ۔ انہوں نے نا فرمانی کی ۔ مَعْصِيَةٌ و عِصْيَانٌ سے ماضی ۔

یعتدون ۔ وہ زیادتی کرتے تھے ۔ وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۔ اِعْتِدَاءٌ سے مضارع

تشریح ۔ یہ واقعہ بھی وادیٔ تیہ کا ہے جب بنی اسرائیل پر اس وادی میں جہاں کسی قسم کا سامان خورد نوش نہ تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منّ و سلویٰ اترنے لگا تو یہ بد بخت شکر گزاری کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں مصر سے نکال کر اس وادی میں لا کر ڈالدیا ہے جہاں منّ و سلویٰ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا ۔ ہم مصر میں زمین کی ہر قسم کی پیداوار ، ساگ ، بھاجی ، ککڑی ، گیہوں مسور ، پیاز ، لہسن وغیرہ کھاتے پیتے تھے ۔ اب تو اپنے رب سے ہمارے لئے ان چیزوں کی دعا مانگ ۔ اس گستاخی پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے در گزر فرمایا اور حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان کو حکم دیا کہ اس وادی کو طے کر کے آبادی میں چلے جاؤ جہاں تمہیں سب مطلوبہ چیزیں مل جائیں گی ۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ہونے والے اپنے دس انعامات شمار کرائے ہیں ۔ یہ لوگ اتنے انعامات کے باوجود کفرانِ نعمت ہی کرتے رہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی سرزنش ہوئی اور ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار کر کے اپنے غضب کا مستحق قرار دیا ۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو نا حق قتل کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے بڑھے رہے ۔ یہ لوگ نہ صرف دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور ان کی سلطنت و شوکت جاتی رہی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی بھی حاصل کی جس کی ابدی سزا جہنم ہے ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا (۱) جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا ۔ (۲) یا اس نے کسی نبی کو قتل کر دیا ہو (۳) اور گمراہی کا امام (۴) اور تصویریں بنانے والا (حقانی ۴۳۰ ، ۴۳۱ / ۱) ۔

مومنین کا اجر

۶۲ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابئین (ستارہ پرست) ہیں (ان میں سے) جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے (اعمال کا) اجر اپنے رب کے پاس پائیں گے اور (قیامت کے روز) ان کو خوف اور غم نہ ہوگا ۔

اٰمَنُوْا ۔ وہ ایمان لائے ۔ ایمان لانے سے مراد مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا ہے ۔

ھَادُوْا ۔ وہ یہودی ہوئے ۔ ھُوْدٌ سے ماضی ۔ وہ تمام لوگ مراد ہیں جو یہودی عقائد رکھتے ہوں خواہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں یا کسی اور قوم میں سے ۔

نَصٰرٰی ۔ عیسائی ۔ فلسطین میں ناصرہ نامی ایک قصبہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ۔ اسی قصبہ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ کو مسیح ناصری کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو نصارٰی کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ناصریہ میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت ۔

صَابِئِیْنَ : صابی فرقہ ۔ بے دین فرقہ ۔ ایک ستارہ پرست قوم ۔ صابی کے لفظی معنی ہیں اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہو جانے والا ۔ عرب میں صابی ایک فرقہ تھا ۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ، فرشتوں کی پرستش کرتے ، زبور پڑھتے ، اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے ۔ عرب انہیں بے دین کہتے تھے ۔

تشریح : اس سے پہلے بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بے اعتدالیوں پر عذاب کا ذکر تھا ۔ یہاں ان میں سے جو لوگ نیک تھے ان کے اجر و ثواب کا بیان ہے ۔ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توریت کو مانتا ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتا ہو ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد ان کی اتباع کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے ۔ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی توریت اور حضرت موسیٰ کی شریعت پر قائم رہا اور حضرت عیسیٰ کا انکار کیا اور انکی اتباع نہ کی

تو وہ بے دین ہو جائیگا ۔ پھر ان میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور نہ تو آپؐ کی نبوت کو مانیں اور نہ آپؐ کی اتباع کریں تو وہ بھی بے دین ہیں۔ اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرے ۔ پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو آپؐ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپؐ کی شریعت پر عمل کرے ۔ اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور پھر بھی انجیل اور حضرت عیسیٰ کی اتباع چھوڑ کر آپؐ کی تصدیق اور آپؐ کی شریعت کی اتباع نہ کی تو وہ ہلاک ہو گا ۔ مختصر یہ کہ ہر نبی کا تابعدار اور اس کا ماننے والا ، ایماندار اور صالح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والا ہے لیکن جب دوسرا نبی آجائے اور وہ اس کا انکار کرے تو کافر ہو جائیگا (ابن کثیر ۱۰۳/ ۱) ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے ۔ اس کے لئے کسی قوم اور کسی شخص کی خصوصیت نہیں ۔ بنی اسرائیل نے بھی ایک زمانے میں اپنے ایمان اور اچھے اعمال کی بدولت دنیا پر فضیلت حاصل کی تھی ۔ پھر یہی لوگ بے ایمانی اور بد کاری کے سبب ذلیل اور مغضوب ہوگئے (حقانی ۴۳۲/ ۱) ۔

رفع طور

٦٣ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو (اٹھا کر) بلند (معلق) کر دیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے (توریت) اس کو قوت کے ساتھ پکڑے رہو اور جو (احکام) اس میں (لکھے) ہیں ان کو یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ۔

اَلطُّوْرَ : طور پہاڑ ۔ عربی میں ہر پہاڑ کو طور کہتے ہیں ۔ جزیرہ نمائے سینا کے ایک خاص پہاڑ کا نام بھی طور ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا ۔ اسے جبلِ سینا بھی کہتے ہیں ۔

مِیْثَاقَکُمْ: تمہارا عہد ۔ تمہارا پیمان ، وَثَاقَۃٌ سے اسمِ آلہ ۔

رَفَعْنَا: ہم نے بلند کیا ۔ ہم نے اونچا کیا ۔ ہم نے معلق کر دیا ۔ رَفْعٌ سے ماضی ۔

مَآاٰتَیْنٰکُمْ: جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ۔ اس سے مراد توریت ہے ۔

بِقُوَّۃٍ: قوت کے ساتھ ۔ اس سے مراد اطاعت ہے ۔ یعنی توریت پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنیکا وعدہ کرو ورنہ تم پر پہاڑ گرا دیا جائیگا ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کا عہد و پیمان یاد دلایا ہے کہ میں نے تم سے اپنی عبادت اور اپنے نبی کی اطاعت کا وعدہ لیا تھا اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لئے میں نے کوہِ طور کو تمہارے سروں پر سائبان کی طرح لا کھڑا کیا تھا ۔ پھر جب تمہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ گر کر تمہیں ہلاک کر دے گا تو ہم نے کہا کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھام لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد رکھو یعنی اس کو پڑھتے رہو تو بچ جاؤ گے ۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا فرمائی تو انہوں نے اپنی قوم کو اس کو قبول کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے صاف کہدیا کہ اس کتاب میں دیئے ہوئے احکام سخت ہیں اس لئے ہم سے اس پر عمل نہیں ہوسکتا ۔ اس انکار پر حضرت جبرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہِ طور کے ایک حصہ کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر کے ان سے کہا کہ اگر تم توریت کو نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائیگا ۔ آخر چار و ناچار انہیں ماننا پڑا ۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس واقعہ کو حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے ۔ (ابن کثیر ۱۰۴ / ۱، مظہری ۷۸ / ۱) ۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

٦٤ ۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

پھر اس کے بعد بھی تم (اپنے عہد سے) پھر گئے ۔ پس اگر تمہارے اوپر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے ۔

تَوَلَّيْتُمْ : تم پھر گئے ۔ تم نے منہ موڑ لیا ۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی ۔

خٰسِرِیْنَ : خسارہ پانے والے ۔ نقصان اٹھانے والے ۔ خُسْرٌ اور خُسْرَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : بظاہر اس آیت کے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم لوگوں نے لتنے پختہ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور عہد شکنی کر ڈالی ۔ اس کے باوجود ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا تم سے پہلے بے ایمانوں اور عہد شکنوں پر ہوتا رہا ۔ یہ تم پر محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کا فضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن بنا کر بھیجا ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اور تم اس عہد شکنی کی بنا پر دنیا اور آخرت میں برباد ہو جاتے ۔ (ابن کثیر ۱۰۵/ ۱ ، مظہری ۷۸ ، ۷۹/ ۱) ۔

صورتیں مسخ ہونا

۶۵ ۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ ؁

اور البتہ تم اپنے میں سے ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو ہفتہ کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے نکل گئے ۔ پس ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ ۔

اعْتَدَوْا : وہ حد سے نکلے ۔ انہوں نے زیادتی کی ۔ اِعْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

السَّبْتِ : ہفتہ کا دن ۔ سنیچر ۔ یہود کے ہاں ہفتہ ایک مقدس دن شمار ہوتا ہے ۔ ان کے ہاں یہ دن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہے اور اس روز دنیاوی کام مثلاً تجارت ، زراعت ، یا شکار وغیرہ ممنوع ہیں ۔

خٰسِئِیْنَ : ذلیل کئے ہوئے ۔ خوار کئے ہوئے ۔ خَسْئًا سے اسم فاعل بمعنی مفعول ۔

تشریح : یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا۔ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے معظم و محترم اور عبادت کے لئے مقرر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن ان پر مچھلی کا شکار حرام فرمادیا تھا۔ ان کی آزمائش کے لئے ہفتہ کے دن تمام مچھلیاں دریا کی سطح پر جمع ہو جاتیں۔ یہ مچھلیاں اس کثرت سے ہوتیں کہ دریا کا پانی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ہفتہ کے علاوہ اور دنوں میں ایک مچھلی بھی دکھائی نہ دیتی۔ یہ لوگ مچھلی کے شوقین تھے اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے حیلہ سازی سے ایک تدبیر نکالی۔ وہ ہفتہ کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود کر دریا کا پانی ان میں چھوڑ دیتے۔ پانی کے ساتھ مچھلی بڑی مقدار میں ان گڑھوں میں چلی جاتی۔ جب گڑھے پانی اور مچھلی سے بھر جاتے تو دریا سے گڑھوں میں پانی آنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے روز ان گڑھوں سے مچھلی نکال لیتے۔ اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر صورت مسخ کرنے والا عذاب نازل فرمایا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر بنا دیا۔ پھر تین دن کے بعد وہ سب مرگئے (مظہری ۱/۷۹)۔

عبرت کا سامان

٦٦۔ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

پس ہم نے اس (واقعہ) کو اس زمانے کے لوگوں کے لئے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنا دیا۔

نَكَالًا : عذاب، سزا، عبرت، ایسی سزا اور واقعہ جو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہو اور جس کو دیکھ کر لوگ نصیحت پکڑیں۔

مَوْعِظَةً : نصیحت۔ وہ نصیحت جس میں مخاطب کو ڈرایا جائے۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات اس غرض سے بیان کئے ہیں کہ ایک طرف تو خود بنی اسرائیل کو ندامت و شرمندگی ہو اور وہ اپنی حقیقت کو پہچان کر راہ راست پر آجائیں۔ دوسری طرف ان واقعات میں

مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کو اختیار کریں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرما دیا ہے کہ اگر چہ صورتیں مسخ ہونے کا واقعہ گزشتہ زمانے میں پیش آیا تھا مگر وہ اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے زمانوں میں ہونے والے لوگوں کے لئے باعث عبرت اور سرمایہ نصیحت ہے ۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کے انجام سے آگاہ رہیں ۔ اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزا بنی اسرائیل پر ان کے مکر و فریب اور حیلے بہانے سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئی ، وہی عذاب و سزا اسی قسم کا حیلہ کرنے پر کہیں ان پر نہ آجائے ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہُریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم وہ نہ کرو جو یہود نے کیا ۔ پس تم حیلے حوالوں سے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو ۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو ۔ (ابن کثیر ۱۰۷/ ۱) ۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی اس کے عذاب اور غصہ کا سبب بنتی ہے ۔ اس لئے ایسے واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان تمام امور سے بچنا چاہئے جن سے اس کی نافرمانی ہوتی ہو اور ایسے امور اختیار کرنے چاہئیں جن سے اس کی رضا حاصل ہو ۔

گائے ذبح کرنے کا حکم

۶۷ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ انہوں نے (حضرت موسیٰ سے) کہا ۔ کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے ۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں ۔

يَاْمُرُكُمْ : وہ تمہیں حکم دیتا ہے ۔ اَمْرٌ سے مضارع ۔

تَذْبَحُوْا : تم ذبح کرتے ہو ۔ ذَبْحٌ سے مضارع ۔

بَقَرَةً : گائے ۔ بیل ۔ اسم جنس ہے ۔ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے ۔

ھُزُواً: مذاق ۔ ہنسی ، مسخرا پن ، مصدر بمعنی مفعول ۔

الجٰھِلِیْنَ: جاہل ۔ نادان ، بے عقل ۔ جَہل سے اسم فاعل ۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے مقررہ صحیح طریقے کے خلاف کرنا ۔

تشریح: یہاں سے گائے ذبح کرنے کے واقعہ کا بیان شروع ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم میری اس نعمت کو بھی یاد رکھو کہ میں نے ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو مقتول کے مردہ جسم پر مارنے سے ، خلاف عادت اور معجزے کے طور پر اس مقتول کو زندہ کر دیا اور اس نے اپنے قاتل کا پتہ بتادیا ۔ اس طرح ایک بڑا فتنہ جو اس قتل کی بناء پر ابھرنے والا تھا ، دب گیا ۔

اس واقعہ کے ابتدائی حصہ کا بیان اگلے رکوع کے شروع میں ہے ۔ اس کے بعد کا حصہ یہاں بیان کیا گیا ہے ۔ اس تقدیم و تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا مقصد کوئی باقاعدہ قصہ بیان کرنا نہیں کہ اس کی ترتیب کا خیال رکھا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ یہاں بنی اسرائیل کا ، حکم الٰہی کے ساتھ تمسخر کرنا ، اس کی تعمیل نہ کرنا اور اس میں حجتیں نکالنا بیان فرماتا ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا ۔ جب یہ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کر کے اس کے ایک حصہ کو مقتول کے مردہ جسم پر مارنے کے لئے کہا ، جس سے مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کو ظاہر کر دے گا ۔ لوگوں کو حضرت موسیٰ کی اس بات پر تعجب ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ حضرت موسیٰ ان سے مذاق کر رہے ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ معاذ اللہ دل لگی اور مذاق کرنا تو جاہلوں کا کام ہے ۔

گائے کی صفات

۶۸ ۔ ۷۱ ۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ ط قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ ط عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ ط فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ہ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَالَوْنُھَا ط قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ہ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا ط وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے ۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچہ (بلکہ ان دونوں (بڑھاپے اور جوانی) کے درمیان ہو ۔ پس اب تم کر ڈالو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ (اے موسیٰ) اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ (اس گائے) کا رنگ کیسا ہے (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسے گہرے زرد رنگ کی ہونی چاہئے کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے ۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ) آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتا دے کہ وہ (گائے) کیسی ہے ۔ تحقیق اس گائے نے ہمیں شک و شبہ میں ڈال دیا اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پالیں گے (ٹھیک ٹھیک سمجھ جائیں گے) ۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو زمین میں جوتی گئی اور نہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا گیا ، صحیح و سالم ہے ، اس میں کوئی داغ دھبہ نہیں ۔ انہوں نے کہا اب آپ نے صحیح بات بتائی ہے ۔ پھر انہوں نے اس (گائے) کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے ۔

فَارِضٌ : بوڑھی جو بچہ دینے کے قابل نہ ہو ۔ یہ فَرْضٌ سے مشتق ہے جس کے معنی منقطع کے ہیں ۔ بوڑھے کی عمر کے برس بھی منقطع ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو فَارِض کہتے ہیں ۔

بِكْرٌ : کنواری ، بن بیاہی ، یہاں مراد بچھیا ہے جس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو ۔ فارض اور بکر دونوں سے تانیث کی تا اس لئے حذف کر دیگئی ہے کہ یہ دونوں صفتیں مونث کے ساتھ مخصوص ہیں ۔

عَوَانٌ : درمیانی ، ادھیڑ عمر ، وہ مادہ جو کئی دفعہ بچہ دے چکی ہو ۔ جمع عُوْنٌ ۔

لَوْنُهَا: اس کا رنگ، جمع اَلْوَانٌ۔

صَفْرَاءُ: زرد، پیلا، صُفْرَةٌ سے صفتِ مشبہ۔

فَاقِعٌ: گہرا زرد رنگ، خالص زرد، شوخ زرد، فَقْعٌ و فُقُوْعٌ سے اسم فاعل۔

تَسُرُّ: وہ سرور دیتی ہے۔ وہ بھلی لگتی ہے۔ سُرُوْرٌ سے مضارع۔

تَشٰبَهَ: وہ مشابہ ہو، اس نے شبہ میں ڈالدیا، تَشَابُہٌ سے ماضی۔

ذَلُوْلٌ: جوتا ہوا۔ ہل میں چلا ہوا۔ جس سے محنت لی گئی ہو۔ ذُلٌّ و ذِلٌّ سے صفت مشبہ جمع ذُلُلٌ۔

تُثِيْرُ: وہ جوتتی ہے۔ اِثَارَةٌ سے ماضی۔

حَرْثَ: کھیتی، مصدر ہے۔

مُسَلَّمَةٌ: صحیح و سالم، بے داغ، تندرست، تَسْلِيْمٌ سے اسم مفعول۔

شِيَةَ: داغ، دھبہ، جمع شِيَاتٌ۔

تشریح: جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اب اس کا ذبح کرنا ضروری ہے تو ان کو خیال ہوا کہ جس گائے کے ذبح کرے کا حکم ہوا ہے وہ کوئی بڑی عجیب گائے ہوگی اور اس کی شان تمام گایوں سے نرالی ہوگی۔ اس لئے وہ حضرت موسیٰ سے اس کی صفات پوچھنے لگے۔ یہ ان کی بہت بڑی حماقت تھی۔ اگر وہ بغیر کسی بحث و تمحیث کے کوئی بھی گائے لیکر ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتی مگر انہوں نے حسب عادت اس میں حجتیں نکالنا شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں ان پر تنگی ہوتی چلی گئی۔ آخر کار انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا، اگر چہ وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی بحث و تمحیث سے ظاہر ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ گائے ایک ایسے شخص کی ملکیت تھی جس نے مرتے وقت یہ گائے اور ایک لڑکا چھوڑا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ میں اس گائے کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا نہایت فرماں بردار تھا۔ جب بنی اسرائیل میں یہ واقعہ پیش آیا تو وہ تمام صفات جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے

ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معلوم کی تھیں صرف اسی گائے میں پائی گئیں ۔ بنی اسرائیل نے اسے خریدنا چاہا تو لڑکے نے اسے اپنی والدہ کی اجازت پر منحصر رکھا ۔ اس کی والدہ نے گائے کی اس قدر قیمت لی کہ وہ اس سعادت مند لڑکے اور اس کی والدہ کے لئے ایک طویل مدت تک کافی ہو گئی ۔ یہ اس نیک مرد کے توکل اور فرماں بردار لڑکے کی اطاعت کا ثمر تھا ۔

مقتول کا زندہ ہونا

۷۲ ، ۷۳ ۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ۔ پھر تم اس بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جو چیز تم چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا ۔ پس ہم نے کہا اس (مردے) کو اس (گائے) کے کسی ٹکڑے سے مارو ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۔

اِدّٰرَءْتُمْ: تم نے اختلاف کیا ۔ تم نے ایک دوسرے پر ڈالا ۔ تَدَارُءٌ سے ماضی ۔

تَكْتُمُوْنَ: تم چھپاتے ہو ۔ تم پوشیدہ رکھتے ہو ۔ كَتْمٌ و كِتْمَانٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہ گزشتہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے ، جس میں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں سے کسی نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ۔ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا اس لئے وہ اس کا الزام ایک دوسرے پر لگانے لگے ۔ اللہ تعالیٰ کو اس قاتل کا نام ظاہر کرنا منظور تھا اس لئے ان کو حکم دیا کہ تم ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو مقتول کی لاش کے ساتھ مس کرو ۔ اس سے مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتا دے گا ۔ چنانچہ جب مردہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر فوراً ہی مر گیا اس طرح ایک بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس مردہ کو زندہ کر دیا اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرے گا ۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم ایمان لاؤ

اور اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھو کیونکہ جس طرح وہ ایک مُردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ تمام مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔

یہود کی قساوتِ قلبی

۷۴ ۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؕ

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر کی مانند یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ۔ اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ان میں ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پھر ان سے پانی نکل آتا ہے ۔ اور ان میں ایسے (پتھر) بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ۔

قَسَتْ : وہ (دل) سخت پڑ گئے ۔ وہ سیاہ ہو گئے ۔ دل کی قساوت یہ ہے کہ اس میں خوف و عبرت کی جگہ نہ رہے ۔

الْحِجَارَةِ : پتھر ۔ کنکریاں ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد حَجَرٌ ہے ۔

يَتَفَجَّرُ : وہ پھوٹ پڑتا ہے ۔ وہ جاری ہوتا ہے ۔ تَفَجُّرٌ سے مضارع ۔

يَشَّقَّقُ : وہ شق ہوتا ہے ۔ وہ پھٹ جاتا ہے ۔ تَشَقُّقٌ سے مضارع ۔

يَهْبِطُ : وہ لڑھکتا ہے ، وہ گر پڑتا ہے ۔ ہَبْطٌ و ہُبُوْطٌ سے مضارع ۔

خَشْيَةِ : خشیت ۔ خوف ۔ ڈر ، ہیبت ، خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم ملی ہوئی ہو یعنی جس سے ڈرا جائے اس کی عظمت دل میں ہو ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کی قساوتِ قلبی بیان کی گئی ہے کہ ایسے ایسے واقعات و عجائبات قدرت دیکھنے کے بعد تمہارے دل نرم اور اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے کی بجائے ، گناہ کرتے کرتے پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں ۔ اسی لئے انبیاء کی

نصیحت تم پر کوئی اثر نہیں کرتی ۔ تم سے تو پتھر ہی بہتر ہیں کہ بعض پتھروں میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں جن سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب وہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ خشیتِ الٰہی سے زمین میں آگرتے ہیں ۔ تمہارے دلوں میں تو یہ وصف بھی نہیں ۔ لہٰذا وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اس لئے نصیحت کی کوئی بھی بات ان پر اثر نہیں کرتی ۔

کلامِ الٰہیٰ میں تحریف

۷۵ ۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَ قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ (یہود) تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے (حالانکہ) ان میں کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے ۔ پھر اس (کلام) کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتے تھے ۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ: کیا تم طمع رکھتے ہو ۔ کیا تم توقع رکھتے ہو ۔ کیا تم امید رکھتے ہو ۔ طَمَعٌ سے مضارع ۔

یُحَرِّفُوْنَهٗ: وہ اس میں تحریف کرتے ہیں ۔ وہ اس کو بدل دیتے ہیں ۔ تَحْرِیْفٌ سے مضارع ۔

تشریح: بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات کے بیان کے بعد گزشتہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہود کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں اس لئے ان پر عبرتناک واقعات کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی ہے اور ان کو بتادیا ہے کہ یہود سے اسلام قبول کرنے کی امید رکھنا عبث ہے ۔ یہ شریر قوم ہے ۔ ان کے بڑوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور سمجھنے کے بعد بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا ۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے وعدے کی جگہ لے گئے جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ۔ پھر جب یہ

لوگ وہاں سے واپس آئے تو ان میں سے جو سچے تھے انہوں نے تو جس طرح سنا تھا اسی طرح قوم کو پہنچا دیا اور جن کے دلوں میں فساد تھا انہوں نے آکر یہ کہا کہ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کلام کے) آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان احکام کے کرنیکی طاقت رکھتے ہو تو کرو ورنہ نہ کرو ۔ پس یہی تحریف تھی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ کلامِ الٰہیٰ ایسا نہیں ہے (مظہری ۸۶ / ۱) ۔

جب ان کے بڑوں کا یہ حال تھا تو ان سے کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ یہ اسلام قبول کرلیں گے ۔ یہ لوگ بد بخت اور بد طینت ہیں ۔ یہ ہر گز ایمان نہیں لائیں گے ۔

یہود کی منافقت

۷۶ ۔ وَ اِذَ الَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلاَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْآ اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ط اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ ۝

اور جب یہ (منافقین یہود) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ ان سے) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب یہ ایک دوسرے سے تنہا ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں کو وہ سب باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کر دی ہیں تاکہ اس سے وہ تمہیں تمہارے رب کے رو برو الزام دینے لگیں ۔ کیا تم نہیں سمجھتے ۔

اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ : کیا تم ان سے بیان کرتے ہو ۔ تَحْدِیْثٌ سے مضارع ۔

یُحَآجُّوْکُمْ : وہ تم سے حجت کرتے ہیں ۔ وہ تم سے جھگڑا کرتے ہیں ۔ مُحَاجَّۃٌ سے مضارع ۔

تشریح : اس آیت میں ان یہودیوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو منافق تھے ۔ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تو ان پر اپنا ایمان ظاہر کر کے انہیں خوش کرنے اور اپنے ایمان کو سچ ثابت کرنے کے لئے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق کے لئے وہ تمام پیش گوئیاں اور بشارتیں بیان کرتے جو توریت میں موجود تھیں ۔ پھر جب یہ لوگ آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کرتے اور کہتے کہ تم اپنی تعلیمات

مسلمانوں پر ظاہر کر کے خود اپنے خلاف انہیں ہتھیار مہیا کرتے ہو ۔ مسلمان یہی دلائل تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں ۔ اور تمہاری ہی باتوں کو سند بنا کر قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں گے کہ یہود سب کچھ جانتے تھے پھر بھی ان لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ۔

۷۷ ۔ اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ؕ

کیا یہ (یہودی) اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں ۔

یُسِرُّوۡنَ : وہ چھپاتے ہیں ۔ اِسۡرَارٌ سے مضارع ۔

یُعۡلِنُوۡنَ : وہ علانیہ کرتے ہیں ۔ وہ ظاہر کرتے ہیں ۔ اِعۡلَانٌ سے مضارع ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کے پڑھے لکھے منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ مومنوں سے اپنا کفر بھی چھپاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توریت میں جو بشارتیں اور پیش گوئیاں آئی ہیں وہ بھی چھپاتے ہیں مگر اس سے ان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام پوشیدہ اور ظاہری امور سے باخبر ہے اور جب چاہے وہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ظاہر فرما دے ۔

جھوٹی آرزوئیں

۷۸ ۔ وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ؕ

اور ان میں سے بہت سے ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے دل خوش کن باتوں کے اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں ۔

اُمِّیُّوۡنَ : ان پڑھ ، ناخواندہ ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے ۔ اس کا واحد اُمِّیٌّ ہے ۔

اَمَانِیَّ : جھوٹی آرزوئیں ، تمنائیں ، یہ بھی جمع ہے اس کا واحد اُمۡنِیَّۃٌ ہے ۔ امنیہ اس آرزو اور تمنا کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے دل ہی دل میں پختہ کرتا ہے ۔ یہاں وہ جھوٹی باتیں مراد ہیں جو یہود کے علماء نے گھڑ لی تھیں (مظہری ۸۷ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں یہود کے ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ توریت کو تو جانتے ہی نہیں ۔ انہوں نے صرف چند خیالی ، سنی سنائی من گھڑت اور بے بنیاد باتیں اپنے دلوں میں جما رکھی ہیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے ۔

لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ۔ بقرہ ۱۱۱ ۔

جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی ہرگز نہیں جائے گا ۔

اس کا سبب ان کی کم عقلی اور کم فہمی تھی ۔ ان کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ توریت میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے چند بے بنیاد باتیں سنکر اپنے دلوں میں پختہ کر رکھی تھیں اور وہ توقع رکھتے تھے کہ ان کے بزرگ ان کے گناہ بخشوا دینگے ۔

توریت میں تحریف پر وعید

۷۹ ۔ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ؕ

پس بڑی خرابی ہے ان کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (توریت) لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ تاکہ اس سے کچھ قیمت حاصل کرلیں ۔ پھر تُف ہے ان کے ہاتھوں سے لکھنے پر اور تُف ہے ان کی کمائی پر ۔

وَیْلٌ: ہلاکت ہے ۔ یہ کلمہ زجر و عذاب ہے ۔

ثَمَنًا: قیمت ۔ دام ، جمع اَثْمَانٌ ۔ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن ہے یہاں ثمن سے مراد دنیوی معاوضہ ہے ۔

تشریح: علماء یہود خوب جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ برحق ہیں مگر ایمان لانے سے اس لئے گریز کرتے تھے کہ کہیں وہ آمدنی نہ بند ہو جائے جو وہ توریت میں تحریف کر کے عام لوگوں کو ان کی حسب منشاء مسائل بتاکر حاصل کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ ان کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر عوام کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ نبیٔ آخرالزّمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توریت میں لکھی ہوئی ہیں وہ تمام محمد صلی اللہ علیہ

وسلم میں موجود ہیں، تو تمام یہود ، مسلمان ہو جائیں گے اور اس طرح ان کی سب کمائی جاتی رہے گی ۔ اس لئے انہوں نے توریت میں جہاں جہاں آپؐ کی صفات تھیں وہاں تحریف کر دی ۔ اس آیت میں علماءِ یہود کی اسی حالت کا ذکر ہے کہ وہ تھوڑی سی قیمت کے حصول کے لئے ، اپنے امراء کی خواہش کے مطابق اپنے ہاتھوں سے جھوٹی روایات لکھ کر پیش کر دیا کرتے تھے اور کہدیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یعنی توریت کی عبارت ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تُف ہے اس لکھنے پر اور تُف ہے اس کمائی پر ۔

منکرین عذاب کے دعوے کی تردید

۸۰ - وَقَالُوْالَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ، قُلْ اَتَّخَذْ تُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ،

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہر گز نہ چھوئے گی ۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھیئے کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد کرالیا ہے کہ پھر وہ اپنے عہد کے خلاف ہر گز نہ کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ۔

اَتَّخَذْتُمْ : تم نے لے لیا ۔ تم نے بنا یا ۔ اِتِّخَاذٌ سے مشتق ہے ۔

عِنْدَ : نزدیک ۔ قریب ۔ پاس ۔ اسم ظرف ۔

عَهْدًا : عہد ۔ قول ۔ اقرار ۔ پیمان ۔ اسم بھی ہے مصدر بھی ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کے اس دعوے کا بیان ہے کہ ان کو دوزخ کی آگ چند روز سے زیادہ نہیں چھوئے گی ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار برس ہے ۔ ہر ہزار برس کے عوض ہمیں ایک دن عذاب ہو گا قتادہ اور عطا فرماتے ہیں کہ چند روز سے یہود کی مراد وہ چالیس دن ہیں جن میں ان کے آباء و اجداد نے گائے کی پوجا کی تھی ۔ (مظہری ۸۸ / ۱) ۔

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور محبوب سمجھتے تھے ۔ اس کی سند میں وہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو بیان کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ان پر

گئے ۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی طرف سے کئی باتیں گھڑ رکھی تھیں ۔ انہیں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی سزا دی بھی تو وہ صرف گنتی کے چند روز کے لئے ہوگی ۔ لہذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ کہکر ان کی تکذیب کر دی کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ تمہیں اسی قدر عذاب ملے گا جو تم دعویٰ کرتے ہو ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ایسا عہد لے لیتے تو وہ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہ کرتا ۔

اہل جنت و دوزخ

۸۱ ،۸۲ - بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہاں جس کسی نے برائی کمائی ہوگی اور اس کو ہر طرف سے گناہوں نے گھیر لیا ہو گا ۔ پس وہی اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جن لوگوں نے ایمان لا کر اچھے اعمال کئے ہوں گے وہی اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

اَحَاطَتْ : اس نے گھیر لیا ۔ اس نے احاطہ کر لیا ۔ اِحَاطَةٌ سے ماضی ۔

خَطِيْٓـئَتُهٗ : اس کی خطا ۔ اس کا گناہ ۔ یہ واحد ہے ۔ اس کی جمع خَطِيْئَاتٌ ہے ۔

تشریح : حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں برائی سے مراد کفر ہے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے شرک مراد ہے ۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے کبیرہ گناہ مراد ہیں جو تہ بہ تہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں ۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں ۔ پھر آپؐ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ اگر لوگ ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو وہ بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے (ابن کثیر ۱۱۹/ ۱) ۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے مذکورہ بالا دعوے کو کہ ان کو دوزخ کی آگ چند روز سے زیادہ نہ چھوئے گی رد فرمادیا ہے ۔ اور واضح طور پر بتایا ہے کہ کفر

کی وجہ سے کافر کا کوئی بھی عملِ صالح قبول نہیں ہوتا بلکہ اگر کسی نے کفر سے پہلے کچھ نیک کام کئے ہوں وہ بھی کفر کی بنا پر ضائع ہو جاتے ہیں ۔ اس لحاظ سے کافر سرتا پا بدی میں گھرا ہوا ہوتا ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے ۔ دوسری طرف اہل ایمان ہیں ۔ اول تو ان کا ایمان ہی بہت بڑا عملِ صالح ہے پھر جو اعمالِ صالحہ ان سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے ہیں اس لئے وہ جنت کے مستحق ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔

پس مذکورہ آیات کی رو سے کافر کا ابدی جہنمی ہونا ثابت ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ ان کے بعد حضرت عیسیٰ نبی ہوئے اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ۔ اور اب قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت ۔ اور یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا انکار کیا لہذا وہ کافروں میں شامل ہو گئے ۔ اس لئے اس ضابطے کی رو سے وہ بھی ابدی جہنمی ہیں ۔ پس ان کا مذکورہ بالا دعویٰ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ خلافِ دلیل بھی ہے ۔ (معارف القرآن ۲۵۲، ۲۵۳/ ۱) ۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

۸۳ - وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ہ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ۔ پھر تم میں سے چند آدمیوں کے سوا سب منہ موڑ کر پھر گئے ۔

مِيْثَاقَ : اقرار ، عہد ، پیمان ، وَثَاقَۃٌ سے اسم آلہ ۔ یہ واحد ہے اس کی جمع مَوَاثِيق آتی ہے ۔

یَتٰمیٰ: یتیم بچے ، یہ جمع ہے اس کا واحد یَتِیمٌ ہے ۔ یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے مر جائے ۔

مَسٰکِیْنِ: مسکین ۔ غریب ۔ محتاج ۔ اس کا واحد مِسْکِیْنٌ ہے ۔ مسکین وہ مفلس ہے جو صاحب زکوٰۃ نہ ہو خواہ وہ بیمار ہو یا تندرست ۔

حُسْنًا: اچھا ہونا ۔ عمدہ ہونا ، مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے پانچ احکام یاد دلائے ہیں ۔
(۱) سب سے پہلے تعظیم الہیٰ کا ذکر فرمایا کیونکہ یہی (توحید ہی) تمام نیکیوں کی بنیاد ہے ۔

(۲) اسی سے متصل ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ۔ گو یا توحید کے بعد ماں باپ کی تعظیم و حرمت دوسرے درجہ کا حکم ہے اور والدین ہی نہیں بلکہ ان کے سبب جو رشتے اور قرابتیں پیدا ہوتی ہیں خواہ وہ ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے ، ان سب کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی تاکید ہے ۔ جس طرح ماں باپ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اہلِ قرابت کی تعظیم کا حکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق کے ساتھ خیر و بھلائی کی تاکید ہے ۔ خاص طور پر یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۔ اگر وہ قرابت دار ہیں تو اور بھی زیادہ حسن سلوک کے مستحق ہیں ۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ ۔ اس نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ اس نے پھر عرض کیا کہ پھر کس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا اپنے باپ کے ساتھ ۔ پھر اور قریب والے کے ساتھ ، پھر اور قریب والے کے ساتھ (ابن کثیر ۱۱۹/ ۱) ۔

(۳) بنی نوعِ انسان کے لئے عمدہ بات کہنا ، اچھا مشورہ دینا ، فحش اور بد کاموں سے نرمی اور اخلاق کے ساتھ منع کرنا ، ترش روئی سے پیش نہ آنا ۔

مسند احمد میں حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے ہنستے

ہوئے چہرے کے ساتھ ہی ملاقات کرلو (ابن کثیر ۱۲۰/۱) ۔
(۴) نماز قائم کرو ۔ سجدہ کرو اور دعا کرو ۔ مصیبت کے وقت اسی سے التجا کرو ۔
(۵) اس کے بعد زکوٰۃ یعنی مالی عبادت کا حکم ہے جس سے یتیموں اور مسکینوں کا حق بھی ادا ہوتا رہے ۔

یہود میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے ان احکام سے منہ موڑ لیا تھا پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے محب ہونے کے دعوایدار تھے ۔

۸۴ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو جلا وطن کرنا ۔ پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس کی) شہادت بھی دیتے ہو ۔

تَسْفِكُوْنَ: تم (خون) بہاتے ہو ۔ تم خونریزی کرتے ہو ۔ سَفْكٌ سے مضارع ۔
دِمَآءَكُمْ: تمہارے خون ۔ تمہارے لہو ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد دَمٌ ہے ۔
تشریح: اس آیت میں مزید دو حکموں کا بیان ہے جو بنی اسرائیل پر فرض کئے گئے تھے ۔

(۱) آپس میں خونریزی نہ کرنا ۔ (۲) اپنی قوم کے لوگوں کو جلا وطن نہ کرنا ۔

۸۵ ۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

پھر تم ہی تو ہو جو اپنے لوگوں کو اپنے آپ قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو

ان کے گھروں سے باہر نکالتے ہو ۔ ان پر گناہ اور ظلم کے ساتھ چڑھائی کرتے ہو ۔ اور اگر (وہی لوگ غیر قوموں کے) قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم فدیہ دیکر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالدینا ہی تم پر حرام تھا ۔ اور پھر کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو ۔ پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت کے روز بھی اس کو سخت عذاب میں ڈالا جائے ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ۔

تَظٰهَرُوْنَ: تم آپس میں مدد کرتے ہو ۔ تَظَاهُرٌ سے مضارع ۔

عُدْوَانِ: حد سے بڑھنا ۔ ظلم ۔ زیادتی ۔ مصدر ہے ۔

اُسٰرٰی: گرفتار ہو کر ۔ قیدی بن کر ۔ یہ اَسِیْرٌ کی جمع ہے ۔

تُفٰدُوْهُمْ: تم فدیہ دیکر ان کو قید سے چھڑاتے ہو ۔ مُفَادَاةٌ سے مضارع ۔

خِزْیٌ: ذلت ۔ خواری ۔ رسوائی ۔ مصدر ہے ۔

یُرَدُّوْنَ: وہ لوٹائے جائیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول ۔

تشریح: مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے ۔ ایک اوس اور دوسرا خزرج ۔ دونوں بتوں کی پوجا کرتے تھے ۔ اسلام سے پہلے ان میں لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا ۔ یہود کے تین قبیلے تھے ۔ ایک بنو قَینُقَاع ، دوسرا بنو نُضَیر اور تیسرا بنو قُرَیظَہ ۔ ان میں سے بنو قینقاع اور بنو نضیر تو خزرج کے طرفدار اور حامی تھے اور بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے ۔ جب اوس و خزرج کے قبیلوں میں جنگ و جدال ہوتا تو یہود کے یہ تینوں قبیلے بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے ۔ جنگ میں دونوں طرف کے یہودی بھی ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جاتے اور موقع پا کر وہ ایک دوسرے کے گھروں کو اجاڑ دیتے ، ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے اور ان کو دیس نکالا بھی دیدیتے تھے ۔ جب لڑائی رک جاتی تو فریقِ مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دیکر ان کو چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم اس کو فدیہ دیکر چھڑالیں ۔ (ابن کثیر ۱۲۰/ ۱) ۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود کی اسی حالت کا

بیان ہے کہ اس عہد و پیمان کے باوجود تم آپس میں خون ریزی بھی کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ دوسرے کو جلا وطن بھی کرتا ہے ۔ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ان جلا وطن کئے ہوئے لوگوں میں سے کوئی شخص دوسری قوم کے ہاتھوں قید ہو جائے تو تم اسرائیلی کا آزاد کرانا کارِ ثواب جان کر، اس کو مال کے بدلے قید سے رہائی دلاتے ہو حالانکہ تم ان کو جلا وطن کرنے کے حکم سے انکار کرتے ہو ۔ پھر تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو اس کی یہی سزا ہے کہ وہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو اور قیامت میں وہ سخت عذاب میں مبتلا ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

٨٦ - أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ط

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو خرید لیا ۔ پس نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی ۔

اشْتَرَوُا : انہوں نے بیچا ۔ انہوں نے خریدا ۔ اِشْتِرَاءٌ سے ماضی ۔

يُخَفَّفُ : اس میں تخفیف کی جائے گی ۔ اس میں کمی کی جائے گی ۔ تَخْفِيْفٌ سے مضارع مجہول ۔

تشریح : یہی وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کی ذرا پرواہ نہیں اور انہوں نے آخرت کے عیش و آرام کے بدلے میں فانی دنیا کے حصول کو مقدم جانا ۔ یہ لوگ احکامِ خداوندی کو جانتے ہوئے بھی پسِ پشت ڈالدیتے ہیں، امانت و دیانت ان میں سے اٹھ گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں، آپؐ کی نشانیاں، آپؐ کی نبوت کی تصدیق، آپؐ کی جائے پیدائش اور جائے ہجرت وغیرہ سب توریت میں موجود تھیں مگر یہ ان سب کو چھپاتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے ۔ پس یہی لوگ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا ۔

انبیاء کی تکذیب

٨٧ - وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

بِالرُّسُلِ ز وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے ۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے معجزے دئے اور پاک روح (جبرائیلؑ) سے اس کو قوت دی ۔ پھر کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ حکم لائے جس کو تمہارا دل نہ چاہے تو تم تکبر کرنا شروع کر دو ۔ پھر ایک گروہ کو تم جھٹلانے اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگو ۔

قَفَّيْنَا : ہم نے پے در پے بھیجا ۔ ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا ۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی ۔

اَيَّدْنٰهُ : ہم نے اس کی تائید کی ۔ ہم نے اس کو قوت دی ۔ تَأْيِيْدٌ سے ماضی ۔

قُدُسِ : پاک ہونا ۔ یہاں مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں ۔ یہ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

كُلَّمَا : جب کبھی ۔ جس وقت ۔ اکثر ۔ یہ لفظ كُلٌّ اور مَا سے مرکب ہے ۔

تَهْوٰى : وہ خواہش کرتی ۔ وہ چاہتی ہے ۔ هَوًى سے مضارع ۔

تشریح : اب بنی اسرائیل کے اس سلوک کا ذکر ہے جو وہ گزشتہ انبیاء اور رسولوں کے ساتھ کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی تھی ۔ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ان کا دین توریت کے ذریعہ قائم رہا اور اس کی تعلیم و ترویج کے لئے ہم نے پے در پے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کو نبوت کی کھلی دلیلیں دیکر بھیجا اور روح القدوس کے ساتھ ان کی تائید کی ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی جو کھلی دلیلیں دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ مُردوں کو بحکم خدا زندہ کر دینا ، بیماروں کو تندرست کر دینا ، برص زدہ کو شفایاب اور اندھوں کو آنکھ والا کر کے دکھا دینا ، مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر اس کو بحکم خدا اڑا دینا وغیرہ ۔ اس سے تمام بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی ۔ بنی اسرائیل نے اپنی ازلی بد بختی سے یہ کیا کہ جب بھی کوئی رسول ایسا حکم

لایا جو ان کی خواہشات و توقعات کے خلاف ہو تو انہوں نے خفا ہو کر اس سے منہ پھیر لیا ۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے بہت سے رسولوں کو تو صاف صاف جھٹلایا اور ان کی بے توقیری کی اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا ۔ (حقانی ۴۴۶، ۴۴۷ / ۱ ابن کثیر ۱۲۲ / ۱) ۔

کافروں پر لعنت

۸۸ - وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۔

اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں ۔ (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے ۔ پس وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ۔

غُلْفٌ : غلاف ۔ محفوظ ڈھکے ہوئے ۔ یہ اَغْلَفُ کی جمع ہے ۔ اغلف اس قلب کو کہتے ہیں جس پر خلقی پردہ پڑا ہوا ہو جس کی وجہ سے نہ وہ حق بات سنے اور نہ سمجھے ۔ بعض مفسرین نے غلف کی اصل غُلُفٌ لام کے ضمہ سے بتائی ہے ، پھر لام کو تخفیف کے لئے ساکن کر دیا ۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ پس آیت کے معنی یہ ہوں گے ہمارے دل ہر قسم کے علم کے غلاف اور برتن ہیں یعنی ان میں ہر قسم کا علم بھرا ہوا ہے ، ہمیں تمہارے علم کی ضرورت نہیں (مظہری ۹۴ / ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں بنی اسرائیل کا وہ رویہ اور سلوک بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے ساتھ روا رکھا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ، یہود آپکی نبوت اور قرآنِ مجید کو تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں جو بات سنتے ہیں اسے محفوظ کر لیتے ہیں اور ہم اس پر سختی سے کار بند ہیں جو ہمیں ہمارے بزرگوں سے پہنچا ہے ۔ اپنی ہٹ دھرمی اور کج فہمی کو وہ اپنی خوبی کے طور پر بیان کر رہے ہیں حالانکہ حق کی روشنی کو قبول نہ کرنا کوئی خوبی اور استقامت نہیں بلکہ اس سے تو ان کے دلوں کی کیفیت

ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اس قدر زنگ آلود اور سیاہ ہو گئے ہیں کہ اب ان میں انوارِ ہدایت کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ۔ ان کے اسی کفر و ضلالت کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمادی ہے اور ان کے دلوں کو ہر قسم کی خیر سے دور کر دیا ۔ اسی لئے وہ بہت ہی کم تعداد میں ایمان لاتے ہیں ۔ چنانچہ مشرکین ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ تعداد میں ایمان لائے (حقانی ۲۴۸/ ۱) ۔

یہود کا حسد و عناد

۸۹ ۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۙ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک ایسی کتاب (قرآن) پہنچی جو اس (توریت) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح بھی مانگتے تھے ۔ پھر جب ان کے پاس وہ آیا جس کو انہوں نے پہچان بھی رکھا تھا تو وہ اس کے منکر ہو گئے ۔ سو منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ۔

يَسْتَفْتِحُوْنَ : وہ فتح کی دعا مانگتے ہیں ۔ وہ مدد چاہتے ہیں ۔ اِسْتِفْتَاحٌ سے مضارع ۔

عَرَفُوْا : انہوں نے پہچانا ۔ انہوں نے جانا ۔ عِرْفَانٌ و مَعْرِفَةٌ سے ماضی ۔

تشریح : جب یہودیوں اور مشرکینِ عرب کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لیکر اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ۔ ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان نہ رہے گا ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ! تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں توریت میں بیان کی گئی ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کی معیت میں تیرے دشمن سے انتقام لیں ۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انہوں نے تمام نشانیاں آپؐ میں دیکھ لیں اور آپؐ کو پہچان لیا تو چونکہ آپؐ عرب میں سے تھے اس لئے انہوں نے حسد و عناد کی بنا پر آپؐ کی نبوت کا انکار کر دیا ۔

اس کے بر عکس وہ مشرکین مدینہ جوان یہود سے آپؐ کی بعثت کا زمانہ اور آپؐ کی صفات سنتے چلے آتے تھے ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور بالآخر وہ آپؐ کے ساتھ ہو کر یہود پر غالب آگئے ۔ (ابن کثیر ۱۲۴/ ۱) ۔

امام احمد اور طبرانی نے سلمہؓ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا ۔ اس نے ہم سے عالم آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کیا تو ہم نے اس سے دلیل پوچھی تو اس نے کہا عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبیؐ معبوث ہو گا وہ اس بات کو ثابت کر دے گا ۔ ہم نے پوچھا کہ وہ کب ظاہر ہو گا؟ اس نے میری طرف نظر کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا اپنی طبعی عمر تک زندہ رہا تو دیکھ لے گا ۔ سلمہ کہتے ہیں کہ کچھ روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مشہور ہو گئی ۔ پھر جب آپؐ مدینہ میں آئے تو ہم نے اس یہودی سے کہا اب تو ان پر ایمان کیوں نہیں لاتا ۔ اس نے خجل ہو کر کہا یہ وہ شخص نہیں ۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس (توریت) کی تصدیق کرتی تھی جو ان کے پاس تھی تو انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وہی کتاب اور وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے ، ان کا انکار کر دیا ۔ پس ایسے منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (حقانی ۲۲۸/ ۱) ۔

حسد و عناد کی سزا

۹۰ ۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

انہوں نے اپنے آپ کو بہت ہی بُری چیز کے بدلے بیچ دیا ۔ (وہ یہ کہ) وہ ایسی چیز کا اس حسد میں انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس (وحی) کو اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا کیوں اتار دیا ۔ سو وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۔

بِئْسَمَا : برا ہے جو کچھ کہ ۔

بَغْیاً: حسد کرنا ۔ بغاوت کرنا ۔ سرکشی کرنا ۔ فساد کرنا ۔ ظالم کو باغی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فساد کرتا ہے ۔ جو امام وقت کی مخالفت پر مقابلہ کے لئے نکلے اسے بھی باغی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فساد کرتا ہے ۔ حاسد کو اس لئے باغی کہتے ہیں کہ وہ جس پر حسد کرتا ہے اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے ۔ (مظہری ۹۵/ ۱) ۔

بَآءُوْ: انہوں نے کمایا ۔ وہ مستحق ہوئے ۔ بَوَآءٌ سے ماضی ۔

مُّھِیْنٌ: ذلیل کرنے والا ۔ رسوا کرنے والا ۔ اِھَانَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: یہود نے قرآنِ مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو انکار کیا تھا ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کو تجارت سے تشبیہہ دی ہے کہ انسان دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے آیا ہے اس کا مال تجارت اس کی عمر ہے اور جو کچھ اچھے یا بُرے کام وہ کر رہا ہے ، یہ وہ مال ہے جو وہ اپنی بیش قیمت عمر کے بدلے میں کما رہا ہے ۔ یہود نے اپنی قیمتی عمر کے بدلے میں جو کچھ کمایا یا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا انکار ہے ۔ لہذا یہ بہت بُرا سودا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کا انکار کرنے ، توریت پر عمل نہ کرنے ، بچھڑے کی پوجا کرنے اور ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرنے پر یہود پہلے ہی غضب الہیٰ میں مبتلا تھے اب اس غضب پر مزید غضب یہ ہو گیا کہ انہوں نے قرآنِ کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا بھی انکار کر دیا اور اس کی وجہ ان کا تکبر ، حسد اور بغض و عناد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے نہ تھے بلکہ آپؐ عرب میں سے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کس کو عطا فرمائے اور کس پر اپنے فضل و کرم سے وحی نازل فرمائے ۔ بنی اسرائیل کے کفر کے نتیجہ میں ، قیامت کے روز ان پر ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا ۔ اس کے برعکس گنہگار مومنوں کو جو عذاب ہوگا وہ ذلت و رسوائی کے لئے نہیں بلکہ وہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا ۔ (حقانی ۴۴۹/ ۱ ، ابن کثیر ۱۲۵ / ۱) ۔

حق کا انکار

۹۱ ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَالْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اور اس کے علاوہ وہ سب کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (قرآن) برحق ہے اور تصدیق کرتا ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے۔ آپ ان سے پوچھئے اگر تم ایماندار تھے تو پہلے سے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے۔

وَرَآءَهٗ: اس کے سوا۔ اس کے علاوہ۔

تشریح: جب یہود سے کہا جاتا کہ تم قرآنِ مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہدیتے کہ ہم تو اسی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا ہے یعنی توریت۔ اس سے ان کے حسد کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چونکہ دوسری کتابیں ہم پر نازل نہیں کی گئیں اس لئے ہم دوسری کسی کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہی ان کے دعوے کی تردید ہے کہ جب وہ قرآنِ کریم کو نہیں مانتے جو توریت کی تصدیق کرتا ہے تو اس سے تو خود توریت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ بقرہ ۱۴۶

اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے تو توریت پر بھی ایمان نہ رہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ انبیاء کا قتل تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کفر ہے۔ اگر توریت پر تمہارا ایمان ہے تو تم نے اگلے انبیاء کو جو نئی شریعت اور نئی کتاب کے بغیر آئے اور توریت کی تصدیق و اتباع کرتے تھے، کیوں قتل کیا۔ پس تمہارا ایمان نہ تو اِس کتاب پر ہے اور نہ اُس کتاب پر، تم تو محض خواہش کے بندے، نفس کے غلام اور اپنی رائے اور قیاس کے ماتحت ہو۔ غرض کسی پہلو سے تمہارا قول و فعل صحیح اور درست نہیں مظہری (۹۶/ ۱، ابن کثیر ۱/۱۶۵)۔

بچھڑے کی پوجا

۹۲ - وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔

اور بیشک تمہارے پاس موسیٰؑ کھلے معجزے لیکر آئے پھر بھی اس کے بعد تم نے بچھڑے کو (معبود) تجویز کر لیا اور تم نے تو ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کو بتایا گیا ہے کہ تم دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہو مگر نبوت کی کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود تم صریح شرک میں مبتلا ہو جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی لازم آتی ہے ۔ تم نے حضرت موسیٰؑ سے بڑے بڑے معجزے دیکھے مثلاً طوفان ، ٹڈیاں ، جوئیں ، مینڈک ، خون ، وغیرہ جو حضرت موسیٰ کی بد دعا سے ان کے معجزے کے طور پر ظاہر ہوئے ۔ اسی طرح لکڑی کا سانپ بن جانا ۔ ہاتھ کا روشن ہو جانا ، سمندر کو چیر کر اس میں خشک راستہ بنا دینا ، بادلوں کا سایہ کرنا ، مَنّ و سَلْوٰی اترنا ، پتھر سے نہریں جاری ہونا وغیرہ تمام معجزات حضرت موسیٰ سے ظاہر ہوئے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ۔ یہ سب ان کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں اس کے باوجود ادھر حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ۔ نتیجتاً نہ تو توریت پر تمہارا ایمان رہا اور نہ حضرت موسیٰ پر ۔

بچھڑے کو معبود بنانے کا واقعہ اگرچہ ان یہود کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور ان کے دین کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے اس لئے یہ بھی ان کے دور میں شامل ہیں ۔ (ابن کثیر ۱۲۶/ ۱ ، معارف القرآن ۲۶۲/ ۱) ۔

رفعِ طور

۹۳ - وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تمہارے

اوپر بلند کر دیا (اور تمہیں حکم دیا) کہ جو کچھ ہم تمہیں دیں اس کو مضبوطی سے لے لو ۔ اور سنو ! انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں ۔ اور ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں میں تو بچھڑا گھر کر گیا تھا ۔ آپ کہدیجئے کہ اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم اسی پر ایمان رکھتے ہو جو تم پر نازل کیا گیا یہ بھی صریحاً غلط ہے ۔ کیونکہ تم نے تو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیّنات کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا اور توریت کا انکار کیا حالانکہ جب وہ تمہیں دی گئی تھی تو اس وقت کوہ طور کو تم پر بلند (معلق) کیا گیا تھا اور تم نے یہ جان لیا تھا کہ اب اگر اس کو نہ لیا تو یہ پہاڑ تم پر آگرے گا ۔ اس وقت بھی تمہارا یہ حال تھا کہ زبان سے تو تم نے سمعنا (ہم نے مان لیا) کہا اور دل میں عصینا (ہم نے نہیں مانا) کہا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بے شمار معجزے اور کرامتیں دیکھنے کے باوجود بچھڑے کی پوجا کی برائی تمہارے دلوں میں اس طرح رچ بس گئی تھی جس طرح زمین پانی کو پی لیتی ہے اور پھر اس سے گھاس پھونس اگاتی ہے ۔ اسی طرح تمہارے دل کی زمین میں اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی ، انبیاء کا قتل کرنا اور دل میں عَصَیْنَا کہنا ، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کا انکار کرنا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کا جان بوجھکر انکار کرنا ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور صلہء رحمی کو توڑنا وغیرہ خبیث ، زہریلی اور خاردار جھاڑجھنکار لگتے ہیں جن کے کڑوے اور زہریلے پھل تمہیں دنیا و آخرت میں اٹھانا پڑیں گے ۔ اگر تمہارا ایمان تمہیں یہی حکم دیتا ہے کہ تم ایسی باتیں کرو تو آپ ان سے کہدیجئے کہ یہ بہت برا حکم ہے (حقانی ۱/۴۵۱) ۔

موت کی تمنا کا چیلنج

۹۴ ۔ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

آپ کہدیجئے کہ اگر (بقول تمہارے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت کا گھر دوسروں کے علاوہ خاص تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ۔

تشریح : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت کا گھر اوروں کے مقابلہ میں خاص تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی تمنا کرو اس لئے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جنتی اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور پیارے لوگوں میں سے ہے تو وہ ضرور دنیا کی پریشانی اور مصائب والے گھر سے نجات کی تمنا کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوگا ۔ (مظہری ۹۷ / ۱) ۔

۹۵ ۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

اور وہ تو اپنے ان اعمال کے سبب جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہیں ہر گز ہر گز کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ تو ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہود کے بارے میں پیشن گوئی ہے کہ وہ اپنے ان گناہوں کے سبب جن کا وہ ارتکاب کرتے رہے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اور قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ماننا توریت میں تحریف کرنا وغیرہ ، ہر گز موت کی تمنا نہیں کریں گے ۔

طویل عمر کی حرص

۹۶ ۔ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور البتہ آپ ان کو دنیوی زندگی کا دوسرے سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے خاص کر مشرکوں سے بھی زیادہ ۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار برس ہو جائے اور اس کی عمر کا اس قدر طویل ہو جانا بھی اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتا اور جو کچھ بھی وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

تَجِدَنَّهُمْ : تو ان کو ضرور پائے گا ۔ وُجُوْدٌ سے مضارع با نون تاکید ۔

اَحْرَصَ: بڑا حریص - بڑا لالچی ، حِرْصٌ سے تفضیل -

یَوَدُّ: وہ چاہتا ہے - وہ پسند کرتا ہے - وُدٌّ و مَوَدَّةٌ سے مضارع -

یُعَمَّرُ: اس کی عمر بڑھائی جاتی ہے - تَعْمِیْرٌ سے مضارع مجہول -

اَلْفَ: ایک ہزار -

بِمُزَحْزِحِهٖ: اس کے بچانے کے لئے - زَحْزَحَةٌ سے اسم فاعل -

تشریح: مشرکین عرب تو آخرت کے منکر تھے اس لئے ان کے خیال میں ان کے لئے جو کچھ بہار اور عیش تھی وہ دنیا ہی میں تھی لہذا اگر وہ طویل عمر کی تمنا کریں تو کچھ عجب نہیں - اس کے بر عکس یہود نہ صرف آخرت کے قائل تھے بلکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو آخرت کی نعمتوں کا مستحق کہتے تھے - پھر بھی اگر وہ دنیا میں رہنے کی تمنا کریں تو یہ حیرت اور تعجب کی بات ہے - حقیقت یہ ہے کہ اپنے اعمال بد کی سزا سے ڈر کر موت سے بھاگتے ہیں اور ہزار برس کی عمر چاہتے ہیں تاکہ ان کے اعمال بد کا نتیجہ پیش نہ آئے حالانکہ یہ لوگ ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو عذابِ الہیٰ سے نہیں بچ سکتے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں وہ تمام بندوں کے بُرے ، بھلے اعمال کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کو ویسا ہی بدلہ دے گا - (معارف الحدیث ۲۶۶/ ۱ ، حقانی ۴۵۱/ ۱) -

جبرائیل سے دشمنی

۹۷ ، ۹۸ - قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) اس نے تو اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے - وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ایمان والوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کو خوشخبری سناتا ہے - جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے -

شانِ نزول : مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب یہود نے حضرت جبرائیلؑ کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیلؑ کو اپنا دوست بتایا تو اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں ۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت عبداللہؓ بن سلاّم (اسلام لانے سے پہلے) اپنی زمین پر کام کر رہے تھے اور یہودیت پر قائم تھے ۔ جب ان کو آپؐ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپؐ سے تین باتیں پوچھتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (۱) قیامت کی علامتوں میں سے سب سے پہلی علامت کونسی ہے ۔ (۲) سب سے پہلے اہل جنت کا کھانا کیا ہوگا ۔ (۳) بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے ہمشکل ۔ اسکی کیا وجہ ہے ۔ آپؐ نے فرمایاکہ ابھی ابھی جبرائیلؑ نے مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب بتائے ہیں ۔ حضرت جبرائیلؑ کا نام سن کر عبداللہؓ بن سلاّم نے کہا کہ یہ تو ہمارا دشمن ہے ۔ اس پر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکھٹا کر دے گی ۔ جنتی سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے اس میں مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہوگی ۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہو تا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہو تی ہے ۔ یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہؓ مسلمان ہو گئے ۔ (مظہری ۱۰۲ / ۱ ، ابن کثیر ۱۳۰/ ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو جواب دیا ہے کہ جبرائیلؑ جو کچھ کرتا ہے وہ حکم الٰہیٰ سے کرتا ہے ۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر جو قرآن نازل کیا ہے وہ بھی ہمارے ہی حکم سے کیا ہے لہٰذا جو اس کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے ۔ اب تم خود قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا ہے ۔ یہ سابقہ انبیاء کی تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ۔ اس کے اصول و مطالب حرف بہ حرف ان کے مطابق ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کا انکار گویا ان تمام انبیاء کی کتابوں کا انکار ہے ۔ یہ سراسر ہدایت ہے اور مومنوں کے لئے اس میں خوشخبری ہے ۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے

محض اس وجہ سے ان کا انکار کرنا کہ اس کو جبرائیلؑ لائے ہیں سراسر حماقت ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں ، خاص طور پر جبرائیلؑ و میکائیلؑ کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ ان کافروں کا دشمن ہے (حقانی ۱/۲۵۳) ۔

فاسقین کا کفر

۹۹۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۔

اور بیشک ہم نے آپ پر کھلی آیتیں نازل کی ہیں اور بدکار لوگ ہی ان کا انکار کرتے ہیں ۔

فَاسِقُوْنَ : کفر میں بڑھنے والے ۔ سرکشی کرنے والے ۔ فِسْقٌ و فُسُوْقٌ سے اسم فاعل ۔ اگر فسق کا اطلاق معصیت پر ہو تو یہ معصیت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریقہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ابن صُوریا یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا آپؐ کی جو نشانیاں ہمیں معلوم ہیں ان میں سے کوئی بھی علامت آپؐ میں نہیں پائی جاتی ۔ آپؐ اپنی نبوت کی نشانی کے طور پر کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس سے ہم پہچان لیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نبی ہونے کی کوئی روشن دلیل بیان فرمائی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۰۴/ ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے والوں کے لئے تو آپؐ کے نبی ہونے کی بیشمار دلیلیں موجود ہیں اور قرآن کا معجزہ تو قیامِ قیامت تک باقی اور ظاہر رہے گا ۔ جس میں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ہے ، ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ہیں ۔ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور کلام میں تحریف کرنا مذکور ہے ۔ یہ سب آپؐ کی نبوت کی روشن دلیلیں ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض آپؐ کی تصدیق سے روکدے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک اُمی شخص سے ایسا پاکیزہ ، خوبیوں اور حکمتوں والا کلام نہیں بن سکتا ۔ ایسے کلام پر ایمان نہ

لانا نری جہالت ، کم عقلی اور کج فہمی ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا نافرمانوں ہی کا کام ہے ۔

یہود کی عہد شکنی

۱۰۰ ، ۱۰۱ ۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ق كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

اور کیا (انہوں نے یہ نہیں کیا کہ) جب انہوں نے کوئی عہد باندھا تو ان میں سے ایک فریق نے اس کو (توڑ کر) پھینکدیا ۔ بلکہ ان میں سے بہت سے تو ایمان ہی نہیں رکھتے ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس وہ رسول آیا جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینک دیا گویا کہ وہ اس کو جانتے ہی نہیں ۔

نَبَذَهٗ: اس نے اسکو پھینک دیا ۔ اس نے اس کو پس پشت ڈالدیا ۔ نَبْذٌ سے ماضی ۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن الصیف یہودی سے فرمایا کہ دینِ محمدی کے بارے میں تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے کہ جب وہ ظاہر ہو تو تم اس کی اتباع کرنا ۔ یہ سنکر مالک نے کہا کہ خدا کی قسم ہم سے ہرگز اس کا عہد نہیں لیا گیا ۔ اس کی تکذیب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۰۴\ ۱ ، ابن کثیر ۱۳۳\ ۱) ۔

تشریح: یہود نے جب بھی رسول کی معرفت اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد باندھا یا لوگوں سے عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے فوراً اس کو توڑ دیا ۔ یہی نہیں بلکہ ان میں سے اکثر کو تو اس پر ایمان ہی نہ تھا ۔ اب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا وہ رسول آیا ہے جو توریت ، زبور اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور جس کی خبر اور نشانیاں توریت میں موجود تھیں ۔ یہود نے بشارتوں اور نشانیوں کو چھپانے کے لئے توریت میں ہی تحریف کر ڈالی اور پھر ایسے انجان بن گئے گویا انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق موجود ہے ۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف توریت پر

عمل نہیں کیا بلکہ اس کو پس پشت ڈالدیا اور جادو کے پیچھے پڑ گئے ۔ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا جس کی اطلاع آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دی ۔ (حقانی ۴۵۴ \ ۱، ابن کثیر ۱۳۴ \ ۱) ۔

جادو اور اس کے نقصانات

۱۰۲ - وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْابِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ط

اور وہ (یہود) اس (علم) کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کے (عہد) سلطنت میں پڑھا کرتے تھے ۔ اور (حضرت) سلیمان نے تو کفر نہیں کیا بلکہ وہ شیاطین ہی کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ (یہود) اس کے بھی (پیچھے پڑ گئے) جو بابل شہر میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا ۔ اور وہ دونوں (فرشتے) کسی کو نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں پس تو کافر نہ بن ۔ پس لوگ ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالدیں ۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس سے کسی کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور (یہود) وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کو نقصان پہنچائے اور نفع نہ دے اور بیشک وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو خریدا اس کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور وہ بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا ۔ کاش ان کو سمجھ ہوتی ۔

فِتْنَةٌ: فتنہ ۔ آزمائش ۔ شورش ۔ مصدر ہے ۔

خَلَاقٍ: حصہ ۔ فضیلت ۔

شانِ نزول: یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سحر کی نسبت کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا تو یہود کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو دیکھو کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کرتے ہیں اس طرح گویا وہ حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں حالانکہ وہ بڑے چالاک جادو گر تھے ۔ اور جادو کے زور سے ہوا پر اڑا کرتے تھے ۔ ان کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین بحوالہ ابن جریر ۔ ۳۳) ۔

تشریح: ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہود کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر جادو جیسی واہیات شعبدہ بازیوں میں لگ گئے ۔ حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی برأت میں فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا بلکہ وہ شیاطین ہی تھے جو کفر کے مرتکب ہوئے اور وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے (حقانی ۴۵۵ / ۱) ۔

ایک زمانے میں بابل شہر میں جادو کا بہت چرچا تھا ۔ جادو کے اثرات کو دیکھ کر جاہل لوگ انبیاء کے معجزوں میں شبہ کرنے لگے ۔ بعض لوگ جادوگروں کو مقدس اور قابل اتباع سمجھنے لگے اور بعض لوگ جادو کو نیک کام سمجھ کر اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے ۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے شبہ اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اور جادو کی حقیقت اور شعبدوں سے مطلع کرنے کے لئے بابل شہر میں دو فرشتے بھیجے جن کے نام ہاروت و ماروت تھے ۔ ان فرشتوں نے بابل میں آکر لوگوں کو سحر کے اصول و فروع بتائے اور ان کو اس پر عمل سے اجتناب اور ساحروں سے نفرت و دوری رکھنے کی تاکید کی ۔ جب بھی کوئی جادو کے اصول و فروع سیکھنے کے لئے ان فرشتوں کے پاس آتا تو یہ اس کو احتیاط و تبلیغ اور ان لوگوں کی اصلاح کی غرض سے سحر کے اصول بتانے سے پہلے لوگوں سے کہدیا کرتے تھے کہ ہم جو سحر کے اصول و فروع بیان کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہے کہ کون ان چیزوں کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور کون اپنا دین خراب کرتا ہے ۔ دیکھو ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ تم اچھی نیت سے سحر کے اصول

سیکھنا اور پھر اس پر ثابت قدم رہنا ایسا نہ ہو کہ تم ہم سے کہکر سیکھ لو کہ ہم اپنے دین کو بچانے کیلئے پوچھ رہے ہیں اور پھر خود اس خرابی میں پڑ کر اپنا ایمان برباد کر لو (معارف القرآن ۲۷۱ ۔ ۲۷۳/ ۱) ۔

توریت میں جادو کی ممانعت پڑھنے کے باوجود، یہود اس علم کو سیکھتے تھے جس کا کچھ بھی نفع نہ تھا ۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جو کوئی اس جادو کو سیکھے گا وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا ۔ لہذا ان کا سحر سیکھنا جو انہوں نے اپنی بیش قیمت عمر کا ایک حصہ دیکر سیکھا تھا ، بہت بُری چیز تھی ۔ کاش ان کو اس کا علم ہوتا (حقانی ۱/۳۵۵) ۔

حصولِ خیر کا معیار

۱۰۳ ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ خَيْرٌ ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ،

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا اجر ان کے لئے بہتر تھا ۔ کاش ان کو علم ہوتا ۔

لَمَثُوْبَةٌ: البتہ ثواب ، البتہ بدلہ ، البتہ معاوضہ ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب بھی اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور اچھے کام کریں اور معاصی اور سحر کو چھوڑ کر پرہیزگاری اختیار کریں تو ان کے لئے آخرت میں بہت اچھا اجروثواب ہے ۔ کاش ان کو علم ہوتا ۔

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت

۱۰۴ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ، وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ،

اے ایمان والو ! تم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ) رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو اور (توجہ سے) سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

رَاعِنَا: ہماری رعایت کر ۔ ہماری طرف متوجہ ہو ۔ ذرا توقف فرمائیے تاکہ ہم

آپ کا کلام سمجھ لیں ۔ مُرَاعَاۃٌ سے امر ۔

اُنْظُرْنَا: ہماری رعایت کر ۔ ہماری طرف متوجہ ہو ۔ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر وعظ و نصیحت سنتے ۔ اگر کوئی بات نہ سن سکتے اور اس کو دوبارہ پوچھنا چاہتے تو رَاعِنَا کہتے ۔ ان کی تقلید میں کبھی کبھی مسلمان بھی یہ کلمہ کہ دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمادیا کہ یہ لفظ نہ کہا کرو ۔ اگر ضرورت پڑے تو اُنْظُرنَا کہا کرو ۔ یہودی اس کلمہ کو بُرے معنی میں استعمال کرتے تھے ۔

شانِ نزول: بعض یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرارتاً آپؐ کو لفظ رَاعِنَا سے خطاب کرتے تھے جس کے معنی عبرانی زبان میں ایک بد دعا کے ہیں اور وہ اسی نیت سے یہ لفظ کہتے تھے ۔ مگر عربی زبان میں اس کے معنی ہماری طرف توجہ فرمانے ، ہماری طرف خیال فرمانے کے ہیں اس لئے عرب ان کی اس شرارت کو نہ سمجھ سکے اور بعض مسلمان بھی اچھے معنی کے خیال سے آپؐ کو اسی کلمہ سے خطاب کرنے لگے ۔ جس سے یہ شریر بہت خوش ہوئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ان کی تقلید میں رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اگر ضرورت پڑے تو اُنْظُرنَا کہا کرو (یعنی ہماری طرف نظر شفقت فرمایئے ، ہمارا انتظار فرمایئے ، ذرا توقف فرمایئے تاکہ ہم آپؐ کا کلام سمجھ لیں) ۔ اور تمہیں تو اس کی بھی ضرورت نہیں ۔ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات شروع ہی سے دھیان لگا کر سنا کرو ۔ (معارف القرآن ۲۸۰ / ۱ ، مظہری ۱۱۱ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے منع فرمایا ہے ۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے ۔ (ابن کثیر ۱۴۸ / ۱) ۔

یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور ان سے بُرا مطلب لیتے تھے ۔ جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری طرف توجہ فرمایئے یا مکرر فرمایئے تو وہ رَاعِنَا کہتے اور اس سے رعونت اور سرکشی مراد لیتے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِھِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ ۔ (نساء ۴٦) ۔

بعض یہودی ایسے بھی ہیں جو کلام کو اپنے موقع سے بدلتے اور زبان مروڑ کر سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (سن لیا اور نہ مانا) اور اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ (سن اور پھر سننا نصیب نہ ہو) اور رَاعِنَا کہتے ہیں تاکہ دین (اسلام) میں عیب لگائیں ۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اسام علیکم کہتے ہیں اور سام کے معنی موت کے ہیں تو تم انکے جواب میں وعلیکم کہا کرو ۔ ہماری دعا انکے حق میں قبول ہو گی اور انکی بد دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی ۔(ابن کثیر ۱۴۸ / ۱)۔

اس آیت میں اُنْظُرْنَا کے ساتھ اِسْمَعُوْا بھی کہا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور نصیحتوں کو توجہ اور غور سے سننا چاہیئے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی ہدایت و رہنمائی کے لئے صرف قرآن مجید کافی ہے ان کا خیال صحیح نہیں ۔ ان کو اس قرآنی فیصلہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت اور دوسری آیات میں آپؐ کے ارشادات سننے اور ماننے پر کتنا زور دیا گیا ہے ۔ ایک جگہ ارشاد ہے ۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہُ (نساء ۸۰) ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک کر کے اور آپؐ کو برے کلمات سے خطاب کر کے بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں وہ کافر ہیں اور ان کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

کفار و مشرکین کا عناد

۱۰۵ ۔ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔

کافر لوگ ، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ اس بات کو ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی اچھی بات نازل ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے ۔

فَضْلٍ : فضل ، مہربانی ، بزرگی ۔ یہ واحد ہے اس کی جمع اَفْضَالٌ ہے ۔

يَخْتَصُّ : وہ خاص کرتا ہے ۔ اِخْتِصَاصٌ سے مضارع ۔

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہود کے انکار کی وجہ بیان کی ہے ۔ یہود اور مشرکین آپؐ کے دلی دشمن ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی وحی آپؐ پر نازل ہو مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ۔ وہ جس پر چاہتا ہے اپنی رحمتِ خاصہ کو نازل فرمادیتا ہے اور وہ بہت بڑے فضل والا ہے، وہ اس بات کا پابند نہیں کہ سلطنت یا نبوت ہمیشہ کسی ایک خاندان یا ایک قوم میں رکھے ۔ (حقانی ۴۵۹ / ۱) ۔

آیات کی تنسیخ

۱۰۶ ، ۱۰۷ ۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ؕ

ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کے برابر لے آتے ہیں ۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مدد گار ۔

نَنْسَخْ : ہم منسوخ کرتے ہیں ۔ ہم مٹاتے ہیں ۔ نَسْخٌ سے مضارع ۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے ۔ اس لئے کتاب و سنت کی اصطلاح ، میں ایک حکم

کی بجائے دوسرا حکم جاری کرنے کو نسخ کہتے ہیں ۔

نُنْسِھَا: ہم اس کو بھلا دیتے ہیں ۔ ہم اس کو فراموش کردیتے ہیں ۔ اِنْسَاءٌ سے مضارع ۔

وَلِیٍّ: دوست ۔ مدد گار ۔

نَصِیْرٍ: مدد گار ، بچانے والا ۔ نَصْرٌ سے مبالغہ ۔

شانِ نزول: قرآنِ کریم کی بعض آیتیں منسوخ ہیں اس پر یہود نے اعتراض کیا کہ یہ اچھا خدا کا کلام ہے ۔ بھلا پہلی آیت میں کیا برائی تھی کہ منسوخ ہو گئی اور دوسری آیت اتری ۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کے وقت وحی نازل ہوتی اور دن کو بھلا دی جاتی ۔ اس پر یہود نے طعن کیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ (جلالین ۳۸) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ان شکوک و شبہات کا جواب دیا ہے جن کو وہ اہل اسلام پر پیش کرکے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر (وحی) اور شریعت نازل ہوتی ہے تو خیر کو منسوخ کیوں کر دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں ۔ ان میں سے ایک گوشہ بھی بدل نہیں سکتا ۔ اگر یہ قرآن شریف منجانب اللہ ہے تو توریت کے احکام کیوں منسوخ کر دئے ۔ پھر خود اس شریعت میں بعض احکام کو ایک خاص وقت تک قائم رکھ کر منسوخ کر دیا گیا (نعوذ و باللہ) اللہ تعالیٰ کو اس سے پہلے اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا اچھی طرح رد فرما دیا ہے کہ اگر ہم کسی حکم کو کسی مصلحت سے موقوف کرتے ہیں یا مؤخر کرتے ہیں تو اس میں بندوں کے لئے سراسر بہتری ہوتی ہے ۔ ہم اس سے بہتر یا اسی کی مانند کوئی اور حکم دیتے ہیں جس پر عمل کرنا آسان ہو (حقانی ۱/۲۵۹) ۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی کے اختیار میں ہے ۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے ۔ جسے چاہے نیک بختی دے ، جسے چاہے بد بختی دے ۔ جسے چاہے تندرستی دے ، جسے

چاہے بیماری دے ۔ جسے چاہے توفیق دے ، جسے چاہے بے نصیب کر دے ، جسے چاہے حلال کر دے ، جسے چاہے حرام فرمادے ۔ جسے چاہے رخصت دے جسے چاہے روک دے، وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے ، کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کرسکتا، وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا ۔ وہ بندوں کو آزماتا اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں ۔ اس نے کسی چیز کا کسی مصلحت سے حکم دیا پھر مصلحت ہی کی وجہ سے اس حکم کو ہٹا دیا ۔ اس میں لوگوں کی آزمائش ہو جاتی ہے ۔ نیک لوگ تو پہلے بھی اطاعت کے لئے کمر بستہ تھے اور اب بھی ہیں ۔ مگر بدظن لوگ باتیں بناتے ہیں اور اطاعت کی بجائے حیلے بہانے کرتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول کی اتباع کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچ جاننا چاہئے اور جو حکم دے اسے فوراً بجالانا چاہئے ۔

اس آیت میں گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآنِ کریم کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں توریت کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تھے ۔ اسی لئے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے ۔ اور یہ انکار صرف ان کے عناد و تکبر کی بنا پر تھا ۔ ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں با اختیار ہے اسی طرح حکموں میں بھی با اختیار ہے ۔ جو چاہے اور جب چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرے ۔ جسے چاہے جس طرح چاہے ، جس وقت چاہے اور جہاں چاہے رکھے ۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے ۔ اس حاکموں کے حاکم کا کوئی حاکم نہیں ۔ اسی طرح نقلاً بھی نسخ ثابت شدہ امر ہے اور گزشتہ آسمانی کتابوں اور شریعتوں میں موجود ہے ۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیوں میں ، بھائی بہن ہونے کے باوجود نکاح جائز تھا ۔ پھر بعد میں اسے حرام کردیا ۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو تمام حیوانات کھانا حلال تھا مگر بعد میں بعض کی حِلّت منسوخ ہو گئی ۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا پھر توریت کی شریعت میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربانی کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا ۔ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ جو لوگ بچھڑا پوجنے میں شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں ۔ لیکن ابھی بہت سے باقی تھے کہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے ۔ پھر بھی یہ قرآنِ کریم

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس سے خدا کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے ۔ (ابن کثیر ۱۵۰ ، ۱۵۱/ مظہری ۱۱۲/ ۱) ۔

راہ راست سے دوری

۱۰۸ - اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

اے مسلمانو ! کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسے ہی سوال کیا کرو جیسے اس سے پہلے (حضرت) موسیٰ سے کئے گئے تھے ۔ اور جو شخص ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کر لے تو بیشک وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ۔

ضَلَّ : وہ گمراہ ہوا ، وہ بہکا ، وہ بھٹکا ، ضَلَالٌ سے ماضی ۔

سَوَآءَ : برابر ، یکساں ۔ سیدھا ۔ اسم مصدر ہے ۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا ۔

سَبِيْلِ : راستہ ، جمع سُبُل ، مذکر و مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

شانِ نزول : اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں ۔ ابن ابی حاتمؒ نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رافعہ بن حریملہ اور وہب بن زید یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ سچے رسول ہیں تو) آپؐ ہمارے پاس آسمان سے کوئی کتاب لائیے ہم اس کو پڑھیں گے یا زمین سے چشمے جاری کیجئے (اگر آپؐ ایسا کریں گے تو) ہم آپؐ کی اتباع اور تصدیق کریں گے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۱۳ / ۱ ، جلالین ۳۹) ۔

علامہ بغویؒ نے اس آیت کا شانِ نزول اس طرح بیان فرمایا کہ یہود نے کہا تھا کہ آپؐ آسمان سے ساری کتاب ایک ہی دفعہ لے آئیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لیکر آئے تھے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۱۳/ ۱) ۔

بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا ہی سوال کیا تھا جس کا بیان سورۂ بقرہ کی آیت ۵۵ میں گزر چکا ۔

تشریح : یہودی اہلِ اسلام کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے رہتے تھے تاکہ یہ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں حالانکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارتیں توریت سے مل چکی تھیں مگر یہ لوگ پھر بھی حسد کے مارے ایسی باتیں کرتے رہتے تھے جن سے متاثر ہو کر بعض سیدھے سادے مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الٹے سیدھے سوالات کرنے لگے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرما دیا کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات مت کرو جیسے ان یہود کے بزرگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے تھے اور غضب الٰہی کے مستحق ہوئے تھے ۔ کیونکہ یہ کفر ہے اور جو شخص ایمان چھوڑ کر کفر میں پڑتا ہے وہ نجات اور حیاتِ ابدی کے سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے (حقانی ۴۶۱، ۴۶۲/ ۱) ۔

کفار کا حسد

۱۰۹ - وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀

اکثر اہل کتاب اپنے حسد کی بنا پر حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں بھی ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں ۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے تم اس وقت تک معاف کرو اور درگزر کرتے رہو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وَدَّ : اس نے دوست رکھا ۔ اس نے خواہش کی ۔ وُدٌّ وَمَوَدَّۃٌ سے ماضی ۔

وَاصْفَحُوْا : اور تم درگزر کرو ۔ صَفْحٌ سے امر ۔

حَسَدًا : حسد کرنا ۔ مصدر ہے ۔ کسی خوبی ، ترقی اور اچھائی کو دیکھ کر دل میں کڑھنا اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے ۔ جو شخص

کسی سے حسد کرتا ہے وہ صرف اس سے دشمنی نہیں کرتا بلکہ حقیت میں وہ اللہ تعالیٰ کی دین پر اعتراض کرتا ہے ۔ حسد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا البتہ اخلاق ضرور بگڑ جاتا ہے اور ایمان زائل ہوجاتا ہے ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حُیَیّ بن اَخطَب اور ابو یاسر بن اخطب ، دونوں یہودی تھے اور عربوں سے اس لئے بہت حسد کرتے تھے کہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ہوئے اور رات دن لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۱۴/ ۱) ۔

کعبؓ بن مالک نے کہا کہ ایک یہودی کعب بن اشرف ، جو شاعر بھی تھا آپؐ کی ہجو میں شعر کہتا تھا ۔ یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن ابی حاتم)

تشریح : توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ نبوت و احکامِ امت ایسی تفصیل کے ساتھ مذکور تھے کہ جب اہل کتاب نے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابۂ کرام اور قرآنِ کریم میں بالکل اسی طرح دیکھ لئے جس طرح توریت و انجیل میں مذکور تھے تو ان پر حق ظاہر ہوگیا اور ان کے شکوک و شبہات دور ہوگئے مگر حسد و عناد نے ان کو جان بوجھ کر انکار پر آمادہ کیا ۔

اس لئے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی حقانیت اور سچائی ظاہر ہوجانے کے باوجود اہل کتاب کی اکثریت مسلمانوں کو کفر میں واپس لانا چاہتی ہے کیونکہ حسد و عناد کی بناء پر مسلمانوں کا وجود ان کو ذرا بھی گوارا نہیں ۔ پس اے مسلمانوں جہاں تک ہوسکے تم ان کے حسد و عناد کے باوجود ان سے درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت میں جو عذاب ان پر مقرر ہے وہ نازل ہوجائے ۔

آخرت کا توشہ

۱۱۰ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؕ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے لئے تم جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے وہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس پاؤ گے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ۔

تُقَدِّمُوْا: تم آگے بھیجو ۔ تَقْدِیْمٌ سے مضارع ۔

تَجِدُوْهُ: تم اس کو پاؤ گے ، وُجُوْدٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس آیت کا مضمون بھی سابقہ مضمون کے تسلسل میں ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ تم ان یہود کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کسی کے بہکاوے میں نہ آؤ اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے ان کی مخالفت اس طرح کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہو ۔ بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے تم اس کو ادا کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ رہو اس لئے زکوٰۃ دیتے رہو اور اس کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کرتے رہو ، مخلوقِ خدا سے بھلائی اور اپنے پرائے سب سے نیک سلوک سے پیش آؤ ۔ تم جو بھی نیک عمل کرو گے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ تم اپنے سب اعمال کو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر پاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں ۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ وہ سب دیکھ رہا ہے ۔ (حقانی ۴۶۲ / ۱) ۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ

۱۱۱ ، ۱۱۲ ۔ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور وہ (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی ہر گز جنت میں داخل نہیں ہوگا ۔ یہ ان کی (من مانی) آرزوئیں ہیں ۔ آپؐ کہدیجئے کہ تم (اس بات پر) اپنی دلیلیں لاؤ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ۔ ہاں جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا منہ جھکا دیا اور وہ نیکی بھی کرتا ہو تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

بُرْهَانَكُمْ ۔ تمہاری دلیل ۔ جمع بَرَاهِيْنَ ۔

اَسْلَمَ ۔ اس نے تابعداری کی ۔ اس نے جھکایا ۔ اِسْلَامٌ سے ماضی ۔

وَجْهَهٗ ۔ اس کے چہرے کو ۔

مُحْسِنٌ ۔ احسان کرنے والا ۔ اِحْسَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نجران کے نصاریٰ اور یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ۔ اس وقت یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا ۔ جہنم ان پر حرام ہے خواہ وہ کچھ ہی کریں اور دینِ حق یہودیت ہی ہے ۔ عیسائی کہنے لگے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر لے لئے ہیں اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہوگئے ۔ اب جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اس لئے جنت ہمارا مقام ہے اور نصرانیت ہی سچا دین ہے ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسی باتیں اسلئے کرتے تھے تاکہ انکو اسلام سے بد ظن کردیں ۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان کے دلی منصوبے اور بے اصل خیالات ہیں ۔ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو ۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ توریت اور انجیل میں کہیں بھی یہ بات نہیں ۔ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کا خدا ہے ۔ اس نے نجات کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکو کار ہے ، اللہ تعالیٰ کے آگے اپنا سر جھکاتا ہے اور اس نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے ان پر بلا چون و چرا ایمان لاتا ہے اور جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ ان سے دور رہتا ہے ، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ، عربی ہو یا عجمی ، ہندی ہو یا حبشی وہ اپنے عمل کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور پائے گا ، اور وہی جنت کا مستحق ہے ۔ اور ایسے لوگوں کو وہاں کسی قسم کا خوف اور رنج نہ ہوگا (حقانی ۴۶۴\۱ مظہری ۱۱۴، ۱۱۵\۱) ۔

مذہبی گروہ بندی

۱۱۳ ۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ،

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی ٹھیک راستہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود راہ حق پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب بھی پڑھتے ہیں ۔ ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں (بعض مشرکینِ عرب) پس قیامت کے روز اللہ تعالیٰ خود ہی ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جب نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو یہود کے بڑے بڑے علماء بھی حاضر خدمت ہوئے اور ان میں سے رافع بن حریملہ یہودی نے اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور عیسائیوں سے صاف صاف کہدیا کہ تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے ۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے توریت کے آسمانی کتاب ہونے کا انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی اور یہودی مذہب ، کو لغو اور باطل بتایا ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۱۵/ ۱ جلالین ۴۲،۴۳) ۔

تشریح : یہود و نصاریٰ دونوں نے دین کی حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنا لی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا ۔ یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کے نتیجہ میں مشرکین یہ کہنے لگے کہ یہودیت بھی بے بنیاد اور عیسائیت بھی بے اصل ہے ۔ صحیح تو بس ہماری بت پرستی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں ۔ مذہب خواہ یہود کا ہو یا نصاریٰ کا یا اسلام ہو سب کی اصل روح دو چیزیں ہیں ۔ ایک یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے ۔ اسی کی اطاعت و فرمانبرادی کو اپنا عقیدہ اور مذہب سمجھے ۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص اطاعت و فرمانبرداری کے طریقے اپنے ذہن و خیال سے خود نہ گھڑے بلکہ عبادت و اطاعت کے وہی طریقے اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ بتائے اور متعین کئے ہیں ۔

نسلی مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی ، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں اصل چیز ایمان اور عملِ صالح ہے ۔ یہود و نصاریٰ کے اختلاف کو بیان کرنے کا مقصد مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں تم بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ ہم تو جدی پشتی مسلمان ہیں ، ہم زبان سے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اس لئے جنت اور ان تمام انعاموں کے ہم ہی مستحق ہیں جن کے وعدے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں (معارف القرآن ۲۹۱ ، ۲۹۲/ ۱) ۔

مساجد ویران کرنے کا انجام

۱۱۴ - وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَاكَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان مساجد کے اجاڑنے میں کوشش کرے ۔ ان لوگوں کے لئے تو یہی بہتر تھا کہ وہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے ۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ۔

مَنَعَ: اس نے منع کیا ۔ اس نے روکا ۔ مَنْعٌ سے ماضی ۔

سَعٰى: اس نے سعی کی ۔ اس نے کوشش کی ۔ سَعْیٌ سے ماضی ۔

خَرَابِهَا: اس کا خراب کرنا ۔ مصدر ہے ۔

خِزْیٌ: ذلت ، خواری ، رسوائی ، مصدر ہے ۔

شانِ نزول: ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن جب مشرکینِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کے لئے مکہ میں نہ آنے دیا اور نہ آپؐ کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۱۱۵ / ۱) ۔

تشریح: ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ مکہ خانۂ کعبہ کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے

عرب قبائل بھی کعبہ کا احترام بجالاتے تھے ۔ جب اسلام کا نور کوہِ فاران کی چوٹی سے جلوہ گر ہوا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں ۔ انہوں نے مسلمانوں کو کعبہ میں جاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کا نام لینے سے منع کر دیا ۔ یہ بات ان کے مسلمہ اصولوں کے تحت بھی بہت بری تھی لہذا یہ بھی بڑے ظالم نکلے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان کو اجاڑنے کی کوشش کرے ۔

قریش کے لوگ جب خانۂ کعبہ میں جاتے تو نماز پڑھنے کی بجائے تالیاں اور سیٹیاں بجاکر بتوں کے آگے ناچتے اور کودتے تھے جو مسجد کی بڑی بے ادبی ہے حالانکہ وہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے بڑے ادب سے جانا چاہئے تھا ۔ لہذا مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنا حرام ہے ۔ اسی طرح مسجدوں میں عبادت کے سوا لہو و لعب کے اشغال بھی حرام ہیں ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کے ساتھ اس قسم کی بے ادبی کریں گے ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے جیسا کہ قریش کو بدر وغیرہ معرکوں میں ہوئی اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بھی عذاب عظیم ہے (حقانی ۲٦۷ / ۱) ۔

جہتِ قبلہ

۱۱۵ ۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور مشرق و مغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ۔ سو جس طرف تم منہ کرو تو اللہ تعالیٰ کا رخ بھی ادھر ہی ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا خبردار ہے ۔

شانِ نزول : مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کر کے نماز پڑھتے تھے کہ بیت اللہ بھی سامنے ہوتا تھا جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے ۔ اس پر یہود بہت خوش تھے ۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آیت وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ..... کے نزول سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ فرما کر خانۂ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا تو یہود طعنے دینے لگے کہ یہ لوگ اپنے قبلہ سے کیوں ہٹ گئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرق

و مغرب کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ جدھر اس کا حکم ہو اس کی تعمیل میں اُدھر ہی پھر جانا چاہیئے ۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں قبلہ معلوم نہ ہوسکا اور انہوں نے اندازہ سے قبلہ کا تعین کر کے نماز پڑھی اور بعد میں ان کو قبلہ کی صحیح سمت کا پتہ چلا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی اس نماز کو ادا شدہ قرار دیا گیا ۔ (ابن کثیر ۱۵۷ ، ۱۵۸/ ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مکہ سے نکالے جانے پر تسلی دی ہے کہ اگر یہ کافر تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روکیں تو تمہیں کسی قسم کا رنج و ملال کرنے کی ضرورت نہیں ، مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے ، تم جہاں چاہو نماز ادا کر سکتے ہو ۔

اللہ تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو کسی خاص مکان یا کسی خاص سمت میں مقید ہو اور دوسرے کسی مکان یا سمت میں موجود نہ ہو وہ تو زمان و مکان سے بالا تر ، ہر وقت ، ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے ۔ اس لئے اس نے تمہارے لئے جو قبلہ متعین کر دیا ہے تم اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرو ۔ اگر فرائض کی ادائیگی کے وقت ، دشمن کے خوف سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکو یا کسی اندھیری رات یا جنگل میں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہوسکے اور تم اندازہ سے قبلہ کا تعین کرکے نماز پڑھ لو اور بعد میں معلوم ہو کہ قبلہ کا تعین صحیح نہ تھا یا سفر میں نوافل پڑھنا چاہو اور سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اور سواری سے اترنے میں دشواری اور کسی قسم کا اندیشہ ہو تو ان تمام حالتوں میں نماز پڑھتے وقت جس طرف بھی اپنا منہ کر لو گے تو تمہاری نماز درست ہو جائیگی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب اور حضور حاصل ہو جائیگا ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وسعت اور سہولت تمہیں اس لئے عطا فرمائی ہے کہ وہ بڑے وسیع علم والا ہے ۔

فرزند و زن سے مُبرّا ذات

۱۱۶ - وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ؁

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے ۔ سب اسی کے تابعدار ہیں ۔

اِتَّخَذَ : اس نے بنایا ۔ اس نے اختیار کیا ۔ اس نے لیا ۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی ۔

قٰنِتُوْنَ : فرماں بردار ۔ اطاعت کرنے والے ۔ عبادت گزار ۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : اس آیت میں عیسائیوں کے فاسد خیالات کا رد ہے ۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ۔ یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں نہیں تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرماں بردار ہیں ۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں ۔ وہ ان سب کا پیدا کرنے والا ، انہیں روزیاں دینے والا ، ان کے اندازے مقرر کرنے والا اور انہیں قبضہ میں رکھنے والا ہے ۔ پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے ۔ نہ تو حضرت عُزیر علیہ السلام اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا اور نہ ہی فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں ۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب کا عقیدہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر ، نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک ، نہ اس کی کوئی بیوی اور نہ اس کی جنس کا کوئی اور ۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی ۔ وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے ۔

صحیح بخاری کی ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے ۔ اسے یہ لائق نہ تھا ، وہ مجھے گالیاں دیتا ۔ اسے یہ نہیں چاہئے تھا ۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو ۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بُری باتیں سنکر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں ، لوگ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے ۔ (ابن کثیر ۱۶۰/ ۱) ۔

کن فیکون

۱۱۷۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ

وہ آسمان اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ صرف یہی کہتا ہے کہ ہو جا ۔ پس وہ ہو جاتا ہے ۔

بَدِيْعٌ : بغیر مادے اور نمونے کے پیدا کرنے والا ۔ ایجاد کرنے والا ۔ اس سے ایسا موجد اور صناع مراد ہے جو حقیقی معنی میں پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے ۔ جسے نہ کسی آلہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی مال مسالہ کی ، نہ وہ کسی نمونہ کا محتاج ہے نہ کسی استاد کا ، وہ بغیر نمونے کے ہر چیز کو وجود بخشنے والا ہے ، زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئے اس نے پیدا کی ہے ۔

قَضٰى : اس نے فیصلہ کیا ۔ اس نے پورا کیا ۔ اس نے خواہش کی ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ، ازلی اور ابدی ہے اس نے تمام موجودات کو ایجاد کیا ہے ۔ زمین و آسمان اور کائنات کی ہر ہر شے کو بالکل نئے سرے سے بغیر نمونے اور بغیر مادے کے پیدا کیا ہے اور اس کے لئے یہ بات بہت آسان ہے کیونکہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ کام اس کے " ہو جا " کہنے سے ہی ہو جاتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ایسی کوئی قدرت نہیں بلکہ وہ نہ تو دشمنوں پر غلبہ پاسکے اور نہ ان کے ہاتھ سے اپنی جان بچا سکے ۔ ایسا مجبور و معذور کیسے خدا ہو سکتا ہے ۔

مشرکین کی نادانی

۱۱۸۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ؕ

اور بے علم (مشرکین عرب) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ۔ ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کرتے تھے ۔ ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے ۔ بیشک ہم ان دونوں

کے لئے نشانیاں بیان کر چکے جو یقین کرتے ہیں۔

یُکَلِّمُنَا: وہ ہم سے کلام کرتا ہے۔ وہ ہم سے بات کرتا ہے۔ تَکْلِیْمٌ سے مضارع۔

تَشَابَهَتْ: وہ مشابہ ہو گئی۔ وہ یکساں ہو گئی۔ تَشَابُہٌ سے ماضی۔

بَیَّنَّا: ہم نے بیان کر دیا۔ ہم نے کھول دیا۔ تَبْیِیْنٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے عرب کے جاہلوں کے اقوال نقل کئے ہیں جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کے بارے میں کہا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں کسقدر جہل اور گمراہی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ مشرکین مکہ دو اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا اور بالمشافہ طور پر کیوں نہیں کہدیتا کہ ہم نے فلاں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا نہیں کرتا تو ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا جس سے رسالت کی تصدیق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ ان کی نادانی ہے۔ اگر ہر شخص میں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاء بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے براہ راست حرام و حلال اور عبادت و ریاضت کے امور معلوم کر لیتا۔ کیا دنیاوی اعتبار سے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت ہر ایک کیوں نہیں حکیم ہو جاتا یا بادشاہ یا حکمران کی کیا ضرورت، ہر شخص بادشاہ یا حکمران کیوں نہیں بن جاتا۔ یہ نادانی اور جہل ہے۔ پہلے زمانے کے جاہل بھی انبیاء کے مقابلہ میں ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ یہ اور وہ جہل میں یکساں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے ایک نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں بیان کی ہیں۔ جن لوگوں میں یقین کا مادہ ہی نہیں ان کو سیکڑوں، ہزاروں، معجزے اور قدرت کی نشانیاں بھی راہ راست پر نہیں لا سکتیں۔ (حقانی ۱/۴۷۱، ۴۷۲/۱)۔

بشیر و نذیر

۱۱۹ - اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝

اور ہم نے آپؐ کو دین حق دیکر خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپؐ سے پرسش نہیں ہوگی ۔

بالحق: حق کے ساتھ ، مراد یہ ہے کہ آپؐ کو راہِ حق کی طرف ہدایت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

بشیرا: خوشخبری سنانے والا ۔ جو لوگ ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں اور نیک کام کریں تو آپؐ انہیں دنیا و آخرت میں فلاح و بہتری کی خوشخبری دینے والے ہیں ۔

نذیرا: ڈرانے والا ۔ خبر دار کرنے والا ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا انکار کریں اور سرکشی کا راستہ اختیار کریں تو آپؐ انہیں ان کی بد اعمالیوں کی بنا پر دنیا و آخرت میں بُرے انجام سے خبردار کرنے والے ہیں ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ہم نے آپؐ کو دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ آپؐ ماننے والوں کو بشارت سنا دیں اور منکروں کو آنیوالی مصیبت کا خوف دلا دیں اور اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کا کام تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دینا ہے اور اگر کسی بد بخت اور بد نصیب نے آپؐ کی بات کو نہ مانا تو آپؐ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائیگا ۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی کفر و جہنم کی راہ اختیار کی ہے ۔

یہود و نصاریٰ کی خواہش

۱۲۰ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ؕ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؕ

اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کرنے لگیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ،

(حقیقی) ہدایت ہے ۔ اگر اس کے بعد بھی کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے ، آپ ان کی خواہشوں پر چلے تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مدد گار ۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (قرآن) دی ہے وہ تو اس کو ویسے ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے ۔ وہی لوگ اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہیں سو وہی نقصان پانے والے ہیں ۔

مِلَّتَهُمْ: ان کا دین ۔ ان کا طریقہ ۔ ان کا مذہب ۔ جمع مِلَلٌ ۔

اَهْوَآءَ هُمْ: ان کی خواہشیں ۔ ان کے خیالات ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد هَوًیٰ ہے ۔

يَتْلُوْنَهٗ: وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں ۔ وہ اس کو پڑھتے ہیں ۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے اور اس کی خوبیاں اس کی حقانیت کی روشن دلیلیں ہیں ۔ اور مخالفین بھی دل میں اس کے قائل ہیں مگر وہ ضد اور تعصب کی بنا پر نہ صرف آپؐ کے دین کو حق نہیں مانیں گے بلکہ جب تک آپؐ ان کی جہالت و گمراہی کے متبع نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ آپؐ سے راضی نہیں ہوں گے ۔ آپؐ ان ازلی بد نصیبوں کے ہدایت پر آنے کی توقع نہ رکھیں اور نہ ان کی ملمع کاریوں کو ہدایت سمجھیں ۔ اس لئے کہ ہدایت تو وہی ہے جو منجانب اللہ ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے علما و مشائخ نے اپنے مذہب میں جو خیالات گھڑ لئے ہیں وہ ہدایت نہیں اس لئے آپؐ ان کی خواہشوں پر ہرگز نہ چلیں ۔

موجودہ یہود و نصاریٰ جو اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ نہ تو انہیں اپنی کتاب پر ایمان ہے اور نہ وہ اس کو پڑھتے ہیں ۔ بلکہ انہوں نے تو اس کو پس پشت ڈال رکھا ہے ۔ اگر وہ اپنی کتاب کو پڑھتے اور اس پر ایمان رکھتے تو نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی ہدایت قبول کرتے جیسا کہ عبداللہؓ بن سلام اور نجاشی وغیرہ با انصاف یہود و نصاریٰ نے کیا کیونکہ ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سی بشارتیں موجود ہیں ۔(حقانی ۴۷۳ ، ۴۷۴ / ۱) ۔

احوالِ قیامت

۱۲۲ ، ۱۲۳ ۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۔

اے بنی اسرائیل ! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائیگا ۔ اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۔

تَجْزِیْ : وہ جزا دے گا ۔ وہ بدلہ دے گا ۔ جَزَآءٌ سے مضارع ۔

عَدْلٌ : عدل ، انصاف ، بدلہ ، معاوضہ ، مصدر ہے ۔

شَفَاعَةٌ : شفاعت کرنا ، سفارش کرنا ، مصدر ہے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی چالیسویں آیت سے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر خطاب شروع کیا تھا ۔ اب کلام کو تمام کرتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں ۔ اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ! تم میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تمہارے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر کئے ۔ یہاں تک کہ تمہارے خاندان کو ایک خاص وقت میں دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل و اشرف کر دیا تھا ۔ پھر تم نے جس قدر نا فرمانیاں کیں ، ان کے بُرے نتائج تم نے دنیا میں بھگتے ۔ اگر تم اب بھی اپنی نا فرمانی اور سرکشی سے باز نہ آئے تو یاد رکھو کہ جس طرح میں رحیم و کریم ہوں اس طرح جبّار و قہّار ہوں ۔ پھر تم روز قیامت سے ڈرتے رہو کہ جہاں نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کچھ معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کوئی مدد گار کسی کی مدد کر کے اس کو چھڑا سکے گا ۔ (حقانی ۴۷۵/۱) ۔

حضرت ابراہیم کی آزمائش

۱۲۴ ۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ قَالَ اِنِّيْ

جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو !) جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے ان (باتوں) کو پورا کر دکھایا ۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ لوگوں کو نبوت عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا اقرار (منصب نبوت) ظالموں (قانون شکنوں کو نہیں پہنچتا ۔

اِبْتَلٰی : اس نے آزمایا ۔ اس نے امتحان لیا ۔ اِبْتِلَاءٌ سے ماضی ۔

اَتَمَّهُنَّ : اس نے ان کو تمام کیا ۔ اس نے ان کو پورا کیا ۔ اِتْمَامٌ سے ماضی ۔

جَاعِلُکَ : تجھ کو بنانے والا ، تجھ کو کرنے والا ۔ جَعْلٌ سے اسم فاعل ۔

اِمَامًا : امام ۔ پیشوا ، خلیفہ ، قاضی ۔ یہاں نبی مراد ہے ۔

یَنَالُ : وہ پہنچتا ہے ۔ وہ پاتا ہے ۔ نَیْلٌ سے مضارع ۔

ذُرِّیَّتِیْ : میری اولاد ، میری نسل ، جمع ذُرِّیّٰتٌ و ذَرَارِیٌّ ۔

ربطِ آیات : اکسٹھویں آیت سے یہاں تک بنی اسرائیل کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران ، ان کی بد اعمالیوں ، ان کی شرارتوں اور ان شرارتوں کے نتیجہ میں انکو ملنے والی مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں ۔ یہاں سے آیت ، ۱۵۲ تک خانۂ کعبہ کی فضیلت و تعظیم ، خانۂ کعبہ کا جائے عبادت ہونا ، خانۂ کعبہ کی تعمیر ، مکہ شہر کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا ، ملت ابراہیمی سے اعراض کرنے والوں کا ذکر ملت ابراہیمی اور ملت اسلامی کا افضل و اکمل ہونا ، تحویلِ قبلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرُّسل ہونا بیان فرمایا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خاص پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام و صلہ کا بیان ہے ۔ پھر

جب حضرت خلیل اللہ نے ازراہِ شفقت اپنی اولاد کے لئے بھی اسی انعام کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ضابطہ ارشاد فرمادیا جس کے تحت حضرت ابراہیم کی درخواست مشروط طور پر منظور کی گئی کہ یہ انعام آپ کی ذریّت کو بھی ملے گا مگر ان میں سے جو لوگ نا فرمان و بد اعمال اور ظالم ہوں گے وہ اس کو نہ پاسکیں گے۔ (معارف القرآن ۳۰۹/ ۱) ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم ہمارا فرماں بردار بندہ تھا ہم نے اس کو کئی باتوں میں آزمایا ۔ وہ ان میں کامیاب رہے ۔ مثلاً ستارہ پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑنے کو کہا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر ملک شام میں چلے گئے ۔ عرب کے ریگستان میں اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت خانہ بنانے اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی اولاد کو وہاں آباد کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے خانۂ کعبہ بنا کر وہاں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو بسا دیا ۔ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تو اس کے لئے ہمہ تن آمادہ ہو گئے ۔ نمرود نے آگ میں ڈالا تو ایمان پر ثابت قدم رہ کر اس میں گرنا منظور کر لیا ۔ اس کے صلہ میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا پیشوا یعنی نبی بنانا چاہاتو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری اولاد میں سے بھی انبیاء اور بابرکت لوگ پیدا فرما تاکہ تیری خدمت گزاری اور فرماں برداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے ۔ ان کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد میں ایک گروہ بد کاروں کا ہوگا ۔ ان کے لئے میرا وعدہ نہیں ۔ پس اے بنی اسرائیل اور عرب کے مشرکو ! تم اپنے مُسلّم الثبوت بزرگ کی پیروی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجا لاؤ ۔ جس کے لئے خود حضرت ابراہیم نے صرف اپنے بیٹے حضرت اسحٰق ہی کے خاندان کے لئے برکت نہیں چاہی تھی بلکہ انہوں نے حضرت اسمٰعیل کے لئے بھی چاہی تھی ۔ (حقانی ۲۷۶/ ۱) ۔

بیت اللہ کی اہمیت

۱۲۵ ۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ

اور امن کا مقام بنایا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل سے عہد لیا کہ تم دونوں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو۔

مَثَابَۃً: یہ ثَوۡبًا یا مَثَابًا سے ماخوذ ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی ت زائد ہے اور بعض کے نزدیک مبالغہ کے لئے ہے۔ اس کے معنی لوٹنے کے ہیں اس لئے مثابہ کے معنی مرجع کے ہوئے جہاں آدمی بار بار لوٹ کر جائے۔ (معارف القرآن ۳۱۶/ ۱)۔

مُصَلًّی: نماز پڑھنے کی جگہ۔ تَصۡلِیَۃٌ سے اسم ظرف مکان۔

طَھِّرَا: تم دونوں پاک رکھو۔ تَطۡھِیۡرٌ سے امر۔

طَائِفِیۡنَ: طواف کرنے والے، گرد گھومنے والے۔ طوفٌ سے اسم فاعل۔

عٰکِفِیۡنَ: اعتکاف کرنے والے، گوشہ نشین ہونے والے۔ عُکُوۡفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اہل کتاب حج کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں اور نہ حضرت ابراہیم نے اس کعبہ کو بنایا ہے اور نہ انہوں نے اس کو حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس لئے اس کو قبلہ اور عبادت کی جگہ بنانا بھی مشرکین کی رسم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اس رسم کو ملک و قوم کی محبت میں نباہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس باطل خیال کو رد فرما دیا۔ اور فرمایا کہ خانۂ کعبہ کو امن اور ثواب حاصل کرنیکی جگہ اور مرجع ہم ہی نے بنایا ہے اور ہم حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنائیں یعنی وہاں نماز پڑھیں اور ہم ہی نے حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو بڑی تاکید سے کہا تھا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا۔ (حقانی ۴۷۸/ ۱)۔

اس میں مشرکین عرب پر بھی تعریض ہے کہ تم باوجود یکہ ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہو اور خانۂ کعبہ کی تعظیم بھی کرتے ہو مگر تمہارا عمل تو ملت ابراہیمی کے خلاف ہے۔ ہم نے تو اس گھر میں نماز، طواف، اعتکاف اور عبادت الٰہی کا حکم دیا تھا

اور تم نے اس کے اندر بت رکھ کر ان کی پرستش شروع کر دی ۔ ہم نے اس کو امن کی جگہ بنایا تھا اور تم مسلمانوں کو یہاں امن سے نہیں آنے دیتے ۔ ہم نے اس کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے اس کے اندر بت رکھکر اس کو ناپاک بنا رکھا ہے ۔ لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ تم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہو صحیح نہیں ۔ (حقانی ۱/۴۲۸) ۔

دعائے خلیل

۱۲۶ - وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس گھر کو امن کا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اس کو پھلوں سے رزق عطا فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کفر کرے گا میں اس کو بھی تھوڑے (دنوں تک) فائدہ اٹھانے دوں گا ۔ پھر میں اس کو کھینچ کر آگ کے عذاب میں ڈالدوں گا ۔ اور وہ (رہنے کے لئے) بہت بری جگہ ہے ۔

اُمَتِّعُهٗ: میں اس کو فائدہ پہنچاؤں گا ۔ تَمَتُّعٌ سے مضارع ۔

اَضْطَرُّهٗ: میں اس کو مجبور کردوں گا ۔ اِضْطِرَادٌ سے مضارع ۔

اَلْمَصِیْرُ: لوٹنے کی جگہ ، ٹھکانا ۔ صَیْرٌ سے اسم ظرف مکان ۔

تشریح: خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب تو اس کو امن والا شہر بنا دے تاکہ یہاں آنے والے ہر قسم کا آرام و سکون پائیں اور لوگ ہمیشہ اس گھر کی خبر گیری کریں ۔ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز پر ایمان لائیں ان کو میوے عطا فرما کیونکہ یہ خشک پہاڑ ہے اگر ایسا نہ ہوا (ان کو میوے عطا نہ کئے گئے) تو یہاں

قیام مشکل ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں تو مومن و کافر برابر ہیں اس لئے میں یہاں کسی قدر (یعنی حیات دنیوی تک) کافروں کو بھی فائدہ اٹھانے دوں گا ۔ پھر اس کے بعد ان کو کھینچ کر عذاب میں ڈالدیا جائیگا جو نہایت بری جگہ ہے (حقانی ۴۹۱/ ۱) ۔

۱۲۷ ، ۱۲۹ ۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؕ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ کہتے جا رہے تھے کہ) اے ہمارے رب ہم سے یہ (خدمت) قبول فرما ۔ بیشک تو ہی سننے اور جاننے والا ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی امت (پیدا فرما جو) تیری فرماں بردار ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ۔ بیشک تو ہی توجہ فرمانے والا مہربان ہے ۔

اے ہمارے پروردگار ! اور ان میں انہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں (پڑھکر) سنایا کرے ۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک و صاف بنادے) بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے ۔

يَرْفَعُ: وہ بلند کرتا ہے ۔ وہ اٹھاتا ہے ۔ رَفْعٌ سے مضارع ۔

الْقَوَاعِدَ: بنیادیں ۔ دیواریں ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد قَاعِدَةٌ ہے ۔

مَنَاسِكَنَا: ہماری عبادت کے طریقے ، ہمارے حج وغیرہ کے احکام ۔ واحد مَنْسَكٌ ۔

یَتْلُوْا :اہ تلاوت کرتے ہیں ۔ تِلَاوَۃً سے مشتق ہے ۔ تلاوت کے اصل معنی اتباع اور پیروی کے ہیں ۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآنِ کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلامِ الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو اسی طرح پڑھنا ضروری ہے ۔ اپنی طرف سے کسی لفظ یا اس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں ۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں فرمایا کہ کلامِ الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاسکتا ۔

الْحِکْمَۃَ : عربی لغت میں حکمت کا لفظ کئی معنوں میں آتا ہے مثلاً حق بات پر پہنچنا ، عدل و انصاف ، علم و حلم وغیرہ ۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں۔ابن کثیر اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے لفظ حکمت کے معنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کئے ہیں۔بعض نے تفسیرِ قرآن اور بعض نے تفقہ فی الدّین فرمایا ہے ۔

یُزَکِّیْھِمْ : وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔ وہ ان کو پاک و صاف کرتا ہے ۔ یہ زَکٰوۃً سے مشتق ہے جس کے معنی طہارت اور پاکی کے ہیں ۔ یہ لفظ ظاہری و باطنی ہر قسم کی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۳۰/ ۱) ۔

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے ۔ جب وہ خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے نہایت عجز و انکسار سے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرما ۔ ہم جو کچھ زبان سے کہتے ہیں تو اس کو خوب سنتا ہے اور تو دل کے حال سے بھی خوب واقف ہے ۔ اے اللہ ہمیں ہمیشہ اپنی فرماں برداری میں رکھ اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں سے اپنے فرماں بردار لوگ پیدا کر تاکہ تیری غلامی اور تیرے گھر کی خدمت گاری ، میری نسل میں رہے ۔ اے اللہ عبادت اور حج کے جو دستور اور طریقے تو نے مقرر کئے

ہیں ہمیں ان کی تعلیم دے تاکہ ہم اس کے مطابق عمل کریں اور اس میں ہم سے جو کوتاہی ہو جائے تو اس کو معاف کر اور ہم پر ہمیشہ مہربانی فرما کیونکہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے ۔ اے اللہ ہماری نسل سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے ، تیری کتاب کی تعلیم دے اور حکمت سکھائے یعنی شریعت کے اسرار اور رموز احکام بھی بتائے ۔ اور وہ اپنے فیض نبوت اور انوار معرفت سے لوگوں کو آراستہ کرے ۔ بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے ۔ (حقانی ۴۹۲ / ۱) ۔

دینِ ابراہیمی

۱۳۰ - ۱۳۲ ، وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِمَ اِلاَّ مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ہ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہ

اور ملتِ ابراہیمی سے کون منہ پھیر سکتا ہے سوائے اس کے جو اپنے آپ کو بیوقوف بنائے اور بیشک ہم نے اس (ابراہیم) کو دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوگا ۔ اور جب اس کو اس کے رب نے کہا کہ تو فرماں بردار ہو جا تو (ابراھیم نے) عرض کیا کہ میں نے تمام جہان کے پروردگار کی فرماں برداری اختیار کی ۔ اور (حضرت) ابراھیم اور (حضرت) یعقوب نے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی تھی کہ اے بیٹو ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کر لیا ہے پس تم اسلام ہی کی حالت میں مرنا ۔

يَرْغَبُ عَنْ: وہ اعراض کرے گا ۔ وہ رو گردانی کرے گا ۔ رَغْبٌ و رَغْبَۃٌ سے مضارع ۔ رَغْبٌ اور رَغْبَۃٌ کے معنی مائل اور متوجہ ہونے کے ہیں ۔ جب اس کے ساتھ عن آجائے تو معنی بر عکس ہو جاتے ہیں یعنی اس کے معنی مائل اور متوجہ ہونے کے بجائے اعراض اور رو گردانی کے ہو جاتے ہیں ۔

سَفِهَ: وہ بیوقوف ہوا ۔ اس کی سبکی ہوئی ۔ سَفَہٌ سے ماضی ۔ جو شخص نفع و نقصان سوچے بغیر اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہو اس کو خفیف اور سَفِیْہٌ کہتے ہیں ۔ اس کی ضد حلیم ہے ۔

اصْطَفَيْنٰهُ : ہم نے اس کو منتخب کر لیا ۔ ہم نے اس کو برگزیدہ کر لیا ۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی ۔

اَسْلِمْ : تو اسلام لا ۔ تو تابعداری کر ۔ اِسْلَامٌ سے امر ۔

وَصّٰی : اس نے وصیت کی ۔ اس نے حکم دیا ۔ تَوْصِیَۃٌ سے ماضی ۔

تشریح : ان آیتوں میں بھی مشرکین کا رد ہے جو اپنے آپ کو دینِ ابراہیم پر بتاتے تھے حالانکہ وہ کامل مشرک تھے اور حضرت خلیل اللہ تو موحدوں کے امام اور توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے ۔ انہوں نے تو عمر بھر میں ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا ۔ وہ تو ہر قسم کے شرک سے بیزار تھے ۔ اسی لئے قوم سے الگ ہوئے ، وطن چھوڑا اور باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور صاف صاف کہدیا کہ ۔

يَا قَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

اے میری قوم میں ان سے بیزار ہوں جنکو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو ۔ بیشک میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۔

جو امور اسلام کے اصول قرار دئے گئے ہیں وہی ملت ابراہیمی کی اصل ہیں اور ملت ابراہیمی کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی جان پر ظلم کرے ، نادان اور احمق ہو اور گمراہ ہو ۔ حضرت ابراہیم کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا اس لئے ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مراتب بلند ہیں ، سب موحدین ان کو پیشوا مانتے ہیں اور ہر جگہ ان کا ذکرِ خیر ہے ۔ ان کی بزرگی کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے فرماں بردار ہو جاؤ تو انہوں (حضرت ابرہیم) نے فوراً عرض کیا کہ میں دل و جان سے تابعدار ہوں ۔ اے یہود ، اے عرب ، اور اے نصاریٰ تم کیوں ملت ابراہیمی کا انکار کرتے ہو ۔ حضرت

ابراہیم تو خود بھی عمر بھر اسلام پر قائم رہے اور اپنی وفات کے وقت انہوں بھی اور ان کے بعد حضرت یعقوب نے بھی اپنی موت کے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم ہمیشہ اسی دین پر قائم رہنا اور مسلمان ہی ہو کر مرنا ۔ (ابن کثیر ۱۸۵/ ۱ ، حقانی ۴۹۵/ ۱) ۔

حضرت یعقوب کی وصیت

۱۳۳ ، ۱۳۴ ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

(اے بنی اسرائیل) کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کی موت کا وقت آیا ، جب انہوں نے نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس خدا کی عبادت کریں گے جو تیرا اور تیرے باپ دادا (حضرت) ابراہیم (حضرت) اسمٰعیل اور (حضرت) اسحٰق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو اسی کے فرماں بردار ہیں ۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ۔ ان کا کیا ہوا ان کے کام آئے گا اور جو کچھ تم کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا ۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔

شُهَدَآءَ: موجود ، گواہ ۔ حاضر ۔ اس کا واحد شَهِيْدٌ ہے ۔

حَضَرَ : وہ حاضر ہوا ۔ وہ آیا ۔ حُضُوْرٌ و حَضَارَۃٌ سے ماضی ۔

خَلَتْ : وہ گزر گئی ۔ خَلْوٌ سے ماضی ۔

كَسَبَتْ : اس نے کمایا ۔ اس نے کیا ۔ كَسْبٌ سے ماضی ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں حضرت یعقوب کی وصیت کا بیان تھا ۔ اس پر یہود نے کہا کہ حضرت یعقوب نے ہرگز یہ وصیت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ان کی موت کے وقت وہاں حاضر تھے جب کہ حضرت یعقوب نے مصر میں جاکر لوگوں کو بت ، ستارے ، بیل اور بلی وغیرہ کو پوجتے دیکھا اور ان کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں میرے بعد یہ لوگ بھی ان کو دیکھ کر ، بت پرست نہ ہو جائیں تو انہوں نے اپنی سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق کا واحد خدا ہے اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرماں بردار ہیں اور اسی کے فرماں بردار رہیں گے ۔ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے ، پھر تم کس لئے انکار کرتے ہو؟ تم اس بات پر فخر کرتے ہو کہ تم ان بزرگوں کی فرماں بردار اولاد ہو اور اگر تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوئی تو تم اپنی برات میں ان کے اعمال پیش کرو گے ۔ تمہارا ان سے کیا تعلق ۔ وہ تو پاکباز لوگ تھے گزر گئے ۔ ان کے اعمال سے ان کو نفع ہو گا اور تمہارے اعمال سے تمہیں اور تم ان کے اعمال کے جوابدار نہیں ۔ (حقانی ۱/۲۹۷) ۔

تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

۱۳۵ ، ۱۳۶ - وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِىَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَا اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

اور وہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پالو گے ۔ آپ کہدیجئے کہ ہم تو ملتِ ابرٰہیمی کے پابند ہیں جو خالص اللہ کے ہو رہے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔ (اے مسلمانو !) تم کہدو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو ہماری طرف (قرآن) نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں ۔

تشریح : یہود و نصاریٰ نے سابقہ انبیاء کا طریقۂ ہدایت چھوڑ کر نیا مذہب بنا رکھا تھا، اسی پر ان کو ناز تھا ۔ اسی کو وہ نجات کا راستہ جانتے تھے ۔ یہود کہتے تھے کہ ہمارا مذہب قدیم ہے ، اس کے بغیر ہدایت ممکن نہیں ۔ اسی طرح عیسائی دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے مذہب کے بغیر نجات ممکن نہیں ۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب کے پیشوا حضرت ابراھیم ہیں ۔ آپؐ کہدیجئے کہ ہم خالص ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور وہ مشرک نہیں ۔ جبکہ تمہارے مذہب میں شرک ہے ۔ اس کے علاوہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر اور سب انبیاء پر بلا تفریق ایمان لائے ۔ یہی اسلام ہے جس میں بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کی کوئی تفریق نہیں ۔ اس کے برعکس یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگ دوسرے انبیاء کو نہیں مانتے ۔ پس اسلام ہی قدیم اور حق ہے (حقانی ۳۹۸/ ۱) ۔

مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ

۱۳۷ - فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ

پھر اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو بیشک وہ بھی ہدایت پالیں گے اور اگر وہ رو گردانی کریں تو بیشک وہی ضد پر ہیں ۔ سو عنقریب تمہاری طرف سے اللہ ان سے نمٹ لے گا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

شِقَاقٍ : مخالفت ۔ ضد ۔ مشقت میں ڈالنا ۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمْ : پس جلد (اللہ تعالیٰ) تمہاری طرف سے ان سے نمٹ لے گا ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ اگر یہ کفار بھی تمہاری طرح تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو یہ بھی رشد و ہدایت اور نجات پالیں گے ۔ مگر یہ لوگ ضدی ہیں اس لئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اسلام قبول نہیں کریں گے ۔ پس اے مسلمانو ! تم ان کی ضد اور دشمنی کے سبب حق ظاہر کرنے میں کچھ تردّد نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

خدائی رنگ

۱۳۸ - صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۔

(اور ہم نے اپنے آپ کو) اللہ تعالیٰ کے رنگ (میں رنگ لیا) اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے ۔ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں ۔

صِبْغَةً : رنگ ۔ غوطہ دینا ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا دین مراد ہے ۔

تشریح : عیسائیوں میں ایک قدیم رسم ہے کہ جب وہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ساتویں روز ایک حوض میں غوطہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے وہ پاک ہو گیا ۔ بعض عیسائی اس پانی میں زرد رنگ وغیرہ بھی ملاتے ہیں اور بعض بجائے غوطہ دینے کے صرف رنگین کرنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں ۔ اس ظاہری رنگ کو وہ نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ نجات کی کنجی ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں فرمایا کہ حوض میں غوطے لگانے یا سر سے پاؤں تک رنگنے سے کچھ حاصل نہیں ۔ اصل رنگ تو خدائی رنگ ہے جو کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ سے چڑھتا ہے اور انسان کی روح اور قلب کو رنگین کر دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس باطنی رنگ سے اچھا کوئی رنگ نہیں ۔ انسان اس رنگ میں رنگین ہو کر ہمیشہ اسی کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے ۔ (حقانی ۵۰۰، ۵۰۱ / ۱) ۔

کتمانِ حق

۱۳۹ - ۱۴۱ - قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ج وَلَنَا

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ج وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۙ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؕ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اور ہم تو خالص اسی (اللہ) کو ماننے ہیں۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کہدیجئے کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کا کیا ہوا ان کے کام آئیگا اور جو کچھ تم کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔

اَتُحَاجُّوْنَنَا: کیا تم ہم سے حجت کرتے ہو۔ کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو۔ مُحَاجَۃٌ سے ماضی۔

كَتَمَ: اس نے چھپایا۔ كَتْمٌ و كِتْمَانٌ سے ماضی۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی۔ خُلُوٌّ سے ماضی۔

كَسَبَتْ: اس نے کمایا۔ اس نے کیا۔ كَسْبٌ سے ماضی۔

تشریح: یہود کہتے ہیں کہ ہدایت کا مدار یہودیت پر ہے اور جنت میں صرف یہودی ہی جائیں گے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہدایت کا دارومدار عیسائیت پر ہے اور صرف نصرانی ہی جنت کے مستحق ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو۔ وہ تو تمہارا اور ہمارا سب کا رب ہے اور ہر شخص

اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا ہے ہم تو اسی کے مخلص ہیں ۔ یا اگر وہ یہ کہیں کہ نجات کا مدار یہودیت یا عیسائیت پر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم ، حضرت اسمٰعیل ، حضرت اسحٰق ، حضرت یعقوب اور بزرگان دین کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ہزاروں سال پہلے کی بات وہ جانتے ہیں یا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو خوب جانتا ہے ۔ اور یہ لوگ خود بھی جانتے ہیں مگر یہ جان بوجھ کر چھپاتے ہیں ۔ توریت و انجیل میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم مخلص تھے مشرک نہ تھے ۔ اور یہودیت و نصرانیت سے بری تھے ۔ اور ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت بھی موجود ہے پھر جو شخص اس شہادت کو چھپائے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ۔ یہ لوگ ان بزرگوں کا نام خواہ مخواہ لیتے ہیں وہ تو پاکباز اور اچھے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے ۔ جب تک تم ان کے نقش قدم پر نہیں چلو گے ، صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت و نفع نہیں دے سکتا ۔ ان کے اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بدی ان پر کوئی بوجھ نہیں ، جو کرے گا وہی بھرے گا ۔ لہٰذا ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا ۔ (ابن کثیر ۱۸۸ / ۱ ، حقانی ۵۰۲ / ۱) ۔

تحویلِ قبلہ

۱۴۲ - سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ
الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ

اب یہ بیوقوف کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے کس بات نے پھیر دیا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ مشرق و مغرب تو اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ۔

وَلّٰهُمْ : اس نے ان کو پھیر دیا ۔ اس نے ان کو موڑ دیا ۔ تَوْلِيَةٌ سے ماضی ۔

قِبْلَتِهِمْ : ان کا قبلہ ۔ ان کے سامنے کارخ ۔ قبلہ بروزن فِعْلَة سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا

ہوتی ہے ۔ یہ مُقَابَلَۃٌ سے مشتق ہے یا اِسْتِقْبَالٌ سے ۔ خانۂ کعبہ کو قبلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے ۔

تشریح : یہودیوں کو تحویلِ قبلہ پر بھی بڑا اعتراض تھا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے ۔ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں کہ مدینہ پہنچ کر کتنی مدت تک آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ۔ صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے تقریباً ۱۷ مہینہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو وہاں بھی آپؐ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ کو سامنے رکھتے تھے ۔ جیسا کہ بیہقی اور ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے ۔

پھر جب حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ آپؐ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل میں اس کا شوق پیدا فرماد یا اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کی آرزو میں بار بار آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھا کرتے تھے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دینے سے پہلے مخالفین کے متوقع طعنہ کو بیان کر کے اس کا جواب دیا ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو ان کے قبلہ بیت المقدس سے جس کی طرف منہ کر کے وہ مدت تک نماز پڑھتے رہے ، کس چیز نے پھیر دیا ۔ یہ طعن مدینہ کے یہود منافقین اور مشرکین کی طرف سے ہوا تھا ۔ یہود تو اس لئے طعن کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے کیا اس کو (نعوذ باللہ) پہلے سے معلوم نہ تھا ۔ یہ امر ان کو اس لئے بھی ناگوار گزرا کہ یہ نبیٔ عربی ، انبیاء کے قبلہ کو چھوڑ کر جاہلوں کے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے لہذا یہ وہ نبی نہیں ہے جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں خبر دی ہے جبکہ مشرکین عرب کہتے تھے کہ آخر کار ہمارے ہی کعبہ کی طرف منہ کیا ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ آپؐ کہدیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام سمتیں یکساں ہیں ۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے ، کسی خاص جگہ اور مکان میں محدود و مقید نہیں ۔ وہ کسی خاص وجہ

سے ایک خاص سمت کو عبادت کے لئے مخصوص کر دیتا ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھتا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے ۔ (حقانی ۵۰۳ ، ۵۰۴ / ۱) ۔

تحویلِ قبلہ کی حکمت

۱۴۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ؕ

اور (جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہاری رہنمائی کی ہے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک نہایت معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے ۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ قبلہ (بیت المقدس) جس پر آپؐ تھے ، ہم نے اس لئے بنایا تھا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ (تحویل قبلہ کے وقت) کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے ۔ اور بیشک قبلہ کا بدلنا بہت شاق گزرا ہے بجزان ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے ، بیشک اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں کے ساتھ بہت شفیق اور مہربان ہے ۔

وَسَطًا: وسطی ، درمیانی ، معتدل ، یہاں اس کے معنی بہتر اور عمدہ کے ہیں ۔

لِنَعْلَمَ: تاکہ ہم جان لیں ۔ تاکہ ہم معلوم کرلیں ۔ عِلْمٌ سے مضارع ۔

يَنْقَلِبُ: وہ لوٹے گا ۔ وہ پلٹے گا ۔ اِنْقِلَابٌ سے مضارع ۔

عَقِبَيْهِ: اس کی دونوں ایڑیاں ۔ جمع اَعْقَابٌ ۔

تشریح: اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل اور بہترین امت بنایا تاکہ قیامت کے روز تم اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دو کہ انبیاء نے اپنی امتوں کو احکام پہنچادئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہوں گے ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ جمع کرے گا ،

پھر گزشتہ امتوں کے کفار سے خطاب کرکے فرمائے گا کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا ؟ وہ صاف انکار کردینگے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے دریافت فرمائے گا تو وہ کہیں گے کہ اے اللہ ہم آپ کا پیغام پہنچا چکے ، یہ لوگ صریح جھوٹ بولتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ باوجود یکہ عالم الغیب ہے اتمام حجت کے لئے انبیاء علیہم السلام سے گواہ طلب فرمائے گا ۔ اس وقت امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے تمام احکام ان کو پہنچادئے ہیں ۔ کفار کہیں گے کہ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادئے ہیں ۔ یہ تو ہمارے برسوں بعد پیدا ہوئے ہیں ۔ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ہمیں خبردی کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادئے اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے ۔ اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلائے جائیں گے اور امت کی حالت ان سے پوچھی جائے گی ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی سچائی اور عدالت کی گواہی دیں گے ۔ بخاری ، ترمذی ، نسائی ، احمد ، اور بیہقی کی روایتوں کا بھی یہی مفہوم ہے ۔ (مظہری ۱۳۹ ، ۱۴۰ / ۱) ۔

پھر فرمایا جو لوگ تحویل قبلہ کے بارے میں آپؐ سے جھگڑا کرتے ہیں اور طرح طرح سے شکوک پیدا کرتے ہیں تو وہ بیوقوف اور نا سمجھ ہیں ۔ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فرماں برداروں اور نا فرمانوں میں امتیاز ہو جائے ۔ اس لئے کہ جو اپنے معبود حقیقی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں وہ بلا تامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کرلیتے ہیں ۔ اور جو لوگ اپنے آبائی مذہب و ملت اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہیں وہ اس میں نکتہ چینیاں کر کے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں ۔ اور کسی کے کہنے سے اپنے مذہبی شعائر کو چھوڑ دینا اور اس کے بتائے ہوئے شعائر کو تسلیم کر لینا بہت بڑی بات ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی تمہاری نماز کو جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ، ضائع نہیں فرمائے گا ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت کرنے والا بڑا مہربان ہے ۔ (حقانی ۵۰۸ / ۱) ۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی

عورت کو دیکھا جس سے اسکا بچہ بچھڑ گیا تھا ۔ وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ (بچہ) نہیں ملا تو وہ قیدیوں میں سے جس بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی ۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا ، اس نے خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھالیا ، سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا ۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ بتاؤ کیا یہ (عورت) اپنا بس چلتے ہوئے بچے کو آگ میں ڈال دے گی ؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہر گز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچے پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے ۔ (ابن کثیر ۱۹۲/ ۱) ۔

خانۂ کعبہ کو قبلہ مقرر فرمانا

۱۴۴ ۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ؕ

بے شک (حکم کے انتظار میں) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں ۔ پس جو قبلہ آپ پسند کرتے ہیں ہم آپ کو اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دئے دیتے ہیں ۔ لہٰذا آپ نماز میں مسجد الحرام کی طرف منہ کر لیا کریں اور (اے مسلمانو !) تم جہاں کہیں بھی ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو اور بیشک یہ اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے بالکل ٹھیک ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ۔

تَقَلُّبَ : اٹھنا ۔ پھر جانا ۔ مصدر ہے ۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ : پس البتہ ہم آپؐ کو ضرور پھیر دینگے ۔ تَوْلِيَةٌ سے مضارع بانون تاکید ۔

تَرْضٰهَا : جسے تو پسند کرتا ہے ۔ مراد خانۂ کعبہ ۔

وَجْهَكَ : اپنے چہرے کو ۔ اپنے منہ کو ۔

شطر: سمت، طرف، جانب، جمع شُطُورٌ وَاَشْطُرٌ۔

تشریح: سمتِ قبلہ کے بارے میں مخالفین کے شکوک و شبہات رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ہم آپؐ کو اس قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیدیں گے جس کو آپؐ کا دل چاہتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو عام حکم دیا کہ یہ مکہ اور اس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرلیا کرو۔ اس کے بعد اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اب اس بارے میں وہ جو کچھ اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے یہ محض ان کی حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ ان روایات سے جو ان میں تواتر کے ساتھ نسل در نسل چلی آتی ہیں، کعبہ کی بزرگی اور اس کا بر حق ہونا خوب جانتے ہیں (حقانی ۵۱۰ / ۱)۔

اہلِ کتاب کی ہٹ دھرمی

۱۴۵ - وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ط

اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلیلیں بھی پیش کردیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہیں مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتا۔ اور اگر علم حاصل ہو جانے کے بعد آپ نے بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی (ان کے کہنے پر چلے) تو بیشک اس وقت آپ بھی نافرمانوں میں سے ہوں گے۔

اَتَيْتَ: تو آیا (بلا صلہ) تو لایا (بصلۂ با) اِتْيَانٌ سے ماضی۔

اٰيَةٍ: آیت، نشانی، حکم خداوندی۔

تَبِعُوْا: انہوں نے پیروی کی۔ انہوں نے اتباع کی۔ تَبَعٌ سے ماضی۔

اَهْوَآءَهُمْ: ان کی خواہشیں۔ ان کے خیالات، واحد هَوًى۔

تشریح : اس آیت میں اللہ نے اعلان فرما دیا کہ اب قیامت تک کے لئے آپؐ کا قبلہ بیت اللہ ہی رہے گا ۔ اس سے یہود و نصاریٰ کے ان خیالات کا بھی رد ہو گیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کو تو کوئی قرار نہیں ، پہلے بیت اللہ تھا ، پھر بیت المقدس ہو گیا ۔ پھر بیت اللہ ہو گیا ۔ اب بھی ممکن ہے کہ دو بارہ بیت المقدس ہی کو قبلہ بنالیں ۔ (معارف الحدیث بحوالہ بحر محیط ۳۸۵ / ۱) ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت بیان فرمائی ہے جس طرح وہ لوگ نا حق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے ہٹنا نہیں چاہتے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی باتوں میں آنے والے نہیں وہ تو ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں ۔ لہذا وہ ان کی باطل خواہشوں کی پیروی ہر گز نہیں کریں گے ۔ اور نہ ہی ان کے لئے یہ ممکن ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد وہ ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں ۔ (ابن کثیر ۱۹۴ / ۱)۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے وہ فرضِ محال کے طور پر ہے جس کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں ۔ اصل میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو بتانا مقصود ہے کہ اس کی خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ اگر بفرض محال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں ۔ (معارف القرآن ۳۸۵ / ۱) ۔

اہلِ کتاب اور پیغمبرِ اسلام

۱۴۶ ، ۱۴۷ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ؏

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی ہے وہ تو اس (نبی) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو حق بات کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ۔ حق تو وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے ۔ پس آپ شک میں نہ پڑیں ۔

لَيَكْتُمُوْنَ : البتہ وہ چھپاتے ہیں البتہ وہ پوشیدہ رکھتے ہیں کَتْمٌ وکِتْمَانٌ سے مضارع

مضارع ۔

الْمُمْتَرِيْنَ : شک کرنے والے ۔ تردد کرنے والے ۔ اِمْتِرَاءٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : یہاں بیٹوں سے تشبیہ دیکر بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ جس طرح اپنے بیٹوں کو پوری طرح پہچانتے ہیں اور ان میں ، ان کو کبھی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح توریت و انجیل میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ، واضح علامتیں اور نشانیاں بتائی گئی ہیں ان کے ذریعہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقینی طور پر جانتے اور پہچانتے ہیں ۔ ان کا انکار محض حسد و عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے (معارف القرآن ۳۸۶ / ۱) ۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت عبداللہؓ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علاّمہ تھے پوچھا ، کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جانتے ہو جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہو ؟ انہوں نے جواب دیا ۔ ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپؐ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیل ، حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگارِ عالم نے آپؐ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپؐ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپؐ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ؟ ہم آپؐ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں ؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپؐ کی نبوت میں کچھ شک نہیں ۔ غرض جس طرح لوگوں کے بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح آپؐ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں ہیں وہ آپؐ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ ایک ہی نظر میں ہر شخص آپؐ کو جان جاتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ اس علم حق کے باوجود بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ تم حق کے حق ہونے میں ہرگز شک و شبہ نہ کرنا ۔ (ابن کثیر ۱۹۴/ ۱) ۔

نیکی میں سبقت

۱۴۸ ، ۱۵۰ - وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ ، وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ، وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ ق اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ق وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ،

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت (قبلہ) ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے ۔ پس تم نیکیوں کی طرف دوڑا کرو ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے ، اللہ تعالیٰ تم سب کو (وہیں سے) سمیٹ کر لے آئے گا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جہاں کہیں سے بھی نکلیں تو (نماز میں اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کریں اور بیشک آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ۔ اور آپ جہاں کہیں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کریں اور (اے مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو (نماز میں) اپنے چہرے اسی کی طرف کر لیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے ۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں تو ان سے نہ ڈرو اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت (فضل) پوری کردوں اور تاکہ تم ہدایت پاجاؤ ۔

وِجْهَةٌ: سمت ، طرف ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد قبلہ ۔ اور حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کی قرأت میں یہاں وِجْهَةٌ کی بجائے قِبْلَةٌ بھی منقول ہے ۔ (معارف القرآن ۳۸۹ / ۱) ۔

الْخَیْرٰتِ: نیکیاں ۔ خوبیاں ۔ صدقہ و خیرات وغیرہ کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہ خیرات میں داخل ہے ۔

حُجَّةٌ: حجت ، جھگڑا ، دلیل ، الزام ، جمع حُجَجٌ ۔

تشریح : جمہور مفسرین کے نزدیک وِجْهَةٌ سے مُراد یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک علیحدہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ عبادت میں رخ کرتے ہیں خواہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ملا ہو یا انہوں نے اپنے طور پر سمت مقرر کرلی ہو ۔ کوئی بھی قوم

دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتی ۔ اس لئے اپنے قبلہ کے صحیح ہونے کے بارے میں ان لوگوں سے بحث و تمحیث فضول ہے ۔ اس لئے اس کو چھوڑ کر نیک کاموں میں دوڑ دھوپ اور آگے بڑھنے کی کوشش میں لگ جاؤ ۔ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کو جمع کر کے حساب لے گا ۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے اوقات آخرت کی فکر میں صرف کرے ۔

تحویل قبلہ کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں ۔ اس تکرار کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر یہ حکم تاکید کے ساتھ مکرّر بیان نہ کیا جاتا تو لوگوں کو اطمینان و سکون قلب حاصل نہ ہوتا ۔ اس لئے اس حکم کو بار بار دہرایا گیا ۔ قرطبی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جو حکم آیا وہ حالتِ حضر کے لئے ہے کہ آپؐ جب اپنی جگہ مقیم ہوں تو مسجدِ حرام کی طرف رخ کیا کریں اور حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کا مطلب ہوگا کہ یہ حکم صرف مسجدِ نبوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اپنے وطن اور شہر میں جس جگہ بھی ہوں بیت اللہ ہی کا استقبال کرنا ہے پھر انہی الفاظ کے ساتھ دوسری مرتبہ جو حکم آیا اس سے پہلے مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ کے الفاظ ہیں جو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ حکم وطن سے نکلنے اور سفر کی حالت کے لئے ہے ۔ چونکہ سفر کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور سفر میں کبھی چند روز کے لئے کہیں قیام کیا جاتا ہے اور کبھی زیادہ عرصہ کے لئے اور کبھی سفر قطع کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اس لئے تیسری مرتبہ پھر ان الفاظ کے ساتھ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کا اضافہ کر کے بتادیا کہ سفر کی کوئی بھی حالت ہو ، نماز میں قبلہ ہی کی طرف رخ کرنا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۸۸، ۳۸۹/ ۱) ۔

مقاصدِ بعثت

۱۵۱ ، ۱۵۲ ۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

جیسا کہ ہم نے تم لوگوں میں ، تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے

تھے ۔ پس تم مجھے یاد کرو ، میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرتے رہو
اور ناشکری نہ کرو ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت بڑی نعمت یاد دلائی ہے کہ اس نے ہم میں ہماری ہی جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے ۔ اور وہ ہمیں رذیل عادتوں ، نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے روکتا ہے اور ہمیں کفر کی ظلمت سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ہم پر ایسے راز کھولتا ہے جو اس سے پہلے ہم پر نہیں کھلے تھے ۔ پس آپؐ کی تعلیم و تربیت سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا اور تاریکی میں گھرے ہوئے تھے ، دنیا کے رہبر و معلم بن گئے ۔ جو لوگ نرے ان پڑھ اور رہزن تھے وہ آپؐ کی تعلیمات سے علم میں گہرے ، تکلف میں تھوڑے ، دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے ۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے ۔ ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا زبردست احسان ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اٰل عمران آیت ۱۶۴ ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجدیا ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک نبی بھیج کر تم پر احسان کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو مجھے یاد رکھ ، بھول نہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا شکر ہے اور بھلانا کفر ہے ۔

مسند احمد میں ایک حدیثِ قدسی میں ہے ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزّو جل فرماتا ہے کہ اے بنی آدم اگر تو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں ۔ اگر تو

مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں تجھے فرشتوں کی جماعت میں یاد کرتا ہوں یا یہ فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتاہوں ۔ اور اگر تو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں تیری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں ۔ اور اگر تو میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا اور اگر تو میری طرف چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا ۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے ۔ (ابن کثیر ۱۹۶ / ۱) ۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ہم نے تمہیں ایک قبلہ کی نعمت عطا فرمائی ، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نعمت سے نوازا ، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ایک نعمت ہے ۔ لہٰذا ان سب نعمتوں کا شکر اداکرو تاکہ یہ نعمتیں اور زیادہ ہو جائیں ۔ (معارف القرآن ۹۲/ ۱) ۔

طلبِ استعانت

۱۵۳ ۔ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ؕ

اے ایمان والو ! (ہر مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

ربطِ آیات : تحویلِ قبلہ پر مخالفین کی طرف سے جو اعتراض ہوا تھا اسکے دو اثر تھے۔ ایک یہ کہ اعتراض سے اسلام کی حقانیت کے بارے میں شبہ پیدا کیا جا رہا تھا ۔ اوپر کی آیات میں اس اعتراض کا جواب دیکر اسکے اثر کو دفع کر دیا گیا ۔ دوسرا اثر اہل اسلام کی طبیعتوں پر پڑا کہ اعتراض کا جواب دینے کے بعد بھی اس پر بے جا اصرار سے قلب میں رنج اور صدمہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس آیت میں صبر اور نماز کی مدد سے رنج و ملال میں کمی کا طریقہ بتاکر اس دوسرے اثر کو بھی زائل فرما دیا ہے ۔ (معارف القران ۱۹۳ /۱) ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی تمام ضروریات اور حوائج کو پورا کرنے اور تمام آفات و مصائب اور تکالیف کو دور کرنے کا جو نسخۂ اکسیر ہے وہ دو چیزوں سے مرکب ہے ۔ ایک صبر ، دوسرے نماز ۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے

انسان کی ہر ضرورت میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے ۔

صبر کے اصلی معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں ۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں ۔

(۱) اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا ۔

(۲) اطاعت و عبادت کی پابندی پر مجبور کرنا ۔

(۳) مصائب و آفات پر صبر کرنا ۔ یعنی اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے ثواب کا امید وار ہونا ۔

قرآنِ کریم کی اصطلاح میں انہیں لوگوں کو صابرین کہا جاتا ہے جو مذکورہ تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں ۔ بعض روایات میں ہے کہ حشر کے روز ندا کی جائے گی کہ صَابِرِین کہاں ہیں ؟ تو وہ لوگ جنہوں نے تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گزاری ہوگی وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی ۔

اس نسخہ کا دوسرا جزو جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے ، وہ نماز ہے ۔ در حقیقت نماز اور دوسری تمام عبادات ، صبر ہی کی جزئیات ہیں ۔ نماز کو علیحدہ اس لئے بیان کیا گیا کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ ہے کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و اطاعت کے ساتھ ساتھ ، معاصی و مکروہات سے روکا جاتا ہے ۔ تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نجات دلانے میں بھی نماز کی ایک خاص تاثیر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو آپؐ نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے تھے ۔ (معارف القرآن ۳۹۴ ، ۱/۳۹۵) ۔

حیاتِ شہداء

۱۵۴ - وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؕ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل (شہید) ہو جاتے ہیں تم ان کو مرا ہوا نہ

کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ۔

تشریح: یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی تھی ۔ شہداء بدر میں چھ آدمی تو مہاجرین میں سے تھے ۔ اور آٹھ انصار میں سے ۔ لوگ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ہائے فلاں شخص مر گیا اور اس سے دنیا کی نعمت چھوٹ گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کے ازالہ اور ان کے درجات پر آگاہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ۔ شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسم کی سی قوت عطا فرما دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ زمین، آسمان اور جنت سب جگہ کی سیر کرتے ہیں ۔ اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے بدن اور کفن کو نہیں کھاتی ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے ہاں سبز پرندوں میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی پھرتی ہیں اور عرش کے نیچے جو قندیلیں ہیں ان میں آرام کرتی ہیں ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۔ ۱/۱۵۲) ۔

مومنوں کی آزمائش

۱۵۵ ۔ ۱۵۷ ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ، الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ، اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ،

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ، کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور ہم سب اسی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خاص مہربانیاں بھی ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی ۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ۔

لَنَبْلُوَنَّكُمْ: البتہ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ۔ بَلَاءٌ سے مضارع ۔

مُصِیْبَۃٌ: مصیبت ۔ تکلیف ۔ اِصَابَۃٌ سے اسم فاعل ۔

صَلٰوتٌ: عنایتیں ۔ اس کا واحد صَلٰوۃٌ ہے ۔ یہ لفظ نماز ، دعا ، رحمت اور برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو ثابت قدمی ، دین میں استقامت اور ہر قسم کی تکالیف صبر و تحمل سے براداشت کرنے کی تعلیم ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہم تمہیں کسی قدر مصائب پہنچا کر برکاتِ سَمَاوِیَہ سے مستفید کریں گے ۔ یہ بات پہلے سے اس لئے بتادی گئی تاکہ مصائب کے نزول کے وقت نفس کو اطمینان رہے اور زیادہ پریشانی نہ ہو ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خوف سے مراد دشمن کا خوف اور جوع سے مراد قحط ہے ۔

طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل (جوتا) مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا ۔ آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ مومن کو جو ناگوار امر پہنچتا ہے وہی مصیبت ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جایا کرے تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا کرو کیونکہ یہ بھی مصیبت ہے ۔ (مظہری ۱۵۴/۱) ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ، ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتا ہے ، اللہ تعالیٰ اسے اچھا بدل عطا فرماتا ہے اور اس کو اتنا دیتا ہے کہ وہ راضی ہو جاتا ہے ۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مصیبت میں جیسے کلمات اس امت کو تعلیم کئے گئے ہیں ویسے کسی اور کو نہیں سکھائے گئے ۔ اگر امت محمدیہ کے سوا یہ کلمات کسی اور کو عطا کئے جاتے تو حضرت یعقوبؑ کو عطا کئے جاتے مگر انہیں بھی نہیں بتائے گئے ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف کے فراق میں یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (اے افسوس یوسف پر) فرمایا ۔ اگر ان کو یہ کلمات تعلیم کئے جاتے تو وہ یہی کلمات کہتے ۔ (مظہری ۱۵۴/۱) ۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو سنان سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ایک بچہ کو دفن

کیا ۔ ابھی میں اس کی قبر ہی میں تھا کہ ابو طلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو ! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکرا چھین لیا ۔ فرشتہ کہتا ہے ہاں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر اس نے کیا کہا ؟ فرشتہ جواب دیتا ہے کہ اس نے تیری حمد کی اور اِنَّا لِلّٰہ پڑھا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو ۔ (ابن کثیر ۱۵۵/ ۱) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور حکمِ خداوندی پر رضا مندی کو اپنا شیوہ بنایا تو انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں ہیں اور وہی لوگ راہ راست پر ہیں ۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب دنیا کے مصیبت زدوں کو ثواب ملے گا تو جو لوگ یہاں آرام میں رہتے ہیں وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال قینچی سے کاٹ دی جاتی کہ ہمیں بھی نعمتیں ملتیں (ترمذی) ۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو رنج یا غم ، یا حزن یا کچھ تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے ۔ احمد اور ابو داؤد کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کے مقدر میں کوئی مرتبہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور اس بندے کے اعمال ایسے نہیں ہوتے کہ وہ مرتبہ اسے ملے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا مال یا اولاد میں کچھ مصیبت پہنچا دیتا ہے ۔ وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس صبر کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے ۔ (مظہری ۱۵۵/ ۱) ۔

مراسمِ حج

۱۵۸ ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

بیشک صفا اور مروہ ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں (پہاڑوں کے درمیان) طواف

(سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ (اس کی) قدر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

صَفَا: ایک مشہور پہاڑی کا نام ہے جو مکہ معظمہ میں مسجدِ حرام کے پاس واقع ہے۔

اَلْمَرْوَۃَ: خانۂ کعبہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اس کے قریب ہی ایک اور پہاڑی ہے جس کو صفا کہتے ہیں۔ حج اور عمرہ کے لئے طوافِ کعبہ کے بعد ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ یعنی سات چکر لگائے جاتے ہیں۔ اب یہ دونوں پہاڑیاں تقریباً ہموار ہو چکی ہیں۔ ان کے معمولی آثار باقی ہیں جن سے ان کی نشاندہی ہوتی ہے۔

شَعَائِرِ: یہ شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ یہاں مراد عبادت کے طریقہ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔

حَجَّ: لغت میں قصد کرنے کو حج کہتے ہیں۔ یہاں خانۂ کعبہ کا قصد کرنے اور افعالِ مخصوصہ ادا کرنے کا نام حج ہے۔

اِعْتَمَرَ: اس نے عمرہ کیا۔ اِعْتِمَارٌ سے ماضی۔

عُمْرَہ: اس کے لفظی معنی زیارت کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مسجد حرام کی حاضری، طواف، اور سعی کو کہتے ہیں (مظہری، معارف القرآن ۴۰۰/۱

شانِ نزول ۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

امام بخاری نے حضرت عاصمؒ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اسلام سے پہلے اس سعی کو جاہلیت کی بات سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم نے سعی چھوڑ دی اس پر آیت اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت عروہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا (پس اس پر کچھ گناہ

نہیں کہ طواف کرے ان میں) سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں ۔ حضرت عائشہؓ نے سنکر فرمایا ۔ اے بھتیجے تم نے یہ کیسی بات کہی اگر آیت کا مطلب یہ ہوتا جو تم نے بیان کیا ہے تو قرآن کی عبارت اس طرح ہوتی فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (ان کا طواف نہ کرنے سے کچھ گناہ نہیں) یہ آیت تو انصار کے بارے میں ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کے حال سے متعلق نازل ہوئی تھی ۔ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ انصار مَنَاةَ بت کی عبادت کرتے تھے جب مسلمان ہوئے تو صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے سے ان کو کراہت محسوس ہوئی اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اسلام سے پہلے صفا و مروہ کی سعی کیا کرتے تھے اس لئے اب اس سعی سے طبیعت میں تنگی معلوم ہوتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۵۶ / ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر ان کے درمیان گھومتے رہتے تھے ۔ اسلام کے بعد لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری ۔ (ابن کثیر ۱۹۹/ ۱) ۔

تشریح : صفا و مروہ کا طواف (سعی) بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی ادائیگی کے لئے سکھائے تھے ۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ نے خوراک و پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے تھے ۔ یہی سعی کی اصل ہے ۔ واقعہ اسطرح سے ہے کہ حضرت ابراہیم ، حضرت ہاجرہ اور ان کے چھوٹے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ جب حضرت ہاجرہ کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور بچے کی جان پر آبنی تب انہوں نے نہایت بے قراری ، بے بسی ، ڈر و خوف اور اضطراب کے ساتھ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تاکہ کہیں پانی نظر آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ فعل اس قدر محبوب ہوا کہ اس کو حج کے مناسک میں شامل کر دیا گیا ۔ پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں کچھ گناہ نہیں ۔ تم کافروں کی مشابہت سے شبہہ میں مت پڑو ۔ صفا اور مروہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کا طواف سراسر خیر اور عبادت ہے

اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی ، شوق و رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے اوراس کو اس کی نیت و اخلاص کے مطابق ثواب عطا فرمائے گا ۔

کتمانِ حق پر وعید

۱۵۹ ، ۱۶۰ - اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

بیشک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جو ہم نے نازل کی ہیں ، اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بھی بیان کر دیا ہے ۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں مگر جن لوگوں نے توبہ کر کے نیکی اختیار کر لی اور انہوں نے صاف صاف بیان کر دیا تو میں بھی ان کی توبہ قبول کرلوں گا اور میں تو بہت معاف کرنے والا مہربان ہوں ۔

اَلْبَيِّنٰتِ : روشن دلیلیں ۔ معجزات ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد بَيِّنَةٌ ہے ۔ یہاں مراد وہ علامتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی بتا رہی ہیں ۔

اَلْهُدٰى : ہدایت کرنا ۔ رہنمائی کرنا ۔ یہاں وہ شئے مراد ہے جو سیدھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی راہ بتائے ۔

يَلْعَنُهُمْ : وہ ان کو لعنت کرتا ہے ۔ وہ ان کو پھٹکارتا ہے ۔ لَعْنٌ سے مضارع ۔

اللّٰعِنُوْنَ : لعنت کرنے والے ۔ اس سے مراد وہ سب ہیں جو لعنت کرنیکی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ وہ ملائکہ ہوں ، جن ہوں ، انسان ہوں یا زمین کے جانور یہ سب مخلوق اللہ تعالیٰ سے ان پر لعنت کرنیکی درخواست کرتی ہے ۔ (مظہری ۱۵۸ / ۱) ۔

بَيَّنُوْا : انہوں نے بیان کیا ۔ تَبْيِيْنٌ سے ماضی ۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس کو صاف صاف بیان کر دیا جو کچھ توریت میں ہے ۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ بن جبل اور سعدؓ بن معاذ اور خارجہؓ بن زید نے یہود کے علماء سے توریت کا کوئی مضمون دریافت کیا۔ انہوں نے اس کو چھپایا اور بتانے سے صاف صاف انکار کر دیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۱۵۸ / ۱)۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بیّنات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔

حضرت براءؓ بن عازب سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کافر جب مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر مار پڑتی ہے اور اس کو انسانوں اور جنّوں کے سوا روئے زمین پر چلنے والا ہر ایک سنتا اور لعنت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۔ سے یہی مراد ہے۔
(مظہری بحوالہ ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ۱۵۸ / ۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے کسی شرعی امر کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (ابن کثیر ۲۰۰/ ۱)۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات بیّنات کو چھپانے کے فعلِ بد سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی امانت کو ظاہر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو معاف فرما دیتا ہے کیونکہ وہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کافروں پر لعنت

۱۶۱، ۱۶۲ - اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۔

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت (چھٹکارا) ملے گی۔

يُنْظَرُوْنَ : ان کو مہلت دی جائے گی ۔ یہ یا تو اِنْظَارٌ بمعنی مہلت دینا سے مشتق ہے ۔ یا اِنْتِظَارٌ سے ماخوذ ہے ۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس بات کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ کسی قسم کی معذرت کریں یا پھر نَظْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دیکھنا ۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی طرف رحمت نہ کی جائیگی ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو کفر کریں ، آخر دم تک اپنے کفر پر قائم رہیں پھر اسی (کفر کی) حالت پر ان کی موت واقع ہو جائے اور ان کو توبہ نصیب نہ ہو ، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے ، ہمیشہ لعنت برستی ہے وہ اس (لعنت کے) عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے ۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو اس سے چھٹکارا حاصل ہو گا ۔ (حقانی ۱/۵۲۱) ۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

۱۶۳ ۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول : علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ قریش کے کفار نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کی صفت اور نسب بیان کیجئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص اور یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۵۹/ ۱) ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر تھا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت و رحمت کا ذکر فرما کر کافروں پر واضح فرما دیا کہ وہی ایک معبود ہے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔ اس کے سوا کہیں پناہ نہیں جو تمہیں اس کی لعنت سے چھڑا سکے ۔ رحمتِ عامّہ اور خاصّہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس کی رحمت کے سوا لعنت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ۔ اگر اس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو شاید وہ تمہیں اس کی لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا لیکن اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو رحمٰن بھی ہو اور رحیم بھی لہذا تمہارے بچنے کی

کوئی صورت نہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجود یکہ توریت و انجیل میں اللہ تعالیٰ کی توحید صراحتاً مذکور ہے پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہو ۔ اور شرک کرتے ہو اور تم اس توحید کو چھپاتے ہو جو تمہیں معلوم ہے ۔

توحید کا اثبات

۱۶۴ - اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیکر سمندر میں چلتے ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا ہے ، پھر اس سے مُردہ زمین کو زندہ کردیا اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلادئے ، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو گھرا ہوا ہے آسمان اور زمین کے درمیان ، ان سب میں عقلمندوں کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں ۔

خَلْقِ : پیدا کرنا ، بنانا ، مصدر ہے ۔ اگر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی کسی چیز کو بغیر نمونے کے عدم سے وجود میں لانے کے ہوتے ہیں ۔ (المفردات ۱۵۷) ۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا ، چوپایہ ، مخلوق ۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل ۔

تَصْرِیْفِ: پھیرنا ۔ بدلنا ۔ ہٹانا ۔ مصدر ہے ۔

الرِّیٰحِ : ہوائیں ۔ واحد رِیْحٌ ۔

السَّحَابِ : بادل ۔ ابر ۔

شانِ نزول : بیہقی اور سعد بن منصور نے ابی الضحیٰ سے روایت کی جب آیت

اِلٰھُکُم اِلٰہ وَّاحِد .... نازل ہوئی تو مشرکین کو بہت تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ اگر ایک ہی معبود ہے تو اس کی دلیل کیا ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن سے اس کی واحدانیت و دیگر صفاتِ کمالیہ اور اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے ۔

(۱) **آسمان و زمین کی پیدائش** ۔ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی ہیں ۔ کوئی ستارہ بڑا ہے اور کوئی چھوٹا ۔ کسی کا رنگ سرخی مائل اور کسی کا سفیدی مائل ، کسی کی حرکت کسی طرف اور کسی کی کسی طرف ، سب اسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۲) **دنوں اور راتوں کا اختلاف** ، رات جاتی ہے اور دن آتا ہے ۔ کبھی راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں ۔ ایک ہی وقت میں کہیں دن ہے ، کہیں رات ۔ قطب شمالی اور جنوبی پر دن اور رات چھ چھ مہینے کے ہیں ۔ یہ تمام عجائب از خود نہیں بلکہ یہ سب اسی کے دست قدرت میں ہے جس کے تابع آسمان و آفتاب ہیں ۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۳) **کشتی اور جہاز** ۔ زمین کے بیشتر حصہ (تین چوتھائی) پر پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں اور جو پانی کی بارش ، زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں ، زمین کا جو ایک چوتھائی حصہ پانی سے باہر ہے اس پر دنیا کے ممالک آباد ہیں ۔ دنیا کے دور دراز ممالک میں جو لوگ سیر و سیاحت اور تجارت کی غرض سے جاتے ہیں وہ ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعہ جاتے ہیں ۔ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو علوم و فنون اور آلات کی تعلیم کرنا اسی خدا کا کام ہے جس نے آسمان و زمین اور سمندر پیدا کئے ۔ پھر پہاڑ جیسی موجوں سے اس کو بچانا اور ہوا کو موافق رخ پر رکھنا سب اسی کے دست قدرت میں ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۴) **آسمانوں میں سے مینہ کا اترنا** ۔ یعنی بادلوں میں سے بارش کا نازل

کرنا بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے ۔ ہزاروں لاکھوں من پانی کے بادل ہوا کی گاڑی پر لدے ہوئے ہیں ۔ ان کو فرشتے اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں ۔ جہاں جسقدر ضرورت ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی قدر نہایت سہولت سے برسا دیتے ہیں ۔

(۵) اس پانی (بارش) سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا یعنی اس سے قسم قسم کی ہزار ہا جڑی بوٹیاں ، اناج ، گھاس اور عمدہ عمدہ پھلوں اور پھولوں کے درخت اگانا یہ سب اسی کا کام ہے ۔ باجود یکہ زمین ایک ہے اور وہی پانی اوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے اور دوسرا تلخ ۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی درخت میں کئی کئی رنگ کے پھول اور بعض نباتات میں ایسی گل کاریاں کہ عقل حیران ہے ۔ کیا یہ سب نیرنگیاں اس قادرِ مطلق کے دست قدرت کا پتہ نہیں دیتیں ۔ وہی تو اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا ۔ حیوان کی ہزار ہا انواع و اقسام ہیں ۔ بعض جانور اس قدر چھوٹے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے ان کی گنتی اور شمار انسانی قدرت سے باہر ہے ۔

(۷) ہواؤں کا بدلنا ۔ جن پر اہل دنیا کی زندگی کا مدار ہے ، کبھی مشرق کو اور کبھی مغرب کو چلتی ہیں ، کبھی جنوب کا رخ کرتی ہیں اور کبھی شمال کا ، کبھی مفید ہوتی ہیں کبھی مضر ، کبھی تند ، کبھی نرم ، کبھی سرد ، کبھی گرم ۔

(۸) ہزاروں لاکھوں ٹن پانی کے بادلوں کو زمین و آسمان کے درمیان معلق رکھنا حالانکہ پانی اپنی فطرت کی بنا پر نیچے کی طرف آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلق ہے نہ گرتا ہے نہ پھٹتا ہے ۔ (حقانی ۵۲۲ ، ۱/۵۲۳) ۔

ان تمام اشیاء میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر اور سوچ و بچار کرتے ہیں دلائل و آثار ہیں جو صاف بول رہے ہیں کہ پرستش اور شکریہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لا شریک ہے ۔

مشرکین کے لئے وعید

۱۶۵ ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

ظَلَمُوٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۔

اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہئے ۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ زیادہ محبت ہے اور کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جائے (جیسا کہ اس وقت معلوم ہوگا) جب وہ عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے ۔

ربطِ آیات : اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا ۔ آگے مشرکین کی غلطی اور وعید کا بیان ہے ۔

تشریح : اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی وحدانیت اور صفاتِ کمالیہ پر ایسے آٹھ دلائل بیان کئے جن سے تمام نعمتوں اور تمام بھلائیوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے ۔ مثلاً بارش برسانا ۔ اس کے ذریعہ اناج اگانا ، ہواؤں کا بدلنا وغیرہ اس کے باوجود بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے ستاروں ، اور فرشتوں وغیرہ کو بھی اس کی خدائی میں شریک اور نفع و نقصان کا ذمہ دار تصور کر کے ان سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے ۔ دراصل یہ انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے نہ تو اس کو خدا جانا اور نہ وہ سچے دل سے اس پر ایمان لائے ۔ البتہ جو لوگ اس پر صدق دل سے ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں اور وہ اپنی جان و مال بھی اس پر قربان کرنے میں تامل نہیں کریں گے ۔ وہ خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور جو لوگ غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کو اصل حال معلوم نہیں اگر ان کو قیامت کا حال معلوم ہو جائے تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں ۔ (حقانی ۵۲۴، ۵۲۵ / ۱) ۔

مشرکوں کی بے بسی

۱۶۶ ، ۱۶۷۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۔

جب وہ پیشوا الگ ہو جائیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور آپس کے تعلقات قطع ہو جائیں گے ۔ اور پیروی کرنے والے کہیں گے کاش ایک بار پھر ہمیں (دنیا میں) جانے کا (موقع) ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح الگ ہوجائیں جس طرح یہ ہم سے الگ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے اعمال ان کو افسوس دلانے کے لئے دکھائے گا اور ان کو دوزخ سے نکلنا بھی نصیب نہیں ہوگا ۔

تَبَرَّاَ: وہ الگ ہوا ، وہ بیزار ہوا ۔ تبرّیٔ سے ماضی ۔

کَرَّۃً: (دنیا میں) لوٹ جانا ۔ پھر جانا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اوپر کی آیت میں آخرت کے عذاب کی سختی کی کیفیت کا بیان ہے ۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سرداروں اور ان کی اتباع کرنے والوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا تو وہ سردار عذاب کو دیکھ کر ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہوئے الگ ہو جائیں گے ۔ قیامت کے دن کافروں کو انبیاء کا اتباع اور نیک کام چھوڑنے اور اپنے اوقات کو لغو باتوں میں ضائع کرنے پر تو ندامت و شرمندگی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے سے حسرت و افسوس ہوگا ۔ سدی نے کہا کہ اگر کفار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے اور اس اطاعت پر ان کو جنت میں جو درجات ملتے وہ قیامت کے روز ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تو تمہیں یہ درجے ملتے ۔ پھر ان کے سامنے ہی وہ درجے مومنین کو تقسیم کر دئے جائیں گے ۔ اس وقت کافر بہت نادم ہوں گے اور حسرت و افسوس کر کے روئیں گے ۔ (مظہری ۱۶۴/ ۱) ۔

حلال و طیب غذا

۱۶۸ ، ۱۶۹ ۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ، اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ،

اے لوگوں ! زمین کی چیزوں میں سے حلال و پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ بیشک وہ تمہیں

بُری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتائے گا اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ۔

خُطُوٰتِ: یہ خُطْوَۃٌ کی جمع ہے ۔ چلنے والے دونوں قدموں کی درمیانی مسافت کا نام خُطْوَۃٌ ہے ۔ یہاں شیطانی اعمال و افعال اور راستے مرداہیں ۔ (مظہری ۱۶۵/ ۱) ۔

اَلْفَحْشَآءِ: فحش کام ۔ بے حیائی کا کام ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پاک و حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نفس کی خواہش پر شیطان کی پیروی کرتے ہوئے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ، تمہیں گناہ اور بے حیائی کی طرف لیجاتا ہے ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتے کا بھی ۔ شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ وہ شر کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتاہے ۔ پس جو شخص اپنے دل میں ملکوتی (فرشتے کا) خیال پائے تو وہ جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کی حمد کرے اور اگر کسی کے دل میں برائی کا وسوسہ آئے تو وہ جان لے کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے ۔ (مظہری ۱۶۵ / ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعدؓ بن وقاص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے سعد پاک و حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی (شومی کی) وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی ، جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۳/ ۱) ۔

اندھی تقلید اور اس کی مثال

۱۷۰، ۱۷۱ - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔

اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ وہ راہ راست پر چلتے ہوں (تو کیا پھر بھی یہ ان کے طریقہ پر چلیں گے)۔ اور کافروں کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی چلا چلا کر ان جانوروں کو پکارے جو پکارنے اور چلانے کے سوا اور کچھ نہیں سنتے (یہ کافر) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس یہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اَلْفَيْنَا: ہم نے پایا۔ اِلْفَاءٌ سے ماضی۔

يَنْعِقُ: وہ چلاتا ہے۔ وہ چیختا ہے۔ نَعْقٌ و نَعِيْقٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور جنت کی رغبت دلائی اور عذاب سے ڈرایا تو رافع بن حُرَیْمَلَہ یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپؐ کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اسی پر چلیں گے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے اچھے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فر مائی۔ (مظہری ۱۶۵، ۱۶۶ / ۱)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کی تقلید و اتباع سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کو نہ تو عقل تھی اور نہ ہدایت۔ ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو بذریعہ اجتہاد، اور نصوصِ شرعیہ سے استنباط کئے گئے۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں آباء و اجداد کی تقلید کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے۔ صحیح عقائد اور اعمال صالحہ میں آباء و

اجداد کی تقلید کرنا اس میں داخل نہیں ۔ (معارف القرآن ۳۱۳ ، ۳۱۴ / ۱) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ باپ دادا کی تقلید کے پیچھے ایسے پڑے ہیں کہ جب ان کو ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے اور احکام الہیٰ سنائے جاتے ہیں تو یہ ان پر کان نہیں دھرتے اور نہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں ۔ ان کی مثال بھیڑ بکریوں کی سی ہے کہ جب ان کو کوئی پکارتا ہے تو وہ اس کی آواز تو سنتی ہیں مگر کچھ سمجھتی نہیں ۔ چونکہ یہ لوگ احکام الہیٰ کو توجہ سے نہیں سنتے اس لئے بہرے ہیں اور نہ ان کی زبان سے کلمات خیر نکلتے ہیں اس لئے گونگے ہیں اور ہدایت کو دیکھتے ہی نہیں اس لئے اندھے بھی ہیں ۔ چونکہ ان کی فکرو نظر میں خلل واقع ہو گیا ہے اس لئے دین کی بات کو سمجھتے نہیں ۔ (مظہری ۱۶۷ / ۱) ۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں ، نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے اور نہ انہیں کچھ احساس ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۴/ ۱) ۔

حرام اشیاء کا بیان

۱۷۲ ، ۱۷۳ ۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

اے ایمان والو ! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو ، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر مُردار اور خون اور سُور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو ، حرام کیا ہے ۔ پس جو کوئی مجبور و بیتاب ہو جائے اور وہ حکم عدولی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

اَلْمَیْتَۃَ: لغت میں مَیْتَۃٌ (مُردار) اس جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کئے بغیر مر جائے شرع میں تمام معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی خواہ وہ غیر اللہ کے نام پر

ذبح کیا گیا ہو یا اس کا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر حلقوم کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو، شرع میں ان سب کو مَیۡتَۃ (مُردار) کہتے ہیں ۔ (حقانی ۵۲۹/ ۱) ۔

الدم : دم خون کو کہتے ہیں ۔ عرب کے لوگ خون کو جمالیتے تھے ۔ پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے ۔ یہ انسانی اخلاق کو فاسد کرتا ہے مگر کلیجی اور تلی وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ۔ اس لئے ان کا کھانا درست ہے ۔ (حقانی ۵۳۰/ ۱) ۔

احمد ، ابن ماجہ اور دار قطنی نے ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لئے دو مُردار ، مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی حلال کر دئے گئے ۔ (ابن کثیر ۲۰۵/ ۱) ۔

لَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ - سور کا گوشت ۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سور کی کل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہے ، ان کا کھانا درست نہیں ۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی ، کھال ، بال ، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہیں ۔ خنزیر ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کیونکہ وہ نجس العین بھی ہے اور حرام بھی ۔ حدیث میں صرف چڑہ سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال جائز قرار دیا ہے ۔ (معارف القرآن) ۔

اضۡطُرَّ : اضطرار ، بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں ۔ اِضۡطِرَارٌ سے ماضی مجہول ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے ۔ جن چیزوں کو کافر پاک سمجھتے ہیں ان میں سے صرف چار چیزیں حرام ہیں انکو نہ کھاؤ ۔ (۱) مُردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) وہ جو غیر اللہ کے لئے یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے ۔ جب کوئی بھوک کے مارے ناچار ہو جائے تو اس وقت ان چاروں حرام چیزوں

کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور سرکشی نہ ہو اور ان چیزوں کو صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور لذت و خواہش کا طالب ہو کر نہ کھائے اور نہ قدرے ضرورت سے زیادہ کھائے۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ اور اس نے رسولوں اور مومنوں کو حلال کھانے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی طویل سفر کرتا ہے، وہ پراگندہ اور غبار آلود ہوتا ہے (یعنی دعا کی قبولیت کے سارے سامان مجتمع ہیں) اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یا رب یا رب پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا اور پہننا اور غذا سب حرام ہے پھر دعا کیسے قبول ہو۔ (ابن کثیر ۲۰۵/ ۱)۔

کتمانِ حق کا انجام

۱۷۴ - ۱۷۶ - اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۔ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۔

بیشک جو لوگ ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی اور بخشش کے بدلے میں عذاب۔ سو یہ (لوگ) دوزخ کے لئے کس قدر با ہمت ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے حق کے ساتھ کتاب اتاری تھی اور بیشک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

بُطُوْنِہِمْ: ان کے پیٹ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد بَطْنٌ ہے۔

شِقَاقٍ : مخالفت ۔ ضد ۔ مشقت ۔

شانِ نزول ۔ یہود کے رؤساء اور علماء غریب لوگوں سے طرح طرح کے ہدیے اور کھانے پینے کی چیزیں لیا کرتے تھے اور دل میں یہ سمجھتے تھے کہ نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں سے ہوں گے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مبعوث نہ ہوئے تو ان کو یہ خوف ہوا کہ اب اگر ہم نے ان کی اتباع کرلی تو یہ ساری آمدنی ہاتھ سے چلی جائے گی اس لئے انہوں نے یہ بیہودہ حرکت کی کہ آپؐ کی صفات اور نشانیوں کو بدل دیا پھر ان بدلی ہوئی صفات کو عوام کے سامنے بیان کیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات سے مختلف تھیں جو اصل توریت میں مذکور تھیں اس لئے لوگوں نے آپؐ کی اتباع نہ کی ۔ علامہ بغوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ثعلبی نے ابو صالح اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح بیان کیا ۔ (مظہری ۱۷۱ ۔ (۱ / ۱۷۲

تشریح : مدینہ کے یہود جانوروں کی حِلّت وحُرمت اور ان کے کھانے میں مسلمانوں کو بڑی پرہیز گاری جتایا کرتے تھے حالانکہ خود حرام کھانے میں بڑے مشّاق تھے ۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ احکام الٰہی کو چھپاتے تھے اور پیسے لیکر سائل کے حسب منشاء فتویٰ دیدیتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ہمارے نازل کردہ احکام کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لیکر کھاتے ہیں تو یہ ان کے لئے جہنم کی آگ ہو جائے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کو گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف کرے گا اور ان کے لئے عذابِ الیم تیار ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مُول لیا ۔ ان لوگوں نے جان بوجھکر دوزخ کے اس قدر اسباب اختیار کئے ہیں کہ گویا ان کو آتش جہنم کی بہت برداشت ہے ۔ حالانکہ کسی کو بھی اس کی برداشت نہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ باتیں ڈرانے کے لئے نہیں بلکہ یہ اسی طرح واقع ہوں گی ۔ کیونکہ ہم نے ایک کتابِ برحق بھیجدی اور اس میں جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور بے تکی تاویلیں کرتے ہیں وہ بلا شبہ ضد میں پڑے ہوئے ہیں ۔ (حقانی ۔ (۱ / ۵۳۳ ، ۵۳۲

حقیقی بھلائی

۱۷۷۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو بلکہ نیکی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال کو ، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف کے وقت اور جنگ میں صبر کریں (ثابت قدم رہیں) یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں ۔

الرِّقَابِ : گردنیں ۔ واحد رَقَبَۃٌ ۔ یہاں مراد معاوضہ دیکر غلاموں کو آزاد کرنا ہے ۔

الْبَاْسَآءِ : سختی ۔ تنگدستی ۔ مفلسی ۔

الضَّرَّآءِ : دکھ درد ، مصیبت ۔ اسم ہے ۔

الْبَاْسِ : قتال ، لڑائی ، جنگ ۔

تشریح : جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کر دیا گیا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین اس بارے میں بڑا شور و شغب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے ۔ اس آیت میں تحویل قبلہ کے بارے میں بحث کو یہ کہکر ختم کر دیا گیا کہ تمہارے خیال میں دین کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ نماز میں انسان کا رخ مغرب کی طرف ہو یا مشرق کی طرف ۔ تم نے صرف سمت و جہت کو دین کا مقصد بنا لیا حالانکہ اصل بھلائی اور ثواب اللہ تعالیٰ کی اطاعت

میں ہے ۔ اپنی ذات کے اعتبار سے مشرق و مغرب یا کسی اور سمت کی کوئی اہمیت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ جس جانب رخ کرنے کا حکم دے اسی کی تعمیل میں ثواب ہے ۔ جب تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا تو اسی میں ثواب تھا اور جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا ارشاد ہوا تو اب وہی ثواب ہے ۔ مشرق و مغرب کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے ۔

اس آیت میں اصولی طور پر تمام احکامِ شرعیہ ، اعتقادات ، عبادات ، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر ہے ۔ اس کے بعد سورت کے اختتام تک اسی آیت کی مزید تشریحات ہیں ۔ (معارف القرآن ۴۳۱ ، ۴۳۲ / ۱) ۔

اعتقادات : اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لائے کہ اس کو جلالِ ذات اور کمالِ صفات میں یگانہ سمجھے ۔ حدوث کے عیب اور ضدو مثل سے پاک سمجھے ۔ اور جیسا اس نے اپنے آپ کو بتایا ہے اسکے بارے میں ویسا ہی اعتقاد رکھے ۔

یوم آخرت پر ایمان لانا ۔ : یعنی قیامت کے دن پر ایمان لانا ، اس میں حساب و کتاب ، میزان وصراط ، جنت و دوزخ ، شفاعت و مغفرت ، ثواب و عذابِ دائمی سب آگیا ۔

فرشتوں پر ایمان لانا : یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ، نور سے پیدا ہوئی ہے ، جسم و روح والے ہیں ، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں ، نہ نکاح کرتے ہیں ، نہ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کرتے ہیں ۔ جوان کو حکم ہوتا ہے وہ وہی کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے قاصد ہیں ۔ انبیاء کے پاس وحی لاتے تھے ۔

کتاب پر ایمان لانا : اس سے قرآن مجید مُراد ہے ۔ قرآنِ کریم اور تمام کتبِ الٰہیہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور غیر مخلوق ہیں ۔

انبیاء پر ایمان لانا : تمام انبیاء پر یکساں ایمان لانا ۔ انبیاء سب کے سب صغائر اور کبائر سے معصوم اور پاک ہیں ۔

عبادات : اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال دینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو

نہیں دیکھتا، وہ تمہارے دلوں اور اعمالوں کو دیکھتا ہے ۔ (مسلم) ۔

رشتہ داروں کو دینا: اس میں سب طرح کے رشتہ دار شامل ہیں خواہ ان سے نسبی تعلق ہو یا عائلی ۔ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کو اوروں پر اس لئے مقدم فرمایا کہ دوسروں کے مقابلہ میں ان کو دینا زیادہ بہتر اور موجب ثواب ہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو ایک دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک دینار مسکین کو دے اور ایک دینار اپنے اہل کو دے تو ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تونے اپنے اہل پر صرف کیا۔ (مسلم) ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی زوجہ حضرت زینب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ صدقہ اور خیرات کر اگر چہ اپنے زیور ہی سے ہو ۔ حضرت زینب اور ایک دوسری عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاوند کو اور جو یتیم اپنی پرورش میں ہو، اگر اس کو صدقہ دیا جائے تو کفایت کرے گا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ایسے دینے میں دو ثواب ہیں ۔ ایک ثواب رشتہ داری کا اور ایک صدقہ کا ۔ (بخاری) ۔

حضرت سلمان بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینا تو صدقہ ہے ہی اور رشتہ داروں کوصدقہ دینا، صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ۔

یتیموں کو مال دینا: یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ بالغ ہونے سے پہلے مر جائے یا گم ہو جائے اور کوئی اس کا کمانے والا نہ ہو اور نہ ہی وہ خود روزی کما سکتا ہو ایک حدیث میں ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اتنے قریب ہوں گے جیسے شہادت کی انگلی درمیانی انگلی سے قریب ہے ۔ (بخاری، احمد، ابوداؤد، ترمذی) ۔

حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرکہ تھی ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے ۔ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرو ۔

مسکین کو دینا: مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اس کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کو کافی ہو سکے۔ اس کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے اسکی حاجت پوری ہو اور وہ فقر و فاقہ اور قلت وذلت کی حالت سے بچ سکے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین صرف وہی نہیں جو مانگتا پھرتا ہو اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا روٹی کے ایک ایک دو دو لقمے لیجاتا ہو بلکہ مسکین وہ بھی ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اس کے سب کام نکل جائیں، نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائے جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور ان میں سے کوئی اس کو کچھ دیدے۔

مسافر کو دینا: ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ مسافر مراد ہے جو اپنے اہل و عیال سے الگ ہو اور اس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو۔ ایسے مسافروں کو اتنا دیا جائے کہ وہ اطمینان سے اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سفر کر رہا ہو۔ اسے جانے آنے کا خرچ دینا چاہیئے۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔

سائل کو دینا: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے مانگیں، انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار آئے۔ (ابوداؤد)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے امّ مجید اگر تجھے بکری کے جلے ہوئے کھر کے سوا کچھ میسر نہ ہو تو وہی دیدے۔ (احمد، داؤد، ترمذی)۔

گردنوں کے چھڑانے میں دینا: اس سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا ہے۔ خواہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھدیا ہو کہ اگر ہم تمہیں اتنا اتنا دیدیں تو ہم آزاد ہیں لیکن پھر بیچارے اتنا ادا نہ کر سکیں تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا۔

نماز قائم کرنا: فرض اور نفل نماز کو وقت پر، آداب، مستحبات اور سنن کی پوری رعایت اور نہایت اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح ادا کرنا جس طرح ادا ئیگی کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا: اس میں نفلی صدقات و خیرات شامل نہیں۔ یا اس سے مراد نفس کو

ذلیل اخلاقوں سے پاک کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا ۔ یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے ۔

معاملات : اور وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں یعنی جب قسم کھاتے ہیں تو اس کو سچ کر دکھاتے ہیں ، جب منت مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں ، جب وعدہ کرتے تو اس کو وفا کرتے ہیں ۔ جب کچھ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں ۔ ان کے پاس کوئی امانت رکھتا ہے تو وہ اس کو جوں کا توں ادا کرتے ہیں اور جب حق بات پر ان سے گواہی طلب کی جاتی ہے تو گواہی دیتے ہیں ۔

اخلاق : فقرو فاقہ میں ، مال کی کمی کے وقت ، بدن کی بیماری کے وقت ، لڑائی کے موقع پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ہمت کرنے والے اور لوہے کی لاٹھ کی طرح جم جانے والے ۔

پھر فرمایا کہ ان اوصاف والے لوگ ہی ایمان اور نیکی میں سچے ہیں ، ان کا ظاہر و باطن اور قول و فعل یکساں ہے اور یہی کفر اور تمام بری خصلتوں سے بچتے ہیں ۔ (مظہری ۱۷۳ ۔ ۱۷۷ / ۱ ، ابن کثیر ۲۰۷ ۔ ۲۰۹ / ۱) ۔

قصاص کے احکام

۱۷۸ ، ۱۷۹ ۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۔ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۔ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

اے ایمان والو ! تم پر مقتولوں کے بارے میں بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے ، آزاد کے بدلے آزاد ، غلام کے بدلے میں غلام ، عورت کے بدلے میں عورت ، پھر جس کے لئے اس کا بھائی کچھ معاف کر دے تو دستور کے مطابق تابعداری کرنی چاہئے اور اسے خوبی کے ساتھ (خونبہا) ادا کرنا چاہئے ۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے ۔ پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔ اور اے عقل والو ! تمہارے لئے

قصاص میں ایک زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو ۔

اَلْقِصَاصِ : بدلہ ، قتل کا بدلہ ، مماثلت ۔ مراد یہ ہے کہ جتنا کسی نے کسی پر ظلم کیا دوسرے کے لئے اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے ۔ اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں ۔ اسی لئے شرع کی اصطلاح میں قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو قصاص کہا جاتا ہے یعنی جان کے بدلے جان لینا ۔ (معارف القرآن ۴۳۵ / ۱) ۔

قَتْلٰی : مقتول ۔ قتل کئے ہوئے ۔ واحد قتیل ۔

اِتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ دستور کے مطابق پیروی کرنا ۔ اگر مقتول کے وارث مقتول کے بدلے میں قاتل کا خون معاف کردیں اور صرف خونبہا لینے پر راضی ہوجائیں تو قاتل کا فرض ہے کہ دستور کے مطابق پوری پوری مناسب رقم خوبی ، شرافت اور نیکی کے ساتھ ادا کرے ۔

شانِ نزول : اس کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے ۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت کے طور پر لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی کسی نضری کو مار ڈالے تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جاتی تو ایک سو وسق کھجور کی بجائے دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا اور عدل و مساوات کا حکم دیا ۔

امام ابو محمد بن ابی حاتم نے اس کاشان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے عرب کے دو قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی جس میں دونوں طرف کے بہت سے آزاد اور غلام مرد اور عورتیں قتل ہوئیں ۔ ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ اسلام کا زمانہ شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہوگئے ۔ اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ نے جو قوت و شوکت والا تھا کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے ۔ اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۱/۲۰۹) ۔

تشریح: اسلام کا عادلانہ قانون یہ ہے کہ جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہو اسی کو قصاص میں قتل کیا جائے ۔ آزاد کے بدلے میں آزاد ، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت ، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا ۔ اسی طرح اگر قاتل غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے ۔ (معارف القرآن ۴۳۶ / ۱) ۔

قصاص لینا اگرچہ مقتول کے اولیا کا حق ہے مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس کے حصول کے لئے مسلمان سلطان یا اس کے کسی نائب کا حکم ضروری ہے کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے اور کس صورت میں نہیں نیز اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا ۔ اس کے علاوہ مقتول کے اولیا ، غصے میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں ۔ اس لئے حق قصاص کے حصول کیلئے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی ۴۳۷ / ۱) ۔

اگر مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کردیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جائیں اور دیت لینا قبول کرلیں تو ان کو چاہئے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں ۔ یہ نہ ہو کہ قاتل کی تنگدستی کے باوجود فوری ادائیگی کا تقاضا کریں بلکہ اس کو مہلت دیں ۔ اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسان کو فراموش نہ کرے جو رقم طے پائی ہو اس کو کسی حیلہ و بہانہ کے بغیر عمدہ طریقہ سے ادا کرے ۔ اور جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے کہ دیت لیکر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے ۔ (حقانی ۵۳۷ / ۱) ۔

ابن جریر نے قتادہ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ ان کے لئے دیت کا مال حلال فرمادیا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہیں فرمایا ۔ یہود کے ذمہ قصاص تھا یا خون معاف کرنا ۔ دیت نہ تھی ۔ اہل انجیل کو خون معاف کر دینے کا حکم تھا ۔ قصاص بھی نہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف اور سہولت فرمائی کہ ان کے لئے قصاص ، معاف کر دینا ۔ اور دیت لینا تینوں امر مشروع فرمادئے ۔ (مظہری ۱۸۴ ، ۱۸۵ / ۱) ۔

ابی شریح الخزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے ۔

(۱) قصاص یعنی بدلہ لے لے ۔ (۲) معاف کر دے ۔ (۳) دیت یعنی جرمانہ لے لے ۔ اور اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روکدو ۔ اگر ان میں سے ایک کام کر چکنے کے بعد بھی وہ زیادتی کرے تو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائیگا ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے دیت لے لی پھر قاتل کو قتل کر دیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا ۔ (ابن کثیر ۲۱۰ / ۱) ۔

پھر فرمایا کہ اے عقل والو ! قصاص کا طریقہ رائج ہونے میں تمہارے لئے زندگی ہے ۔ کیونکہ یہ قاتل کو قتل کے ارادے سے باز رکھے گا اور وہ سوچے گا کہ اگر میں قتل کروں گا تو قصاص میں میری بھی جان جائے گی اس طرح قصاص کے مشروع ہونے سے دو جانیں بچ جائیں گیں ۔ نیز اہل جاہلیت ایک شخص کے عوض بے شمار آدمیوں کو مارڈالتے تھے جس سے ایک فتنہ عظیم اٹھ جاتا تھا ۔ چنانچہ قصاص کے حکم سے ہزاروں جانیں بچ گئیں ۔ (مظہری ۱۸۵ / ۱) ۔

وصیت کے احکام

۱۸۰ ، ۱۸۲ ۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَ قْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ۔ فَمَنْ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِ نَّمَا اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ط فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَھُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّ حِیْمٌ ط

تم پر یہ بات فرض کر دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت نزدیک آئے (موت کی علامات معلوم ہوں) اور وہ ترکہ میں کچھ مال چھوڑے تو اس کو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنی چاہیئے ۔ یہ پرہیز گاروں پر ضروری ہے ۔ پھر جو شخص اس وصیت کو سن کر بدل دے تو اس کا گناہ اسی پر ہے جو اس کو بدلتا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے ۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی جانب سے طرفداری یا نا انصافی کا اندیشہ ہو پھر اس نے ان میں صلح کرادی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ

معاف کرنے والا مہربان ہے ۔

اَلْوَصِيَّةُ: ہر اس چیز کو وصیت کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا مرنے کے بعد مگر عرف میں اس کلام کو وصیت کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم مرنے کے بعد ہو ۔

مُوْصٍ: وصیت کرنے والا ۔ اِیْصَاءٌ سے اسم فاعل ۔

جَنَفًا: طرفداری ، ظلم ، خطاء ، غلطی ۔

تشریح: اسلام کے شروع میں جب تک میراث کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے ، یہ حکم تھا کہ مرنے والا ترکہ کے ایک تہائی میں اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جتنا دینا مناسب سمجھے وصیت کر دے ۔ باقی دو تہائی جو بچتا تھا وہ اولاد کا حق ہوتا تھا ۔ اس آیت میں وصیت کے اسی حکم کا بیان ہے ۔ اس حکم کے تین جزو ہیں ۔

(۱) مرنے والے کے ترکے میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہیں ۔ ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد ہو گا ۔

(۲) ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا مرنے والے پر فرض ہے ۔

(۳) ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت جائز نہیں ۔

ان تینوں احکام میں سے پہلا حکم اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک میراث کی آیت نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا ۔ دوسرا حکم جس کی رو سے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا فرض ہے وہ بھی باجماع امت منسوخ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دیدیا ہے اس لئے اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں (صحیحین) البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لئے ایک تہائی مال تک وصیت کرنے کی اجازت ہے ۔ تیسرا حکم جس میں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ، اب بھی باقی ہے ۔ البتہ وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی سے زیادہ بلکہ پورے مال کی وصیت بھی جائز ہے ۔ (معارف القرآن ۴۳۹ ، ۴۴۰ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا اور

برائی کے عمل پر خاتمہ ہونیکی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر سال تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور ان کا آخری عمل بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۱۳/ ۱) ۔

روزہ کا بیان

۱۸۳ ، ۱۸۴ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ۔ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

اے ایمان والو ! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ ۔ گنتی کے چند روز تک پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو وہ (بیماری اور سفر کے بعد) دوسرے دنوں میں تعداد پوری کر دے ۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں (جن کو روزہ رکھنا دشوار ہو مثلاً بوڑھے لوگ ، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں وغیرہ) تو ان کو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو کھانا دینا چاہئے ۔ پھر جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے ۔ اور تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم روزہ رکھو اگر تم سمجھتے ہو ۔

اَلصِّیَامُ : روزہ رکھنا ، مصدر ہے ۔ اس کے لفظی معنی رکنے اور بچنے کے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک روزے کی نیت سے کھانے پینے اور مباشرت سے رکنے اور باز رہنے کو صَوم یعنی روزہ کہتے ہیں ۔

مَّعْدُوْدٰتٍ : گنے ہوئے ۔ چند گنتی کے دن ۔ اس کا واحد مَعْدُوْدَةٌ ہے ۔

عِدَّةٌ : گنتی ، شمار ، مدت ۔

یُطِیْقُوْنَهٗ : وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۔ وہ اس کی قوت رکھتے ہیں ۔ اِطَاقَةٌ سے مضارع ۔

فِدْيَةٌ: بدلہ ، وہ مال جو جان بچانے کے لئے یا قیدی کو قید سے چھڑانے کے لئے لیا یا دیا جائے ۔ شریعت میں فدیہ اس مال کو کہتے ہیں جسے انسان عباداتِ خداوندی میں سرزد ہونیوالی کسی کوتاہی کی سزا کے طور پر مسکینوں کو دیتا ہے (المفردات ۳۷۴) ۔

تشریح

سابقہ امتوں میں روزہ کا حکم : اس آیت میں روزے کے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہی نہیں ہے بلکہ پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے ۔ اور روزے کی مشقت تم سے پہلے بھی سب لوگ اٹھاتے آئے ہیں اگرچہ ان کے روزوں کی تعداد اور اوقات میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۲ / ۱) ۔

حضرت سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں پر رات کی تاریکی شروع ہونے سے پہلے دوسری رات تک کا روزہ فرض تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی اسی طرح روزہ فرض تھا اس لئے دونوں مشابہ ہوئے ۔ (مظہری ۱۸۸ / ۱) ۔

آگے فرمایا کہ یہ روزے اس لئے فرض کئے گئے تاکہ اس سے تمہارے اندر اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہو اور تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی بن جاؤ۔

مریض کا روزہ : جو شخص مریض ہو اور روزہ رکھنے سے اس کے مرض میں اضافہ کا اندیشہ یا روزہ سے دیر میں شفا ہونے کا خوف ہو یا وہ فی الحال تو تندرست ہو مگر ایسا کمزور ہے کہ گمان غالب ہے کہ روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائیگا ۔ یا دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں جن کو اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو وہ سب اس میں شامل ہیں ۔ اور ان پر صحت یابی کے بعد اور دنوں میں گن کر اتنے ہی روزے رکھنے لازم ہیں جتنے بیماری کی وجہ سے چھوٹ گئے تھے ۔

مسافر کا روزہ : لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزے سے رخصت کے لئے کافی نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہیئے مگر یہ سفر کتنا طویل ہو قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ، صحابہء کرام کے عمل اور بہت سے فقہا نے اس کی مقدار تین منزل قرار دی ہے یعنی وہ مسافت جسکو پیدل سفر

کرنے والا آسانی سے تین روز میں طے کر سکے ، بعد کے فقہا نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں ۔ جو شخص سفر کے دوران کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ سفر کی کی رخصت کا مستحق نہیں ۔

روزہ کی قضا : مریض اور مسافر پر اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے جبکہ مریض صحت یاب ہونے کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے ۔ اگر کوئی مریض یا مسافر اتنے دنوں سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضا یا فدیہ کی وصیت لازم نہیں ہوگی ۔

روزہ کا فدیہ : جو لوگ روزہ کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ روزہ کی بجائے روزہ کا فدیہ ادا کردیں مگر ایسے لوگوں کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھیں ۔ یہ حکم بھی شروع اسلام میں تھا تاکہ لوگ روزے سے مانوس ہو جائیں ۔ اس کے بعد اگلی آیت میں عام لوگوں کے حق میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا ۔ اب یہ حکم صرف ایسے لوگوں کے حق میں باقی ہے جو بہت بوڑھے ہوں یا ایسے بیمار کہ اب صحت کی امید نہیں رہی ۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے ، جس کا جی چاہے وہ ہر روزے کا فدیہ دے دے ، پھر جب دوسری آیت مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر صرف روزہ رکھنا ہی لازم ہو گیا ۔ (بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، نسائی ، ترمذی ، طبرانی) ۔

فدیہ کی مقدار : ایک روزہ کا فدیہ نصف صَاعْ گندم یا اس کی قیمت ہے ۔ نصف صاع ہمارے ہاں کے مروجہ سیر کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر کے برابر ہے۔ اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۳ ۔ ۴۴۶ / ۱) ۔

۱۸۵ ۔ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۖ**

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا اور اس (قرآن) میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔ پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس مہینہ کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ (بیماری اور سفر کے بعد) دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا اور (یہ اس لئے) تاکہ تم گنتی پوری کر لو اور تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہاری رہنمائی فرمائی ہے تم اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم (اس کی نعمت کا) شکر کرو ۔

شَهِدَ : اس نے پایا یہ شہود سے بنا ہے جسکے معنی حاضر اور موجود ہونے کے ہیں

شَهْرٌ : مہینہ ۔ جمع اشہر و شہور ۔

رَمَضَانَ : روزوں کے مہینہ کا نام ۔ یہ رمض سے مشتق ہے ۔ اس کے معنی جلنا کے ہیں ۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ گناہوں کو رمض کر دیتا ہے (ترغیب) ۔

قُرْاٰنٌ : قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ لغت میں قرء کے معنی جمع کرنے کے ہیں ۔ چونکہ قرآن کریم میں بھی سورتیں ، آیتیں ، حروف ، قصے ، امر و نہی اور وعدہ وعید جمع کئے گئے ہیں اس لئے اس کا نام بھی قرآن رکھدیا ۔

تشریح ۔

۔ علامہ بغوی نے فرمایا کہ مقسم فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے نزول کا حال متعدد موقعوں پر مختلف طریقہ سے بیان فرمایا ہے چنانچہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ایک اور جگہ فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں اتارا ہے حالانکہ یہ تمام مہینوں میں نازل ہوا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے قرآن کو متفرق طور سے نازل

کیا ہے ۔ یہ کیا بات ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن لوحِ محفوظ سے رمضان المبارک کے مہینہ کی لَیْلَۃُ الْقَدْر میں آسمان دنیا کے بیت العزّت میں نازل ہوا ۔ پھر جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑا تھوڑا بیس برس میں بتدریج لائے ۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (حضرت) ابراہیم کے صحیفے تین رمضان اور ایک روایت کے موافق یکم رمضان کو نازل ہوئے ۔ توریت حضرت موسیٰ پر ٦ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ پر ۱۳ رمضان کو نازل ہوئی ۔ اور زبور حضرت داؤد پر ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رمضان کی آخری چھ راتوں میں نازل ہوا۔ حضرت واثلہؓ بن اسقع اور حضرت جابرؓ کی روایتوں میں بھی اسی قسم کا مضمون آیا ہے ۔ (مظہری ۱۹۴ ، ۱۹۵ / ۱) ۔

مذکورہ حدیث میں پچھلی کتابوں کا نزول جس جس تاریخ میں ذکر کیا گیا ہے وہ کتابیں ان تاریخوں میں انبیاء پر پوری کی پوری نازل کر دی گئیں ۔ قرآنِ کریم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ایک رات میں پورے کا پورا لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا پھر وہاں سے اس کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال میں رفتہ رفتہ ہوا ۔

یہ قرآن اپنے اعجاز سے لوگوں کو گمراہی سے نکالتا ہے اور اس میں ایسی واضح آیات ہیں کہ وہ حلال و حرام اور حدود و احکام کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔ پس جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے ۔ اور جو شخص مریض ہو یا مسافر ہو تو مریض تندرست ہونے پر اور مسافر مقیم ہونے پر رمضان کے بعد فوت شدہ روزے پورے کرے کیونکہ دونوں پر فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہے ۔ یہ سہولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے دی تاکہ تم روزوں کی گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرتے رہو ۔

دعا کی قبولیت کا اعلان

۱۸٦ - وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ؕ

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ کہدیجئے کہ میں قریب ہی ہوں جب کوئی مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں (دعا قبول کرتا ہوں) پھر لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں ۔

سَاَلَکَ : اس نے تجھ سے سوال کیا ۔ اس نے تجھ سے پوچھا ۔ سُؤَالٌ سے ماضی ۔

اُجِیْبُ : میں قبول کرتا ہوں ۔ اِجَابَۃٌ سے مضارع ۔

دَعْوَۃَ : دعا ۔ پکار ۔ بلاوا ۔ مصدر ہے ۔ ۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا : پس ان کو قبول کرنا چاہیئے ۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے امر غائب ۔

یَرْشُدُوْنَ : وہ ہدایت پائیں گے ، وہ راہ پائیں گے ۔ رُشْدٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات : گزشتہ تین آیتوں میں روزے کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا ۔ اس کے بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے ۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی خاص عنایت اور ان کی دعاؤں کو قبول کرنے کا اعلان فرما کر اطاعت احکام کی ترغیب دی ہے ۔

شانِ نزول : ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے ؟ اگر قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کریں یا دور ہے ؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے ؟ یہ آیت اتری ۔ (ابن کثیر ۲۱۸ / ۱) ۔

تشریح : پہلی آیت میں تکبیر اور یاد الٰہی اور اس کی شکر گزاری کا حکم تھا جس سے یہ احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد کرتے ہیں اس کی شکر گزاری کرتے ہیں آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہاں تک کسی کی رسائی اور شنوائی ہی نہیں ہوتی ۔ اس آیت میں اس شبہ کو زائل کر دیا اور فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے بندے آپؐ سے میرا حال پوچھیں تو آپؐ ان سے کہدیجئے کہ

میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں ۔ جو کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو سنتا ہوں اور اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور وہ مجھ سے جو دعا کرتا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں پس میرے بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میری اطاعت کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ مجھ تک پہنچنے کا راستہ پائیں ۔ (حقانی ۵۴۵ / ۱) ۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں ۔ جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) ۔

حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے ہوئے شرماتا ہے ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے ۔ یا تو اس کی دعا اس وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مرادا پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کسی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے ۔ لوگوں نے یہ سنکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کمی نہیں ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل برتنوں کی مانند ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں ۔ اے لوگو ! جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو ۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ غفلت کرنے والوں کی دعا قبول نہیں فرماتا ۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی (۱) عادل بادشاہ (۲) روزے دار شخص (۳) مظلوم اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن بلند کرے گا ۔ مظلوم کی بددعا کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا ۔ گو دیر سے کروں (مسند احمد) ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ۔ ابن کثیر ۲۱۸ ، ۲۱۹/ ۱) ۔

سحر و افطار کے اوقات و احکام

۱۸۷۔ اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ؕ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَ عَفَا عَنْکُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ۔

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے ۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو ۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے ۔ سو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور تم سے درگزر کی ۔ پس تم (رات میں) ان سے ہم بستر ہو لیا کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ (اولاد) اس (ہم بستری میں) مقدر کر دی ہے اس کو حاصل کرو اور جب تک صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممتاز نہ ہو اس وقت تک (صبح صادق تک) کھاپی لیا کرو ۔ پھر تم رات تک روزہ پورا کرو ۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لئے بیٹھے ہوا کرو تو اپنی بیویوں سے اختلاط نہ کیا کرو (اعتکاف کی حالت میں رات کو بھی اختلاط نہ کرو) یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں سو تم ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں ۔

اَلرَّفَثُ: بے حجاب ہونا، عورتوں کی طرف رغبت کرنا ۔ عورتوں سے اختلاط کرنا ۔ مصدر ہے ۔

تَخْتَانُوْنَ: تم خیانت کرتے ہو ۔ تم حق تلفی کرتے ہو ۔ اِخْتِیَانٌ سے مضارع ۔

بَاشِرُوْھُنَّ تم ان سے مباشرت کرو ۔ تم ان سے ملو ۔ مُبَاشَرَۃٌ سے امر ۔

اِبْتَغُوْا: تم تلاش کرو ۔ تم طلب کرو ۔

اَلْخَیْطُ: خط ۔ دھاگہ ۔ ڈوری ۔

عٰکِفُوْنَ: اعتکاف کرنے والے ۔ گوشہ نشین ہونے والے ۔ عُکُوْفٌ سے اسم فاعل ۔

شان نزول: ایک انصاری دن کے کام کاج سے تھکاماندہ شام کو اپنے گھر میں آیا۔ کھانے میں کچھ دیر تھی اس لئے افطار کے بعد سو گیا۔ پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس خیال سے کہ سونے کے بعد کھانا منع تھا کچھ نہ کھایا اور اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی۔ اس عرصہ میں حضرت عمرؓ نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی اسی قسم کے واقعات بیان کئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک عشاء کی نماز نہ پڑھے اور نہ سوئے اس وقت تک کھانا پینا اور جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشاء پڑھ چکے یا افطار کرکے سو جائے تو پھر اس کے لئے یہ چیزیں اسی طرح ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دیکر صبح صادق تک کھانے پینے اور جماع کرنے کی اجازت دیدی خواہ عشاء کی نماز پڑھکر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے لئے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے۔ اس لئے کہ ان میں اور تم میں باہم نہایت طبعی رغبت ہے اور ہمیں اپنے ازلی علم سے یہ بات معلوم تھی کہ تم صبر نہ سکو گے، لہٰذا ہم نے تمہیں اجازت دیدی کہ تم صبح صادق تک ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور کھا پی سکتے ہو مگر جب تم اعتکاف کے لئے مسجدوں میں بیٹھو تب رات میں بھی ان سے رغبت نہیں کر سکتے۔ (حقانی ۵۴۶،۵۴۷/ ۱)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سہیلؓ بن سعد فرماتے ہیں پہلے مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوتی کھاتے پیتے رہتے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہوا کہ اس سے مراد رات دن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے بھی دو دھاگے سیاہ اور سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیرا تکیہ تو بہت لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا مراد ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی

سفیدی اور رات کی تاریکی ہے ۔ اگر تیرے تکیہ کے نیچے یہ دونوں آجاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق و مغرب تک کی ہے ۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ۔

حضرت عمروؓ بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے ۔ (مسلم) ۔

حضرت ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ سحری کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میری امت افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی تب تک بھلائی سے رہے گی ۔ (مسند احمد) ۔ (ابن کثیر ۲۲۱، ۲۲۲ / ۱) ۔

ناحق مال کھانا

۱۸۸ ۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ ۔ اور ان (اموال) کو حاکموں تک (رشوت کے طور پر) نہ پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا جاؤ ۔

بِالْبَاطِلِ: ناجائز طریقہ سے ۔ ناحق ۔ غلط طریقے سے ۔

تُدْلُوْا: تم کھینچ کر لیجاؤ ، تم پہنچاؤ ۔ اِدْلَالٌ سے مضارع ۔

فَرِيْقًا: کوئی حصہ ، جماعت ، گروہ ۔ یہاں حصہ مراد ہے ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا کہ ایک صحابی ربیعہ بن عبدان حضرمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دوسرے صحابی امرؤ القیس پر ایک زمین سے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ اس نے میری فلاں فلاں زمین غصب کر لی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ تمہارے پاس اس امر کے گواہ ہیں ۔ حضرمی نے

عرض کیا کہ میرے پاس گواہ تو نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر گواہ نہیں ہیں تو امرؤ القیس کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ امرؤ القیس یہ سنکر قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس غرض سے جھوٹی قسم کھائے گا کہ اس کا مال ناحق کھائے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کی حالت میں ملے گا۔ یہ سنکر امرؤ القیس نے قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالے کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۹/۱)۔

تشریح: باطل سے مال کھانا یہ ہے کہ کسی شخص کے مال پر جھوٹا دعویٰ کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا، کسی کی حق بات کا انکار کر کے اس پر قسم کھالینا، کسی کا مال غصب کر لینا، لوٹ لینا، چرا لینا، خیانت کر لینا، جوئے سے کسی کا مال لے لینا، سود، رشوت، بُیوعِ فاسدہ، معاملات فاسدہ، زنا کی اجرت، گانے کی اجرت اور کاہن کو کچھ دینا وغیرہ سب امور باطل میں داخل ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس کے ذمہ کچھ مال ہو اور اس پر گواہ نہ ہو اور وہ اس مال کا انکار کر بیٹھے۔ اور جب یہ جھگڑا حاکم کے پاس پہنچے تو وہاں جھوٹی قسم کھالے۔ کلبی فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو جھوٹی گواہی دے۔ (مظہری ۲۰۹/۱)۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات فیصلے کے لئے لاتے ہو۔ اس میں یہ بات ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی دلیل بیان کرنے میں زیادہ فصیح اور چرب زبان ہو اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو)۔ اگر واقعی وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہو گا۔ (مظہری بحوالہ بخاری ومسلم ۲۱۰/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح فرما دیا کہ اگر امام یا قاضی کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا اور جس کے لئے حلال ہے اس کے لئے حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص دھوکہ یا فریب یا جھوٹی شہادت یا جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا مال یا حق بذریعہ عدالت لے لے تو اس کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔ اس کو چاہئے کہ آخرت کے حساب و کتاب اور علیم و خبیر کی عدالت میں پیشی کا خیال کر کے اس کو چھوڑ دے (معارف القرآن ۳۶۱/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو پھر دنیا میں کچھ بھی حاصل نہ ہو تو یہ تمہارے لئے کافی ہیں۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) امانت کی حفاظت (۲) سچ بولنا (۳) حسنِ خلق (۴) کھانے میں حلال کا اہتمام۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرما دیجئے کہ میں مقبول الدعاء ہو جاؤں، جو دعا کیا کروں قبول ہو جایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا اے سعد اپنا کھانا حلال اور پاک بنا لو، مُستجاب الدعوات ہو جاؤ گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو وہ گوشت تو جہنم کی آگ ہی کے لائق ہے۔ (معارف القرآن ۱/۴۶۳)۔

حقیقی بھلائی

۱۸۹- يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ، وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ آپ سے نئے چاند کے نکلنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات بتانے کا آلہ ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پیچھے (کے راستہ) سے آیا کرو بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَهِلَّةِ: چاند۔ یہ ہِلَالٌ کی جمع ہے۔ قمری مہینہ کی ابتدائی چند راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

مَوَاقِيْتُ: اوقات، واحد میقات۔ میقات اس وقت کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مثلاً حج۔ روزہ، عدت، قرض، وغیرہ۔

شانِ نزول: حضرت معاذؓ بن جبل انصاری اور حضرت ثعلبہؓ بن غنم انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ ہلال

پہلے تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر باریک ہونا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔ یہ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۱۰/۱)۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی کی روایت سے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب احرام باندھ لیتے تھے تو گھروں میں دروازوں سے نہ آتے تھے بلکہ پشت سے آیا کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۲۱۱/۱)۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چاند کے کم زیادہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کی مدد سے اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں وقت کا تعین کرتے ہیں مثلاً حج اور روزہ کا وقت، قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد، تاریخوں اور مہینوں کا حساب وغیرہ۔ مسند عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو۔

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے دیوار پھاند کر آتے تھے، اسی طرح جب کوئی سفر کے ارادے سے نکلتا اور کسی وجہ سے اس کو سفر ادھورا چھوڑ کر واپس آنا پڑتا تو وہ گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا بلکہ گھر کے پیچھے کی طرف سے دیوار چڑھکر آتا تھا۔ اسلام نے ان جاہلانہ رسموں کو مٹایا اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاؤ۔ اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہی چیزیں اس دن کام آنیوالی ہیں جس دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزاو سزا پائے گا۔ یہی اصل نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اور یہی انسان کے اعمال اور اس کی زندگی کے اچھا یا برا ہونے کی کسوٹی ہے۔ (مظہری ۲۱۱/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

قتال کا حکم

۱۹۰- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

اور (اے مسلمانو!) جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں تم بھی ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو اور زیادتی نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ گھروں میں پشت کی طرف سے دیواریں چڑھکر آنے میں

کوئی نیکی نہیں ۔ بلکہ نیکی تقویٰ کا نام ہے اور تقویٰ کی بڑی شاخ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑ کر زمین کو کفر و معاصی اور فساد سے پاک کرنا ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کا حکم دیا ہجرت مدینہ کے بعد کفار کے ساتھ قتال کا حکم سب سے پہلے اسی آیت میں آیا ۔ اس میں یہ حکم ہے کہ مسلمان صرف ان کافروں سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ پر قتال کے لئے آئیں، عورتیں، بچے اور بوڑھے عبادت گزار، راہب، پادری، اپاہج و معذور لوگ، وہ لوگ جو کافروں کے ہاں محنت و مزدوری کا کام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ۔ ان سب کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں ۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر جانے والے صحابۂ کرام کو ہدایت فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر جہاد کے لئے جاؤ، کسی بوڑھے، ضعیف کو اور چھوٹے بچے کو یا کسی عورت کو قتل نہ کرنا غنیمت میں خیانت نہ کرنا، غنیمتوں کو جمع کر لینا اور اپنے سب حالات کو درست رکھنا اور احسان کرنا بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک، اس آیت کے آخر میں وَلَا تَعْتَدُوْا کا یہی مطلب ہے کہ قتال میں حد سے تجاوز نہ کرو کہ عورتوں اور بچوں وغیرہ کو قتل کرنے لگو ۔

احترامِ کعبہ

۱۹۱ ۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو وہاں (مکہ) سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھکر ہے ۔ اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے اس کے پاس نہ لڑیں ۔ پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو ۔ کافروں کی یہی سزا ہے ۔

ثَقِفْتُمُوْهُمْ: تم نے ان کو پایا ۔ ثقف سے ماضی ۔

حَيْثُ: جہاں ۔ جس جگہ ۔

شانِ نزول: یہ آیت واقعہ حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب صلح کی شرط کے مطابق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ اس عمرہ کی قضا کے لئے سفر کا ارادہ کیا جس سے اس سے پہلے کفار مکہ نے روک دیا تھا۔ صحابۂ کرام کو اس سفر کے وقت یہ خیال ہوا کہ کفار کی صلح اور معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں اگر وہ اس سال بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح طور پر بتادیا کہ اگر کافر تم سے قتال کریں تو تمہیں بھی اجازت ہے کہ تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور اگر قدرت ہو تو جس طرح انہوں نے تمہیں مکہ سے نکال دیا تھا، تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو اگرچہ کسی کو قتل کرنا سخت برا کام ہے مگر کفار مکہ کا اپنے شرک و کفر پر جمے رہنا اور مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکنا اس سے زیادہ سخت و شدید ہے اس لئے ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ مسجد حرام کے آس پاس جس سے مراد پورا حرم مکہ ہے اس میں تم ان لوگوں سے اس وقت تک قتال نہ کرو جب تک کہ وہ خود قتال کی ابتداء نہ کریں۔ (معارف القرآن ۱/۴۷۰)۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن با حرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے لئے بھی صرف دن کی ایک ساعت کے لئے حلال ہوا ہے۔ اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے۔ یہاں کی گھاس کانٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں کا شکار بھگایا جائے۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا مکہ میں ہتھیار اٹھانا کسی کو حلال نہیں۔ (مسلم و مظہری ۱/۲۱۳)۔

فتنہ ختم ہونے تک قتال کرنا

۱۹۲، ۱۹۳۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔

پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان سے یہاں تک قتال کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر دشمنان اسلام اپنی شرارتوں اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں، بدکاری و بد عملی سے توبہ کرلیں، اسلام کو قبول کرلیں، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یوم آخرت پر ایمان لے آئیں تو پھر ان پر تلوار نہ اٹھاؤ بلکہ انہیں اپنا بھائی سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی گزشتہ خطائیں معاف فرمادیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں، اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلاتے رہیں تو تم بھی فتنہ پردازوں اور اسلام دشمنوں سے برابر جنگ کرتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا قانون غالب ہو جائے اور کسی اسلام دشمن کو قانون الٰہی کی خلاف ورزی کی ہمت نہ ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک یہ لوگ اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب یہ لوگ ان امور کو کریں گے تو اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیں گے لیکن ان کے جان و مال میں اگر حقِ اسلام ہو گا تو وہ ان امور کے باوجود ان سے لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (مظہری، بحوالہ بخاری و مسلم ۲۱۳، ۱/۲۱۴)۔

حرمت کے مہینوں میں قتال

۱۹۴۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے اور حرمت کی چیزوں میں ادلے کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کی مانند زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں ہی کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب ہدی کے جانور لیکر ذیقعدہ ۶ھ میں عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو مشرکین نے آپؐ کو روک لیا۔ آخر کار اہل مکہ سے اس پر صلح ہو گئی کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لیجائیں اور آئندہ سال تشریف لائیں۔ چنانچہ آپؐ واپس تشریف لیگئے

اور اگلے سال ذیعقد ۷ھ میں تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا اور مکہ معظمہ میں تین شب قیام فرمایا۔ مشرکین آپؐ کے روکنے پر فخر کرتے تھے۔

جب اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لیگئے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مشرکین اپنا عہد پورا نہ کریں اور گزشتہ سال کی طرح پھر بیت اللہ سے روکدیں اور حرم، احرام اور ماہِ حرام میں قتال واقع ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۱۵،۲۱۴/۱)۔

تشریح: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اگر پہلے سے جنگ جاری ہوتی اور حرمت والے مہینے آجاتے تو آپؐ لڑائی روکدیتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مشرکین ماہِ حرام کی حرمت کی پرواہ نہ کریں اور تم سے قتال کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو کیونکہ یہ ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔ اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس شئے کی تمہیں اجازت نہیں دی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ انہی کی مدد کرتا ہے اور انہی کی اصلاح کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

۱۹۵ - وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ٥

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی سے پیش آؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اَنْفِقُوْا: تم خرچ کرو۔ اِنْفَاقٌ سے امر۔

تُلْقُوْا: تم ڈالو۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

التهلكه ہلاکت، تباہی، بربادی۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم جہاد کے لئے بقدر ضرورت اپنا مال بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے آپ کو اپنے اختیار سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (بخاری، ابن کثیر ۱/۲۲۸)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتال کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (ابن کثیر ۱/۲۲۹)۔

اس آیت کے آخری حصہ میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب ہے۔ کام کو اچھی طرح کرنے سے عبادات و معاملات دونوں کو حُسن و خوبی ادا کرنا مُراد ہے۔ عبادت کو حُسن و خوبی ادا کرنے کا مطلب تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرائیلؑ میں بیان فرمادیا ہے کہ تم عبادت اس طرح کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ بات پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ اعتقاد ضرور ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ حضورِ قلب اور خشوع و خضوع سے عبادت کرو۔ اور معاملات و معاشرت کی خوبی کے بارے میں حضرت معاذؓ بن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے بُرا سمجھتے ہو اس کو دُوسروں کے لئے بھی بُرا سمجھو۔ (مظہری ۱/۲۱۶)۔

حج و عمرہ کے احکام

۱۹۶- وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ پس اگر تم (راستہ میں) روک دئے جاؤ تو جو کچھ قربانی میسر آئے (اسے ذبح کردو) اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈوا دے) تو اس پر اس کے بدلے میں روزے یا صدقہ یا قربانی

لازم ہے ۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر ممتع ہو (فائدہ اٹھائے) تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کر دے اور جس کو (قربانی) میسر نہ ہو تو اس کو ایامِ حج میں تین روزے رکھنے چاہئیں اور سات (روزے) وطن لوٹنے کے بعد ۔ یہ پورے دس ہو گئے ۔ یہ اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا بھی ہے ۔

اُحْصِرْتُمْ: تم روک دیئے جاؤ ۔ یہ اِحْصَارٌ سے بنا ہے جس کے معنی گھر جانے اور بند ہو جانے کے ہیں خواہ یہ گھِر جانا کسی سبب سے ہو ۔ یہاں اس سے مُراد یہ ہے کہ حج کا ارادہ رکھنے والا کسی بیماری کی وجہ سے منزل پر نہ پہنچ سکے یا دشمن نے اس کا راستہ روک رکھا ہو یا کوئی موسمی اور دوسری رکاوٹ حائل ہو گئی ہو ۔

ھَدْیِ: ہدی ۔ قربانی کا جانور

تَحْلِقُوْا: تم منڈواؤ ۔ حَلْقٌ سے مضارع ۔

نُسُکٍ: قربانی ۔ عبادت ، اعمالِ حج ۔ یہ اسم ہے

مَحِلَّہٗ: اپنی جگہ ۔ اس (قربانی) کے حلال ہونے کی جگہ ۔ اس کی قربان گاہ ، مراد حدودِ منیٰ ۔ حِلٌّ سے اسم ظرف مکان ۔

اَمِنْتُمْ: تم خطرے اور مرض کی حالت سے نکل کر امن و امان میں آجاؤ ۔

تَمَتَّعَ: اس نے فائدہ اٹھایا ۔ تَمَتُّعٌ سے ماضی ۔ فقہ کی اصطلاح میں حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنے کا نام تمتع ہے ۔ یعنی حج کے زمانے میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور احرام کھول دیا جائے ۔ پھر ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر حج کیا جائے ۔

تشریح: یہ آیت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی جو ۶ ھ ہجری میں واقع ہوا ۔ اس کا مقصد حج کی فرضیت بتانا نہیں وہ پہلے ہی بتائی جا چکی ہے بلکہ یہاں حج و عمرہ کے کچھ خاص احکام بتانا مقصود ہے ۔ حج کا تعلق مکہ مکرمہ اور بیت اللہ سے ہے ۔ اس کے کچھ مسائل قبلہ کے بیان میں آیت ۱۲۵ سے ۱۲۸ تک میں بیان ہوئے ۔ پھر قبلہ کی بحث کے اختتام پر آیت ۱۵۸ میں صفاء و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بیان ہوا ۔ اب آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک مسلسل آٹھ آیتوں میں حج و عمرہ کے احکام و مسائل کا بیان ہے ۔ (معارف القرآن ۴۸۰ / ۱) ۔

حج: حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن اور فرض عین ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔ (آل عمران ۹۷)۔

لوگوں میں سے جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (مظہری بحوالہ بخاری و مسلم ۲۱۹ / ۱)۔

عمرہ: سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ میں صرف حج کا فرض ہونا مذکور ہے۔ اس میں عمرہ کا ذکر نہیں۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی ذکر ہے مگر اس میں حج و عمرہ کی فرضیت اور وجوب کا بیان نہیں بلکہ یہاں بیان یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کو احرام کے ذریعہ شروع کر دے تو اس پر اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عام نفلی نماز اور روزہ کا بھی یہی حکم ہے کہ یہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا کہ عمرہ واجب ہے یا نہیں بلکہ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی عمرہ شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد، بیہقی، حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا عمرہ واجب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ واجب تو نہیں، اگر کر لو تو بہتر و افضل ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح اور حسن کہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں، سنت ہے۔ (معارف القرآن ۴۸۰، ۴۸۱ / ۱)۔

احرام کے بعد حج و عمرہ ادا نہ کر سکنا: یہ آیت حدیبیہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ مشرکینِ مکہ نے آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ احرام کا فدیہ بکری، گائے اونٹ وغیرہ کی ایک قربانی دینا ہے جو آسان ہو۔ لہٰذا قربانی دیکر احرام کھولدو مگر

اس کے لئے بال منڈوانا یا کتروانا ضروری ہے ۔اس لئے اگلے جملے میں واضح طور پر بتادیا کہ احرام کھولنا یعنی سر کے بال منڈوانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ محرم کی قربانی اپنے موقع پر (قربان گاہ) پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک موقع پر پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ حدود حرم میں پہنچکر ذبح کی جائے ۔ اگر کوئی شخص خود نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے کرادے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ مجبوری کی حالت میں قربانی دیکر احرام کھول دینا جائز ہے مگر بعد میں اس کی قضا کرنا واجب ہے ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام نے حدیبیہ کے اگلے سال حدیبیہ کی قضا کی ۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۱) ۔

احرام میں بیماری کے سبب بال منڈوانا: اگر بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال منڈوانے کی مجبوری ہو یا سر میں جوئیں پیدا ہو کر تکلیف دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں ضرورت کے مطابق بال منڈوانا جائز ہے ۔ مگر اس کا فدیہ اور بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے ۔ صدقہ دے یا قربانی کرے ۔قربانی کے لئے تو حدود حرم کی جگہ متعین ہے ۔ روزے اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ۔ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے ۔ روزوں کی تعداد اور صدقہ کی مقدار کے بارے میں قرآنِ کریم میں کچھ ذکر نہیں ۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ بن عجرہ صحابی کی ایسی حالت میں یہ فرمایا کہ تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم (تقریباً پونے دو سیر) بطور صدقہ دیدو ۔ اس کی قیمت صدقہ کر دینا بھی کافی ہے ۔ معارف القرآن ۱/۴۸۱، ۴۸۲) ۔

حج و عمرہ کو جمع کرنا: ایامِ جاہلیت میں مشرکین کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی شوال کا مہینہ شروع ہو جائے تو ان دنوں میں حج و عمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی اس طرح اصلاح فرمادی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج و عمرہ دونوں کو حج کے مہینوں میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا کیونکہ ان کے لئے حج کے مہینوں کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں ۔ لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے حج و عمرہ کا جمع کرنا جائز قرار دیا کیونکہ دور دراز سے صرف عمرہ کے لئے سفر کرنا آسان نہیں ۔

میقات: مختلف ملکوں سے مکہ آنے والوں کے لئے ،مکہ کے راستوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مقررہ مقام جہاں پہنچکر مکہ جانے والوں کے لئے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے میقات کہلاتے ہیں ۔ احرام باندھے بغیر ان مقامات یا ان کی محاذات سے آگے بڑھنا گناہ ہے ۔

حج و عمرہ کو جمع کرنے کا شکرانہ: جو لوگ حج کے مہینوں میں حج و عمرہ کو جمع کریں ان پر دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کرنا واجب ہے۔ شکرانہ یہ ہے کہ جو شخص قربانی دینے کی قدرت رکھتا ہو وہ ایک قربانی دیدے خواہ وہ بکری ہو یا گائے ہو یا اونٹ، جو اس کے لئے آسان ہو۔ جو شخص مالی اعتبار سے قربانی ادا کرنے کے قابل نہ ہو اس پر دس روزے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو حج کے دنوں میں ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے، باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے۔ اگر کوئی شخص حج کے دنوں میں تینوں روزے نہ رکھ سکا تو پھر امام ابو حنیفہ اور اکابر صحابہ کے نزدیک اس کے لئے قربانی کرنا ہی ضروری ہے۔ جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرا دے۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۲)۔

قِرَان: حج کے مہینوں میں حج کے ساتھ عمرہ کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ میقات سے ہی حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لے۔ اس کو حدیث کی اصطلاح میں قِرَان کہتے ہیں۔ اس میں عمرہ کا احرام حج کے احرام کے ساتھ کھلتا ہے۔ جو شخص قِرَان کرتا ہے اس کو ایامِ حج کے آخر تک احرام ہی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے۔

تمتع: یہ دوسری صورت ہے۔ اس میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھولدے۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حج کا احرام حرمِ شریف کے اندر ہی باندھ لے۔ اس کو اصطلاح میں تمتع کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی اس آیت میں فَمَنْ تَمَتَّعَ سے یہ دونوں صورتیں مراد ہیں۔

احکام حج و عمرہ میں کوتاہی: آیت کے آخر میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا اور بچتا رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۲، ۴۸۳)۔

حج کا وقت

۱۹۷۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج

حج کے چند مہینے معلوم ہیں۔

اَشْهُرٌ: یہ شَھْرٌ کی جمع ہے اور شہر مہینے کو کہتے ہیں۔

تشریح: گزشتہ آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے اس پر اس کے پورے احکام ادا کرنا لازم ہے ۔ عمرہ کے لئے کوئی تاریخ و مہینہ مقرر نہیں ۔ سال بھر میں جب چاہے اور جتنی بار چاہے عمرہ کرلے ۔ مگر حج اور اس کے افعال و اعمال کے لئے مہینے ، خاص تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمادیا کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کچھ مشہور و معروف مہینے مقرر ہیں ۔ وہ مہینے شوال ، ذیلعقدہ اور دس روز ، ذی الحجہ کے ہیں ۔ شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں ۔ (معارف القرآن ۴۸۳ / ۱) ۔

احکامِ احرام

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو (حج کے دنوں میں) نہ اس کو فحش بات کرنی چاہئے نہ گناہ کا کام اور نہ لڑائی جھگڑا اور تم جو نیک کام کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائیگا ۔

رَفَثَ: عورت سے بے حجاب ہونا ۔ عورت کی طرف رغبت کرنا ۔ مصدر ہے ۔

فُسُوْقَ: گناہ کرنا ۔ نافرمانی کرنا ۔ مصدر ہے ۔ یہاں وہ تمام کام مراد ہیں جو احرام کی حالت میں ممنوع و ناجائز ہیں ۔

جِدَالَ: جھگڑا کرنا ۔ لڑائی کرنا ۔ بحث کرنا ۔ مصدر ہے ۔ یہاں جھگڑے سے مراد مار پیٹ ، ہاتھا پائی ، بحث و مباحثہ ، گالی گلوچ ، نازیبا اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال وغیرہ ہیں ۔

تشریح: اس آیت میں حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ آداب و احکام کا بیان ہے ۔ جن سے احرام کی حالت میں پرہیز کرنا لازم ہے ۔ احرام کی حالت میں چھ چیزیں ناجائز ہو جاتی ہیں ۔

(۱) عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات ۔ (۲) برّی جانور کا شکار خود کرنا یا شکاری کو بتانا ۔ (۳) بال یا ناخن کٹوانا (۴) خوشبو لگانا (۵) مَردوں کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا (۶) سر اور چہرہ کو ڈھانپنا ۔

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی چہرہ کو کپڑا لگانا جائز نہیں مگر پردہ کا اہتمام ضروری ہے ۔ اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں ۔ ایک یہ کہ لوہے کی پتلی پتلی تاروں کا ٹوپی نما پنجرہ سا بنا کر پہن لیا جائے اور اس کے اوپر سے نقاب کا کپڑا ڈالا جائے ۔ اس طرح نقاب کا کپڑا چہرہ کو مس نہیں کرے گا ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ گتے یا پنکھے کے وسط میں دونوں طرف

کپڑے کی دھجی سی کر، اس کو سر پر رکھ لے اور دونوں طرف کی دھجیوں کو تسمہ کی طرح ٹھوڑی کے نیچے باندھ لے اس طرح گتے یا پنکھے کا کچھ حصہ پیشانی سے آگے نکلا رہے گا۔ اس کے اوپر سے نقاب ڈالیں تو وہ چہرہ کو مس نہیں کرے گا۔ غرض حتی الامکان پردہ کا اہتمام بھی کرے اور چہرہ کو کپڑا لگنے سے بھی بچائے۔

ممنوعات احرام بیان کرنے کے بعد یہ ہدایت دی گئی کہ حج کے مبارک ایام اور مقدس مقامات میں صرف گناہوں سے بچنا ہی کافی نہیں بلکہ موقع کو غنیمت جان کر عبادت اور ذکر اللہ اور نیک کاموں میں لگے رہو۔ تم جو بھی نیک کام کروگے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور تمہیں اس پر بڑے انعامات ملیں گے۔

ضروریاتِ سفر ساتھ لینا

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

اور (حج میں) زادِ راہ بھی لے لیا کرو۔ پھر بہترین زادِ راہ تو پرہیزگاری ہے۔ اور اے عقل والو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

تشریح: جو لوگ بے سرو سامانی کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو توکّل کا نام دیتے ہیں، پھر راستہ میں بھیک مانگتے ہیں، خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں ان کی ہدایت کے لئے فرمایا کہ تم حج و عمرہ کے سفر میں ضروریات سفر ساتھ لے لیا کرو۔ یہ توکّل کے منافی نہیں بلکہ توکّل کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے مقدور بھر اسباب و وسائل کو اختیار کرے پھر اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے۔ (معارف القرآن ۴۸۶/۱)۔

سفرِ حج میں تجارت

۱۹۸۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۝

تم پر اس میں ذرا گناہ نہیں کہ تم حج کے دنوں میں اپنے پروردگار کا فضل (معاش) تلاش کرو۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں تین بازار تھے، عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگ گناہ سمجھ کر ان بازاروں میں تجارت کرنے سے رک گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۲۳۵/۱)۔

ابو امامہ تیمی نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ مکہ تک سواریاں کرایہ پر چلاتے ہیں ۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا حج ادا نہیں ہوتا ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تم اوروں کی طرح احرام نہیں باندھتے ، طواف نہیں کرتے ، رمی نہیں کرتے ۔ میں نے کہا کیوں نہیں ۔ سب ارکان ادا کرتے ہیں ۔ فرمایا بس تو حج ادا ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور یہی سوال پیش کیا جو تو نے کیا ۔ آپؐ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ لیکر نازل ہوئے ۔ اس وقت آپؐ نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ تمہارا حج صحیح ہے ۔ (مظہری بحوالہ امام احمد ، ابن ابی حاتم ، ابن جریر ، حاکم ۱/۲۳۵) ۔

تشریح: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج کوئی بیع و شراء یا مزدوری کرے جس سے نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ۔ اصل مدار نیّت پر ہے ۔ اگر کسی شخص کی نیّت تجارت یا مزدوری کی ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا یا تجارت اور حج کے لئے برابر کا قصد ہے تو یہ دونوں صورتیں اخلاص کے خلاف ہیں ۔ دونوں صورتوں میں حج تو ہو جائیگا مگر ثواب میں کمی آجائے گی ۔ اس کے برخلاف اگر اصل نیت حج کی ہے اور اسی کے شوق میں نکلا ہے مگر حج کے مصارف یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے ۔ اس کو پورا کرنے کے لئے کچھ تجارت یا مزدوری کر لی تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ۔ اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ دنوں میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں کسی قسم کی تجارت یا مزدوری نہ کرے ۔ بلکہ ان دنوں کو خالص عبادت و ذکر میں گزارے ۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۷) ۔

وقوفِ عرفات و مُزدلفہ

فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ۝

پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں بتایا ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے ۔

اَفَضْتُمْ: تم واپس آؤ ۔ یہاں مراد عرفات سے مزدلفہ کو واپس آنا ہے ۔ اِفَاضَۃٌ سے ماضی ۔

اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۔ یہ ایک مقدس پہاڑ کا نام ہے جو مُزدلفہ میں واقعہ ہے ۔ مَشْعَرٌ کے معنی

شعار اور علامت کے ہیں اور حرام کے معنی محترم و مقدس۔ اس لحاظ سے مشعرِ حرام کے معنی یہ ہوئے کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لئے ایک مقدس مقام ہے۔

مُزْدَلْفَہ: مشعرِ حرام پہاڑ کے آس پاس کے میدان کو مُزْدَلفہ کہتے ہیں۔ جو مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان یہاں اپنے رب کی معرفت اور عبادت و ذکر الٰہیٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے مسلمانوں کو آپس میں تعارف کا موقع ملتا ہے۔

وقوفِ عرفات: مکۂ معظمہ سے مشرق کی طرف طائف کو جو سڑک جاتی ہے، میدان عرفات اس سڑک پر مکۂ معظمہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرفات لفظاً جمع ہے۔ یہ حدود حرم سے باہر ہے۔ حج میں حاجیوں کو اس میدان میں پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک یہاں قیام کرنا حج کا اہم ترین فرض ہے۔ اگر عرفات کا قیام فوت ہو جائے تو حج نہیں ہوتا۔ کفارے اور فدیہ سے بھی اس کمی کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔

وقوفِ مُزْدَلفہ: عرفات سے واپسی میں رات کو مُزْدلفہ میں قیام اور مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں مُزْدَلفہ میں پڑھنا اور مشعرِ حرام کے پاس تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مُزْدَلفہ کی خاص عبادت ہے۔ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر کی فجر طلوع ہونے کے بعد مُزْدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکر الٰہیٰ کیا اور دعا مانگی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

عبادات و ذکر الٰہیٰ میں آدمی خود مختار نہیں کہ جس طرح چاہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے بلکہ ذکر الٰہیٰ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں۔ ان کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (معارف القرآن ۴۸۷، ۴۸۸ / ۱، حقانی ۵۶۳ / ۱)۔

۱۹۹۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ

پھر تم بھی وہیں سے لوٹ کر آؤ جہاں سے دوسرے لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ بیشک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

النَّاسُ: لوگ۔ قریش کے سوا تمام لوگ مراد ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ اور اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کی روایتوں میں ہے کہ حج کے واسطے عرب تو عرفات میں ٹھہرتے اور قریش مُزدلفہ میں قیام کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ قریش اپنے آپ کو حمس (شدت اور حیثیت والے) کہلاتے تھے اس لئے وہ اور ان کے حلیف عرفات میں دوسرے اہل عرب کے ساتھ ٹھہرنے کو عار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں اور حرم کے رہنے والے ہیں اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں۔ یہ بہانہ کرکے وہ مزدلفہ ہی میں قیام کر لیتے کیونکہ مُزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اور عرفات حدود حرم سے باہر ہے۔ جب دوسرے لوگ عرفات سے چلتے تھے تو قریش کے لوگ مُزدلفہ سے چلتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم بھی وہیں (عرفات میں) جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں۔ اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔ (مظہری ۲۳۶/۱)۔

تشریح: اس آیت میں اصولِ معاشرت کے سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بتائی گئی کہ رہن سہن، قیام و مقام میں بڑوں کو چاہیئے کہ چھوٹوں سے ممتاز ہو کر علیحدہ نہ رہیں بلکہ مل جل کر رہیں۔ اس سے باہمی اخوت و ہمدردی اور محبت و تعلق پیدا ہوتا ہے اور امیر و غریب کی تفریق مٹتی ہے، مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ختم ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کرکے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا مدار تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے۔ اسی لئے مشرکین کے اس فعل کو جس سے وہ مُزدلفہ میں قیام کرکے اپنی حیثیت کو ممتاز بناتے تھے، گناہ قرار دیکر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ و استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادے اور ان پر اپنی رحمت فرمادے۔ (معارف القرآن ۴۸۹/۱)۔

ذکر اللہ کی تاکید

۲۰۰۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي

الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔

پھر جب تم ارکان حج پورے کر لو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ، ہمیں تو جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے اور ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ۔

قَضَيْتُمْ: تم ادا کر چکو ، تم پورا کر چکو ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

مَنَاسِكَكُمْ: تمہارے حج کے کام ۔ تمہاری حج کی عبادت ۔ نُسُكٌ سے اسم ظرف ۔

خَلَاقٍ: حصہ ۔ فضیلت ۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب منیٰ میں قیام کرتے تھے تو وہاں مجلسیں منعقد کر کے ان میں مشاعرے اور اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور کارناموں کو بیان کرتے تھے ۔ ان کی مجلسیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بالکل خالی ہوتی تھیں ۔ وہ اپنا تمام وقت لغو اور فضول چیزوں میں ضائع کرتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم احرام کے افعال مکمل کر کے منیٰ میں قیام کرو تو وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے آباء و اجداد کا ذکر چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اسی کے ذکر میں مشغول رہو جو دنیا کے لئے بھی نافع ہے اور آخرت کے لئے بھی ۔ اسی طرح بعض لوگ ان مبارک ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعائیں تو کرتے تھے مگر وہ دعائیں صرف دنیوی حاجات ، عزت و راحت کے لئے ہوتی تھیں وہ اپنی دعاؤں میں آخرت کی ذرا فکر نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ (معارف القرآن ۴۹۰ ، ۴۹۱ / ۱) ۔

آخرت کے طالب

۲۰۱ ، ۲۰۲ ۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ان کے اس عمل کی بدولت بڑا حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۔

قِنَا: تو ہمیں بچا۔ تو ہمیں محفوظ رکھ۔ وِقَاءٌ و وِقَایَۃٌ سے امر ہے۔

نَصِیْبٌ: حصہ۔ ٹکڑا۔ قسمت۔ جمع نصب۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے اپنی سند سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایسا دبلا ہو رہا ہے کہ جیسے انڈے میں سے پرندے کا بچہ نکلتا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کچھ دعا کرتا تھا یا کچھ مانگا کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کہا کرتا تھا کہ اے اللہ آپ مجھے جس قدر عذاب آخرت میں دیں گے وہ دنیا ہی میں دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا سُبْحَانَ اللہ! تیرے اندر اس عذاب کو برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔ تو نے اس طرح کیوں نہ کہا۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا..... النَّارِ ۔ چنانچہ اس شخص نے اس کے بعد اسی دعا کو پڑھنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دیدی۔ (مظہری ۲۴۰/۱، ابن کثیر ۲۴۴/۱)۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے آخرت کی بھلائی اور بہتری مانگتے ہیں اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ اپنی دعاؤں میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کوشش بار آور ہوتی ہے اور وہ دونوں جہانوں کی بھلائی حاصل کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۴۹۳ /۱)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سو مرتبہ بھی دعا فرماتے تھے تو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا سے دعا شروع فرماتے اور اسی پر ختم فرماتے تھے۔ اور اگر دو دعائیں فرماتے تو ان دونوں میں سے ایک یہی دعا ہوتی تھی۔ (مظہری ۲۴۰/۱)۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنی ساری مخلوق کا حساب لے گا اور ان پر جزا و سزا مرتب فرمائے گا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی جلد حساب لے لے گا۔ (مظہری ۲۴۱/۱)۔

منیٰ میں قیام کی مدت

۲۰۳۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کو گنتی کے چند دنوں میں یاد کرو۔ پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہا تو اس پر بھی گناہ نہیں۔ یہ ان کے لئے ہے جو پرہیزگاری کریں۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب کو اسی کے پاس جمع کیا جائے گا۔

مَعْدُوْدٰتٍ: گنے ہوئے۔ گنتی کے چند دن۔ واحد مَعْدُوْدَۃٌ۔ یہاں چند دنوں سے مُراد ایامِ تشریق ہیں (۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک) جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔

تَعَجَّلَ: اس نے عجلت کی۔ اس نے جلدی کی۔ تَعَجُّلٌ سے ماضی۔

تَاَخَّرَ: اس نے تاخیر کی۔ وہ پیچھے رہا۔ تَاَخُّرٌ سے ماضی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکھٹے کئے جاؤ گے۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جو شخص عید کے بعد صرف دو دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کر کے واپس آ جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تیسرے دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ تک قیام کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ حجاج کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے جس پر چاہیں عمل کریں۔ البتہ افضل یہی ہے کہ تیسرے دن (۱۳ ذی الحجہ) تک ٹھہریں۔ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں لیکن اگر منیٰ میں آفتاب غروب ہو گیا تو پھر تیسرے دن کی رمی کرنے سے پہلے منیٰ سے واپس آنا جائز نہیں۔ البتہ تیسرے دن کی رمی میں یہ رعایت ہے کہ وہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کے لئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حج اور دوسری عبادتیں انہی لوگوں کی قبول کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (مائدہ ۲۷) بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ تم سب اس کے پاس جمع ہونے والے ہو، اسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا، پھر اسی کی طرف حشر ہو گا، وہ تمہارے کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ اور ان پر جزا و سزا دے گا پس تم جہاں کہیں بھی ہو اسی سے ڈرتے رہو۔ (معارف القرآن ۴۹۳، ۱/۴۹۴، ابن کثیر ۱/۲۴۵)۔

سخت جھگڑالو آدمی

۲۰۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ بھی ٹھہراتا ہے جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ سخت (دشمن) جھگڑالو ہے۔

يُعْجِبُكَ: وہ تجھے تعجب میں ڈالتا ہے۔ وہ تجھے پسند آتا ہے۔ اِعْجَابٌ سے مضارع۔

اَلَدُّ۔ بہت جھگڑالو، سخت دشمن، لَدٌّ سے اسم تفضیل۔

الْخِصَامِ: جھگڑا کرنا۔ مباحثہ کرنا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے کلبی، مقاتل، اور عطا کی روایت سے فرمایا کہ اخنس بن شریق ثقفی بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور بہت شیریں کلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور بیٹھتا تھا۔ خوب باتیں بناتا اور قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ اور آپؐ سے اظہار محبت کرتا تھا۔ حقیقت میں وہ منافق تھا۔ جب آپؐ کی مجلس سے اٹھکر جاتا تو فساد و شرارت اور خلق خدا کو تکلیف پہنچانے میں لگ جاتا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱/۲۴۴)

تشریح: اس سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ بد قسمت انسان صرف دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ آخرت کی بھلائی سے بالکل محروم ہیں۔ مگر نیک بندے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی طلب کرتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بد بخت اور منافقین کا حال بیان فرمایا ہے۔ کہ ان کی زبان بہت شیریں ہوتی ہے۔ ظاہر میں وہ بڑی سمجھ بوجھ کی باتیں کرتے ہیں۔ قسمیں کھا کھا کر اپنے سچا ہونے کا یقین دلاتے ہیں، بات بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ اور دل سے فتنہ پرور اور سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ برا شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

منافقوں کی نشانیاں

۲۰۵۔ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۔

اور جب وہ (آپ کے پاس سے) پیٹھ پھیرتا (چلا جاتا) ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اَلْحَرْثَ: کھیتی ۔ مصدر ہے۔

اَلنَّسْلَ: نسل ۔ اولاد

تشریح: گزشتہ آیت میں منافقوں کی کچھ نشانیوں کا بیان تھا۔ مثلاً اسلام کی ہمدردی کا دعویٰ کرنا بات بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرانا۔ وغیرہ اس آیت میں ان کی مزید نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ کہ یہ لوگ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ ہنگامہ آرائی کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔ لوگوں کی کھیتیوں کو جلاتے اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ زنا کا ارتکاب کرتے اور عورتوں کے حقوق مارتے ہیں اور انہیں ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ خلاف فطرت فعل کا ارتکاب کر کے نسل انسانی کو تباہ کرتے ہیں۔

۲۰۶۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔

اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ سو اس کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

تشریح: اس آیت میں منافقوں کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جھوٹے دعوے کرنے۔ اور اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانے اور فتنہ و فساد مچانے کے ساتھ ساتھ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے بھی سرکشی اور بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ جب لوگ ان کو سمجھاتے ہیں کہ ہنگامہ آرائی۔ فتنہ و فساد اور ہر قسم کی شرارت چھوڑ کر سیدھے راستہ پر آجاؤ، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو تو وہ غرور و تکبر میں آکر اور زیادہ گناہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دلیر ہو جاتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کی ہے، جہاں انہیں رکھا جائے گا۔ یہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے اور اپنے غرور کا مزہ چکھتے رہیں گے۔

اللہ کی رضا چاہنے والا

۲۰۷- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ،

اور بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان بھی دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

شانِ نزول: حارث بن اسامہ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن مُسیّب سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت صُہَیب رومی مکہ سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہے تھے کہ راستہ میں قریش کی ایک جماعت نے ان کا راستہ روک لیا۔ حضرت صہیب اپنی سواری سے اتر گئے اور اپنے ترکش میں سے تیر نکال کر تیار ہو گئے اور قریش کی اس جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ اے قریش کے گروہ تم سب جانتے ہو کہ میں تیر اندازی میں تم سب سے زیادہ ماہر ہوں اور میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا اور قسم ہے اللہ کی جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے اور تیروں کے ختم ہونے کے بعد جب تک تلوار کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا میں تلوار چلاتا رہوں گا۔ پھر اس کے بعد جو تم چاہو کر لینا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں رکھا ہوا ہے۔ تم جا کر وہ مال لے لو اور میرا رستہ چھوڑ دو۔ اس پر قریش کی جماعت راضی ہو گئی۔ حضرت صہیب ان سے چھوٹ کر صحیح و سالم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؐ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا کہ اے ابو یحیٰ تمہاری بیع خوب نافع ہوئی۔ اے ابو یحیٰ تمہاری بیع خوب نافع ہوئی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری بحوالہ حاکم، ابن ابی حاتم، ابن جریر وغیرہ ۱/۲۴۵

تشریح: بعض لوگ ایسے عقلمند اور دانا ہیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ عزت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانبازی اور سر فروشی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان ہے کیونکہ یہ لوگ اس کے مخلص ہیں اور اس سے سچی محبت رکھتے ہیں۔

اسلام کو پوری طرح قبول کرنا

۲۰۸، ۲۰۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم واضح دلیلیں آجانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بھی زبردست حکمت والا ہے۔

سِلْمِ: اس کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں۔ جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک یہاں اسلام مراد ہے۔

کَآفَّةً: پورے پورے، تمام۔

زَلَلْتُمْ: تم پھسلے۔ تم نے لغزش کی۔ تم ڈگمگائے، زَلٌّ سے ماضی۔

شانِ نزول: ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کی کہ یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ، ابن یامین، اور سعید بن عمرو، کعب کے بیٹے اسد و اسید اور قیس بن زید وغیرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اب اس کی تعظیم کیا کریں اور توریت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب ہے آپؐ اجازت دیجئے کہ ہم رات کو کھڑے ہو کر اس کو پڑھا کریں۔ علامہ بغوی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ لوگ اسلام لانے کے بعد بھی اونٹ کے دودھ اور گوشت کو حرام جانتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: گزشتہ آیات میں ایمان و اخلاص کا ذکر کیا گیا تھا اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان و اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ تم دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اور اس میں یہودیت وغیرہ کو نہ ملاؤ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو کہ اس کے بہکانے میں آکر ہفتہ کی حرمت کرنے لگو اور اونٹ کو اپنے اوپر حرام کر لو حالانکہ یہ سب امور منسوخ ہو چکے اور شیطان تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے فریب سے بچتے رہو۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپؐ کی رائے ہو تو ہم ان میں سے بعض باتیں لکھ لیا کریں آپؐ نے فرمایا کہ

کہ تم بھی اسی طرح حد سے بڑھو گے جس طرح یہود و نصاریٰ بڑھ گئے ہیں ۔ میں تو تمہارے لئے صاف اور روشن شریعت لایا ہوں ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا ۔ (مظہری، بحوالہ امام احمد، بیہقی ۔ ۱/۲۴۹) ۔

کفار کو تنبیہ و تہدید

۲۱۰، ۲۱۱ ۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔

کیا یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادلوں کے سایہ میں ان پر آئیں اور معاملہ طے ہو جائے ۔ اور سب باتیں اللہ تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہیں ۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دئے تھے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت پا کر اس کو بدل ڈالے تو بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے ۔

يَنْظُرُوْنَ ۔ وہ انتظار کرتے ہیں ۔ وہ دیکھتے ہیں ۔ نَظْرٌ سے مضارع ۔

ظُلَلٍ: سائبان ۔ بادل ۔ مُراد عذابِ الٰہیٰ ۔

الْغَمَامِ: بادل ۔ سفید ابر ۔

قُضِيَ: وہ فیصلہ کیا گیا ۔ وہ پورا کر دیا گیا ۔ قَضَاءٌ سے ماضی مجہول ۔

تشریح: اس آیت میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے کہ تم ہماری آیتیں اور نشانیاں دیکھنے کے باوجود ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلے بہانے کرتے ہو ۔ اب اور کیا باقی رہ گیا ہے سوائے اس کے کہ تمہارے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تمہارے سامنے آجائیں، تب تم مانو گے ۔ ہم قادر مطلق ہیں یہ بھی کر سکتے ہیں ۔ بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے ان کو کیا کچھ نشانیاں نہیں دکھائیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی کا سانپ بن جانا، ان کے ہاتھ کا روشن اور چمکدار ہو جانا ۔ ان کے لئے دریا کو چیر دینا ۔ ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کر دینا، مَنّ و سَلویٰ اتارنا ۔ وغیرہ ۔ یہ سب معجزات میری قدرت کاملہ کو ظاہر کرنے اور حضرت موسیٰ کی نبوت کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی تھے ۔ اس کے باوجود انہوں نے میری نعمتوں کا کفر کیا اور ایمان لانے کی بجائے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر شکر کی بجائے نا

شکری کرتے رہے جس پر میں نے ان کو ہلاک کر دیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدر نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔ (حقانی ۵۷۰ / ۱، ابن کثیر ۲۴۹ / ۱)۔

متقیوں کو فوقیت حاصل ہونا

۲۱۲ - زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی عمدہ کرکے دکھائی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ قیامت کے روز پرہیزگار ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

زُيِّنَ: زینت دی گئی، وہ سنواری گئی۔ تَزْيِيْنٌ سے ماضی۔

يَسْخَرُوْنَ: وہ تمسخر کرتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ سَخَرٌ سُخْرِيَةٌ سے مضارع۔

فَوْقَهُمْ: ان کے اوپر۔ ان سے بڑھکر۔ ظرف مکان ہے۔

تشریح: اہل ایمان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتوں میں کوئی کشش اور پائیداری نہیں۔ ان پر کافر ہی جان دیتے ہیں اور انہیں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ہر طرح کی آسائش دی ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، صرف دنیا کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اس کے بر عکس اہل ایمان آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے۔ کافر دنیا کے مال و دولت اور عزت و جاہ پر فخر کرتے ہوئے مسلمانوں کو بیوقوف اور مفلس سمجھ کر ان پر قہقہے لگاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ قیامت کے روز اہل ایمان ان سے بالاتر ہوں گے اور وہ کافروں پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح وہ دنیا میں ان اہل ایمان پر ہنستے تھے۔ کیونکہ کافر اس وقت ذلت و رسوائی میں ہوں گے۔ جہاں تک رزق کا تعلق ہے اس میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے۔ (حقانی ۵۷۱ / ۱)۔

ایک حدیث میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر کہ میں تجھے دیتا ہی رہوں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم راہ خدا میں دئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور دنیا کے لئے وہ جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔ (ابن کثیر ۱/۲۴۹)۔

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے ایک دوسرے آدمی سے جو آپؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا پوچھا کہ تم اس آدمی کو کیسا سمجھتے ہو۔ اس نے عرض کیا یہ بڑا شریف آدمی ہے اور اللہ کی قسم یہ اس شان کا آدمی ہے کہ اگر کہیں پیغام بھیجے تو فوراً اس کی شادی ہو جائے اور اگر کہیں کسی کی سفارش کرے تو فوراً قبول ہو جائے۔ آپؐ یہ سنکر خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی اُدھر سے گزرا۔ آپؐ نے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسلمانوں میں بہت غریب آدمی ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں پیغام بھیجے تو کوئی شادی بھی نہ کرے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو وہ بھی کوئی منظور نہ کرے اور اگر کچھ کہے تو کوئی سنے بھی نہیں اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ویسے (پہلے والے) آدمیوں کی بھری ہوئی زمین سے یہ اکیلا بہتر ہے۔ (مظہری بحوالہ بخاری شریف ۲۵۲،۲۵۲/۱)۔

اختلافِ عقائد

۲۱۳۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۥ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی گروہ تھے (اس کے بعد ان میں اختلاف ہوا تو) پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور واضح دلائل آ جانے کے باوجود اس کتاب میں محض ضد کی وجہ سے انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مومنوں کو اس امر کی ہدایت کر دی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جن کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اُمَّةً: جماعت۔ ملت۔ جمع اُمَمٌ۔

بَغْیًا: بغاوت۔ سرکشی۔ضد۔

بِاِذْنِہٖ: اپنے حکم سے۔اپنی اجازت سے۔یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق ہے۔

ربطِ آیات: اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی محبت کو دینِ حق سے اختلاف کرنے کی وجہ بتایا تھا۔یہ آیت بھی اسی مضمون کی تائید میں ہے کہ مدت سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ ہم دینِ حق کے بارے میں کھلی نشانیاں اور واضح دلائل بیان کرتے ہیں اور دنیا کے طالب اپنی دنیوی اغراض کے سبب اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک زمانے میں تمام لوگ ایک ہی عقیدہ اور خیال کے حامل تھے پھر رفتہ رفتہ ان میں اختلاف پیدا ہونے لگا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے اور فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کون حق پر ہے اور کس کے عقائد باطل ہیں۔اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔کوئی قوم، کوئی زمانہ اور کوئی جگہ نبیوں اور ان کے جانشینوں سے خالی نہیں رہی۔تمام انبیاء اور رسول اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے احکام خداوندی لیکر آتے رہے۔تمام شریعتیں اصل کے اعتبار سے ایک ہی تھیں اور فروع میں اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے احکام بیان کرتی تھیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۔ (فاطر ۲۴)

بیشک ہم نے آپکو دینِ حق دیکر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ۔ (الرعد آیت ۷)۔

بلاشبہ آپ کا کام تو (عذاب سے) خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی آتے رہے ہیں

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ ۔ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۔ (یونس ۴۷)۔

ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔پس جب ان کا رسول ان کے پاس آچکا تو اس کے

بعد انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کیا گیا اور ان پر ظلم نہیں کیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح فرماتے تھے اور کتاب اللہ کی روشنی میں ان کے اختلافی امور کا فیصلہ فرماتے تھے۔ جو لوگ ان کے طریقہ پر عمل کرتے تھے وہ ان کو خوشخبری سناتے تھے اور جو لوگ ان کا انکار کرتے تھے وہ ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اس طرح لوگوں کے دو گروہ بن گئے ایک تو وہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کیا، دوسرے وہ جنہوں نے پیغام الٰہی کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کی بات نہ مانی۔

مومنوں کی آزمائش

۲۱۴۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ؕ

(اے مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم (یونہی) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان پر ایسی سختیاں اور مصیبتیں پڑی تھیں کہ وہ ہلا دئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی (جس پر ان کو تسلی دی گئی) خبردار ہو جاؤ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کیا۔ تم نے خیال کیا۔ حِسْبَانٌ سے ماضی۔

اَلْبَاْسَاۗءُ: سختی۔ تنگدستی۔ مفلسی۔ اسم ہے۔

اَلضَّرَّاۗءُ: تکلیف، سختی، مصیبت، اسم ہے۔

زُلْزِلُوْا: وہ زلزلہ میں آگئے۔ وہ ہلا دئے گئے۔ زَلْزَلَۃٌ و زِلْزَالٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر و توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دی ہے تاکہ راہِ حق میں جس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آئیں ان پر ثابت قدم رہیں اس لئے کہ مشقت و محنت اور مصائب و آلام برداشت کئے بغیر جنت کا مستحق نہیں بنتا۔ اس لئے فرمایا کہ اے مسلمانو! صرف ایمان لانا ہی تمہیں جنت کا مستحق نہیں بنا دیتا بلکہ اس کے لئے تمہیں ہر قسم کی

مصیبت و آفت برداشت کرنا چاہئے کیونکہ تم سے پہلے انبیاء اور ان کے متبعین بے پناہ سختیاں اٹھا چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دین حق پر ثابت قدم رہے بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد آنے کا کامل یقین ہونے کے باوجود رسول اور مومنین بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی گئی کہ مدد الٰہیٰ جلد آنے والی ہے۔ (حقانی ۵۷۲/۱)۔

قرآنِ کریم نے بالکل اسی مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۔ (عنکبوت آیات ۱۔۳)۔

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائیگا۔ اور ہم نے تو ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور وہ ضرور معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔

چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی جنگ احزاب میں اسی طرح آزمایا گیا۔ خود قرآنِ کریم نے اس جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ۔ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۔ (احزاب آیات ۱۰،۱۱)۔

جب کافروں نے تمہیں اوپر اور نیچے سے گھیر لیا، جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش کی گئی اور وہ خوب جھنجوڑے گئے۔

مصارفِ خیرات

۲۱۵۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۔

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا خرچ کیا کریں ۔ آپ کہدیجئے کہ جو کچھ مال تم خرچ کرنا چاہو تو ماں باپ ، قرابت داروں ، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دیا کرو اور تم جو کچھ نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے

خَیْرٍ: مال ۔ بہتر ۔ اچھا ۔ بھلائی ۔ نیک کمائی ۔ یہاں خیر سے مراد مال ہے ۔

شانِ نزول: ابن منذر نے ابن حبان سے روایت کی ہے کہ عمرو بن جموح (جو نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار تھا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں (کن لوگوں کو دیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۵۶ / ۱) ۔

ربطِ آیات: اس سے پہلی آیتوں میں تاکید کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی کہ تم کفر و نفاق چھوڑ کر پوری طرح اسلام کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی بات مت سنو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان اور مال خرچ کیا کرو اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف و مصیبت پر صبر و تحمل سے کام لیا کرو ۔ اب آگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کی کچھ تفصیل کا بیان ہے (معارف القرآن ۵۱۱ \ ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اپنے مال میں سب سے پہلے اپنے ماں باپ کا حق ادا کرو ۔ ان کے بعد دوسرے رشتہ داروں میں سب سے پہلے قریبی رشتہ دار کو ۔ پھر اس سے دور والے کو ، پھر اس سے دور والے کو ، پھر یتیموں ، فقیروں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے ۔ یہ آیت زکوٰۃ کے متعلق نہیں بلکہ نفلی صدقات کے متعلق ہے کیونکہ زکوٰۃ میں مال کا نصاب بھی مقرر ہے اور جتنی مقدار خرچ کرنا فرض ہے ، وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری طرح متعین و مقرر فرمادی گئی ہے جبکہ اس آیت میں نہ نصاب مقرر ہے اور نہ خرچ کی مقدار کا تعین ۔

نفلی صدقات کے لئے ضروری ہے کہ ان میں اپنی ضروریات سے زائد مال کو خرچ کیا جائے ۔ اپنے اہل و عیال کو تنگی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کر کے صدقات کے طور پر مال خرچ کرنا باعث ثواب نہیں ۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور وہ اپنے قرض سے سبکدوش ہونے کی بجائے اپنا زائد از ضرورت مال ، نفلی صدقات و خیرات میں خرچ کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ۔ (معارف القرآن ۵۱۲ ، ۵۱۳ \ ۱) ۔

قتال کا حکم

۲۱۶۔ کُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔

(اے مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ (جہاد) تمہیں گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں گراں معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو وہ تمہارے حق میں شر ہو اور (ہر چیز کا انجام) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

کُرۡهٌ: ناپسند۔ ناگوار۔ اسم ہے۔

عَسٰى: شاید۔ ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے۔ عنقریب۔

شَرٌّ: برائی۔ شر۔ عیب۔

تشریح: گزشتہ آیت میں مال خرچ کرنے کا حکم تھا مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے۔ یہاں اسی کا حکم دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ جو آپؐ سے لڑے اور آپؐ پر ظلم کرے تو آپؐ بھی اس سے بدلہ لیں۔ جب اس پر بھی مخالفین ظلم و ستم سے باز نہ آئے اور انہوں نے اہلِ ایمان کو ہر جگہ ستانا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فتنہ و فساد اور شر و الحاد کو دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب تم پر جہاد فرض ہو گیا ہے۔ گو جہاد کا حکم تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی کیونکہ ممکن ہے تم قتل بھی کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ، پھر سفر کی تکلیف اور دشمنوں کی یورش کا سامنا بھی ہو گا، مگر اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر ان کے نتائج اچھے ہوتے ہیں مثلاً قتال میں تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ اسی طرح بعض چیزوں کو تم پسند کرتے ہو اور تمہارے لئے بدتر ہوتی ہیں۔ مثلاً قتال سے پہلو تہی میں دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور تمہیں دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی جگہ نہ ملے گی۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احکام ادا کرنے میں جلدی کرو تاکہ تمہیں ایسی چیز نصیب ہو جائے جو دین و دنیا کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہو۔ تمام کاموں کے انجام کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، وہی جانتا ہے کہ انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے کونسا کام اچھا ہے اور کونسا برا، لہٰذا تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔ (حقانی ۵۷۵/۱، ابن کثیر ۲۵۲/۱)۔

انجامِ ارتداد

۲۱۷ - يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے حُرمت کے مہینوں میں قتال کرنے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجد حرام کے لوگوں کو وہاں سے نکال دینا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑھکر ہے ۔ اور فتنہ برپا کرنا ، قتل سے بھی بڑھکر ہے اور یہ (کفار) تو تمہارے ساتھ ہمیشہ لڑتے ہی رہیں گے تاکہ اگر یہ تم پر قابو پالیں تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور جو کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے ۔ اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

صَدٌّ: روکنا ۔ باز رکھنا ۔ حائل ہونا ۔ مصدر ہے ۔

يَزَالُوْنَ: وہ ہمیشہ رہیں گے ۔

يَرُدُّوْكُمْ: وہ تمہیں لوٹا دیں گے ۔ وہ تمہیں پھیر دیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع ۔

يَرْتَدِدْ: وہ مرتد ہو جائے گا ۔ وہ پھر جائے گا ۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع ۔

حَبِطَتْ: وہ ضائع ہو گئے ۔ وہ غارت ہو گئے ۔ حَبْطٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول: ابن جریر ، ابن ابی حاتم ، طبرانی نے کبیر میں ، ابن سعد اور بیہقی

نے اپنی اپنی سنن میں حضرت جندبؓ بن عبد اللہ سے روایت بیان کی کہ جنگِ بدر سے دو مہینے پہلے جمادی الاخر ۲ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبد اللہؓ بن جحش کو امیر بنا کر آٹھ مہاجرین کے ہمراہ مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا ۔ (نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے ، یہ وہی مقام ہے جہاں واقعۂ معراج سے پہلے طائف کے تبلیغی سفر سے واپسی میں جنّات نے آپؐ سے قرآنِ کریم سنا تھا) ۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہؓ کے علاوہ آٹھ آدمی تھے ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ بارہ آدمی تھے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو آدمی سوار تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہؓ کو ایک خط دیکر حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر روانہ ہو جاؤ اور یہ خط اس وقت تک نہ کھولنا جب تک تم دو دن کا سفر طے نہ کر لو۔ دو دن کے بعد اس خط کو کھول کر دیکھنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہو اس پر عمل کرنا اور خط اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا ۔ اور اپنے ساتھ لیجانے میں اپنے کسی ساتھی پر زبردستی نہ کرنا ۔

اس کے بعد حضرت عبد اللہؓ چلنے لگے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف جاؤں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ نجد کی طرف ۔ حضرت عبد اللہؓ روانہ ہو گئے اور دو روز کا سفر طے کرنے کے بعد ایک جگہ پڑاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ کھولا تو اس کا مضمون اس طرح تھا ۔

" بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۔ اما بعد ! تم اللہ کی برکت اور اسکی رحمت پر بھروسہ کر کے اپنے ہمراہیوں میں سے ان کو لیکر چلے جاؤ جو تمہارے کہنے میں ہوں ۔ بطنِ نخلہ میں پہنچکر قریش کے قافلہ کا انتظار کرو ۔ امید ہے کہ ان کا مال تمہارے ہاتھ لگے اور تم اسے ہمارے پاس لے آؤ " ۔

حضرت عبد اللہؓ نے آپؐ کا والا نامہ پڑھکر فوراً رضا مندی ظاہر کی اور اس کا مضمون اپنے ساتھیوں کو سنایا اور ان سے یہ کہدیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی پر زبردستی کروں ۔ اب تم میں سے جس کو شہادت پسند ہو وہ تو ساتھ چلے اور جس کو یہ پسند نہ ہو وہ واپس چلا جائے ۔ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے تو آپ کے سب ساتھی آپ کے ہمراہ تھے ۔

جب یہ لوگ معدن پہنچے (حجاز کے علاقہ میں فرزع سے اوپر ایک مقام ہے جسے

بحران کہتے ہیں) تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا ۔ یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں دور تک نکل گئے ۔ پھر جب اونٹ ملا تو راستہ بھول گئے ۔ اس طرح کئی روز کی تاخیر ہو گئی اس لئے یہ دونوں پیچھے رہ گئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نہ جاسکے ۔ باقی لوگ حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ نخلہ پہنچ گئے ۔ قریش کا ایک تجارتی قافلہ جس میں عمرو بن حضرمی ، عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان اور نوفل اور ہشام بن مغیرہ کا مولیٰ حکم بن کیسان تھے ، آتا ہوا دکھائی دیا ۔ قافلے کے اونٹوں پر زیتون کا تیل ، کشمش اور چمڑے وغیرہ پر مشتمل سامان تجارت لدا ہوا تھا ۔ اہل قافلہ مسلمانوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے ۔

یہ واقعہ ایسے وقت ہوا جب ماہ جمادی الآخر ختم اور ماہ رجب شروع ہو رہا تھا اور اس بات کا یقین نہیں تھا کہ حملہ ماہِ رجب (یعنی ماہ حرام) میں ہوا یا ماہ جمادی الآخر میں ۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ اگر اہل قافلہ کو چھوڑ دیا جائے تو یہ مکہ جا کر میری یہاں موجودگی کی خبر پھیلادیں گے اور اگر لڑائی کریں تو کہیں رجب کا مہینہ نہ شروع ہو گیا ہو جس میں قتال حرام ہے ۔ پس ان کو تردّد ہوا اور وہ گناہ کے خیال سے پیش قدمی سے ڈرے ۔ آخر یہی طے پایا کہ لڑ کر اس خطرے کو دور کر دیا جائے ۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھیوں میں سے واقدؓ بن عبداللہ تمی نے ایک تیر مارا جس سے عمرو بن الحضرمی مر گیا ۔ یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکوں میں سے سب سے پہلا قتل تھا ۔ اس کے ساتھ ہی قافلے کے باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا ۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا ۔ اہل قافلہ میں سے عثمان اور حکم گرفتار ہوئے جو مشرکین کے سب سے پہلے قیدی تھے جبکہ نوفل بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ۔ اس وقت تک مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت عبداللہؓ نے بعض مفسرین کے مطابق محض اپنے اجتہاد سے چار خُمس اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دئے اور باقی ایک خُمس مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا خُمس تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ماہ حرام میں لڑائی کی اجازت تو نہیں دی تھی ۔ پھر اس مال غنیمت میں سے آپؐ نے کچھ نہیں لیا اور فرمایا کہ جب تک وحی نازل نہ ہو اس وقت تک مال غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو ۔

مسلمانوں میں بھی یہ بات سخت ناپسند کی گئی اور کفار نے تو کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے حرمت والے مہینوں میں قتال کو حلال کر لیا یہ حالات دیکھ کر حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے ۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن حضرمی کو قتل کرنے کے بعد شام کو ہم نے رجب کا چاند دیکھا مگر ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم نے یہ قتل رجب میں کیا یا جمادی الآخر میں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۵۹ ۔ ۲٦۱ ، ابن کثیر ۲۵۲ ۔ ۲۵۳ \ ۱) ۔

تشریح : عرب کا قدیم دستور تھا کہ رجب ، ذیقعدہ ، ذی الحجہ ، اور محرم میں جنگ وجدال نہیں کرتے تھے اس لئے ان مہینوں میں کوئی کسی پر چڑھائی نہیں کرتا تھا ۔ بلکہ اسکو سخت معیوب جانتے تھے ۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے عہد سے یہی دستور چلا آرہا تھا ۔ اسلئے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی جہاد ، قتال جائز ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بلا شبہ ان مہینوں میں لڑائی سخت گناہ ہے مگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا ، اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ، اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو ناحق نکال دینا (جیسا کہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مکہ سے نکال دیا تھا اس سے بھی بڑھکر گناہ ہے اور ان کا یہ فتنہ کہ وہ مسلمانوں کو ہر جگہ ستاتے پھرتے ہیں قتل سے بھی بڑھکر ہے ۔ پس جب انہوں نے ان مہینوں کی حرمت کا خیال نہیں کیا تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے ؟ (حقانی ۵۷۵ / ۱) ۔

پھر فرمایا کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہیں گے تو مشرکین مکہ اور دیگر کفار ان کی ہر طرح سے مخالفت کرتے رہیں گے ۔ وہ ہر حال میں اور ہر موقع پر ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے خواہ یہ موقع انہیں حرم کی حدود میں ملے یا حرمت والے مہینوں میں ۔ جیسا کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع پر کیا کہ اس وقت وہ کسی احترام اور برکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف مسلمانوں سے حسد اور دشمنی کی بنا پر مرنے مارنے کیلئے تیار ہو گئے اور ان کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روکدیا ۔ یہ لوگ اسلام سے اس قدر بیزار تھے کہ اگر ان کا بس چلتا تو یہ ہر ممکن طاقت

اور تدبیر استعمال کرکے مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیتے اور انہیں پرانے اور باطل عقائد کے ماننے پر مجبور کردیتے اور اگر ان کا ذرا بھی بس چلتا تو یہ اسلام کا نام و نشان ہی مٹا دیتے ۔

اس کے بعد اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی کہ اگر کوئی مسلمان ، خواہ کافروں سے ڈر کر خواہ کسی لالچ میں آکر اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹے گا اور پھر وہ مرتے دم تک کفر پر ہی قائم رہے گا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے ۔ اسے دنیا میں بھی اس کی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی ۔

رحمتِ الٰہی کے امیدوار

۲۱۸ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا سو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول : حضرت عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ حرمت والے مہینوں میں لڑنے کے باعث اگر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوا تو اس جہاد کا ان کو کوئی ثواب بھی نہیں ملے گا ۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمیں اس سفر کا اجر ملے گا اور کیا یہ جہاد شمار ہو گا ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (ابن کثیر ۵۴ / ۱) ۔

تشریح : حرمت والے مہینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم سنکر اہل لشکر کو گناہ نہ ہونے کا تو اطمینان ہوگیا تھا ۔ مگر اس بات کا اطمینان نہیں تھا کہ اس میں ثواب بھی ہوا ہے یا نہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا تو ایسے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں اور تم لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں یعنی ایمان اور ہجرت تو پہلے ہی سے ظاہر ہے ۔ اب رہا اس جہاد کا معاملہ سو تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی لہذا

ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے ۔ اس لئے تمہیں نا امید ہونے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی کو معاف فرمادے گا اور ایمان و ہجرت اور جہاد کی وجہ سے تم پر رحمت کی نظر کرے گا ۔ (معارف القرآن ۵۱٦ / ۱) ۔

شراب و قمار کے احکام

۲۱۹ - يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ،

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھکر ہے ۔

اَلْخَمْرِ : جمہور کا قول یہ ہے کہ لغت میں خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو خبط کر دے ۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں ۔ جب وہ گاڑھا ہو جائے (اس میں نشہ ہو جائے) اور اس میں جھاگ اٹھنے لگیں ۔ صاحبین کے نزدیک جھاگ ابلنے کی شرط نہیں ۔ امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ جس شربت کا زیادہ پی لینا نشہ کرتا ہو وہی خمر ہے ۔ (مظہری ۲٦۵ / ۱) ۔

اَلْمَيْسِرِ : جوا ۔ یہ لفظ مصدر ہے ۔ اس کو میسر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں غیر کا مال آسانی سے لیا جاتا ہے ۔ ایام جاہلیت میں عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے ۔ ان میں سے ایک قسم یہ تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا ۔ بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے تھے اور بعض محروم رہتے تھے ۔ گوشت فقراء میں تقسیم کیا جاتا تھا ، خود استعمال نہ کرتے تھے ۔ محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی ۔ اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت کا اظہار ہوتا اس لئے اس کو باعث فخر سمجھتے تھے ۔ جو شخص اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے ۔

شانِ نزول : امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینے کے باشندے شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے ۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۶۴ / ۱) ۔

مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد چند صحابہ کو شراب اور جوئے کے مفاسد کا احساس ہوا ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت معاذؓ بن جبل اور چند انصاری صحابہ نے اسی احساس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال کو بھی برباد کرتے ہیں ۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (معارف القرآن ۵۲۲ / ۱) ۔

تدریجی حرمتِ شراب : یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے کو ممنوع قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر چہ شراب اور جوئے میں لوگوں کے لئے کچھ ظاہری فوائد بھی ہیں مگر ان دونوں میں ان کے فوائد سے زیادہ بڑی بڑی گناہ کی باتیں ہیں جن میں انسان مبتلا ہو سکتا ہے ۔ اس آیت میں شراب کو صاف طور پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیاں بیان کر کے اس کو ترک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ اسی لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے تو اسی وقت شراب چھوڑ دی اور بعض نے یہ خیال کر کے کہ شراب کو حرام تو نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیوں کی بنا پر اس کو گناہ کا سبب قرار دیا گیا ہے ، اس کو پیتے رہے ۔ یہاں تک کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے صحابۂ کرام میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی ۔ کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی ۔ اسی حال میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا ۔ سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور ایک صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا ۔ انہوں نے نشہ کی حالت میں سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کی غلط تلاوت کر دی ۔ اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی ۔ (نساء آیت ۴۳) ۔

اے ایمان والو ! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ ۔

اس آیت کے ذریعہ نماز کے اوقات میں شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا مگر باقی اوقات میں اس کی اجازت رہی ۔ بعض صحابہ نے تو پہلی آیت کے نازل ہونے

کے بعد ہی شراب کو ترک کر دیا تھا ۔ پھر جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ تو کچھ اور صحابہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ جو چیز انسان کو نماز نہ پڑھنے دے اس میں کوئی خوبی نہیں ہو سکتی ، شراب کو بالکل ترک کر دیا ۔ مگر چونکہ شراب کی حرمت اب بھی صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اسلئے کچھ صحابہ اسکے بعد بھی نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے ۔ کوئی صبح کی نماز کے بعد پی لیتا تو اس کا نشہ ظہر کے وقت تک اتر جاتا ، کوئی عشاء کی نماز کے بعد پی لیتا تو صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا ۔ پھر ایک روز عتبان بن مالک نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی اور اس میں کچھ مسلمانوں کو بھی بلایا جن میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے ۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا ۔ لوگوں نے اسقدر شراب پی کہ ان کو وہیں نشہ ہو گیا اور نشہ کی حالت میں لوگ شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر بیان کرنے لگے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی ہجو اور اپنی قوم کی بڑائی تھی ۔ اس پر انصار میں سے ایک نوجوان نے غصہ ہو کر اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی حضرت سعدؓ کے سر پر ماری جس سے ان کا سر پھٹ گیا ۔ حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس انصاری کی شکایت کی ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی **اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا** ۔ (اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے واضح حکم بیان فرمادے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیدیا گیا ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(مائدہ آیت ۹۰) ۔

اے ایمان والو ! بلا شبہ شراب ، جوا ، بت اور جوئے کے تیر یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں ۔ پس تم اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ (مظہری ۲۶۵ ،۲۷۲، معارف القرآن ۵۲۲ ، ۵۲۳ / ۱) ۔

شراب عربوں کے رگ و ریشہ میں خوب رچی و بسی ہوئی تھی اس عادت کو ترک کرنا ان کے لئے انتہائی شاق اور گراں ہوتا اس لئے قرآنِ کریم نے حکیمانہ طور پر

پہلے اس کی برائی ذہن نشین کرائی پھر اس کا استعمال نمازوں کے اوقات میں ممنوع قرار دیا پھر ایک خاص مدت کے بعد اس کو بالکل حرام کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شراب کے بارے میں پہلے عذاب کی سخت وعیدیں بتائیں اور فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے۔ اس کو پی کر آدمی بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا شراب اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے۔ (نسائی) ترمذی میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (۱) شراب نچوڑ نے والا۔ (۲) بنانے والا (۳) پینے والا (۴) پلانے والا۔ (۵) اس کو لاد کر لانے والا۔ (۶) جس کے لئے لائی جائے۔ (۷) بیچنے والا۔ (۸) خریدنے والا۔ (۹) اس کو ہبہ کرنے والا۔ (۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔

بیمثال جذبۂ تعمیل: حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں شراب کا کوئی برتن تھا اس نے اس کو وہیں پھینک دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے اسی وقت اسکو پھینک دیا۔ اس روز مدینہ میں بارش کے پانی کی طرح شراب بہہ رہی تھی کہ گلیوں میں عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نمایاں ہو جاتا۔ ایک صحابی شراب کی تجارت کرتے تھے اور شام سے شراب درآمد کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ اپنی ساری رقم جمع کر کے شراب لینے کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے جب واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو شراب کی حرمت کی خبر مل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے تمام سرمایہ سے خریدی ہوئی شراب جس سے ان کو بڑے نفع کی امید تھی ایک پہاڑ پر رکھ دی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے مطابق حکم دیا کہ تمام مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہادو چنانچہ اس سچے عاشق رسول نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں بلا کسی جھجک اپنا پورا سرمایہ اپنے ہاتھ سے زمین پر بہادیا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور بے مثال اطاعت کا عملی نمونہ ہے۔ (معارف القرآن ۵۲۶ / ۱)۔

نفلی صدقہ کا حکم

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۃ قُلِ الْعَفْوَ ۃ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۃ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا خرچ کریں ۔ آپ کہدیجئے کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ۔ دنیاو آخرت کے معاملات میں ۔

اَلْعَفْوَ: طاؤس کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو تجھے آسان ہو ۔ عطا ، سدی اور قتادہ کا قول ہے کہ عفو ضرورت سے زیادہ مال کو کہتے ہیں ۔ اس سے نفل صدقہ مراد ہے ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جس وقت صحابہ کو راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس خرچ کرنے سے کیا مراد ہے جس کا ہمیں حکم ہوا ہے ۔ لہذا ہم کیا خرچ کریں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم فرماتا ہے ۔ ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور نقد مال و گھر کے لوگ بھی ۔ اب ہم اپنے مالوں میں سے کیا خرچ کریں ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۷۲ / ۱ ، جلالین ۱۱۲ ، ۱۱۳) ۔

تشریح: اس آیت کے حکم کی وجہ سے صحابہ کی یہ حالت تھی کہ جو کچھ کماتے اس میں سے اپنے خرچ کے موافق رکھ کر باقی خیرات کر دیتے تھے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح صاف صاف آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم دلائل اور احکام میں غور کرو ۔ اور فانی دنیا کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی

رہنے والی ہے ۔ پس تم اسی کو اختیار کرو جو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہو اور اپنے مال میں سے صرف اتنا رکھ لیا کرو جو دنیا میں تمہاری معاش کے لئے کافی ہو باقی سب خرچ کر دو تاکہ تمہیں آخرت کا فائدہ حاصل ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کی مصلحت اور اس کے انجام سے خوب واقف ہے ۔ پس اس کے احکام پر عمل کرنے اور جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے میں جلدی کرو تاکہ تمہیں دونوں جہانوں کے فائدے حاصل ہوں ۔ (مظہری ۲۷۳ ۔ ۲۷۵ / ۱) ۔

مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اپنے نفس سے شروع کر، پہلے اسی پر صدقہ کر، پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر ، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر ، پھر بچے تو اور دوسرے حاجتمندوں پر ، مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر ، بچی ہوئی چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے ۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے ۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اے ابن آدم ! جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے ۔ اس کا روک رکھنا تیرے لئے بُرا ہے ۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں ۔ (ابن کثیر ۲۵۶ / ۱) ۔

یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک

۲۲۰ ۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ، قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ، وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ،

اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ جسمیں انکی بھلائی ہو وہ بہتر ہے ۔ اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں دشواری میں ڈالدیتا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عزّت و حکمت والا ہے ۔

تُخَالِطُوْهُمْ تم ان کو (خرچ میں) ملا لو ۔ تم ان کو شریک رکھو ۔ مُخَالَطَۃٌ سے مضارع ۔

لَاَ عْنَتَكُمْ البتہ وہ تمہیں مصیبت میں ڈالدیتا ۔ البتہ وہ تمہیں مشکل میں ڈالدیتا ۔ اِعْنَاتٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول: جب یہ آیتیں ۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا ۔ نازل ہوئیں تو اس حکم سے تمام مسلمان بہت ڈرے یہاں تک کہ انہوں نے یتیموں کے مال اپنے مال سے بالکل علیحدہ کر دئے ۔ اور یتیم کا کھانا بھی علیحدہ پکایا جانے لگا اور اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا تو اسے خود نہ کھاتے بلکہ اسے ویسے ہی رکھا رہنے دیتے آخر وہ سڑ بس کر ضائع ہو جاتا ۔ پھر یہ نقصان بھی انہیں ناگوار گزرا اور سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۷۵ / ۱) ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپؐ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو ان سے کہدیجئے کہ اصل مقصد تو انکی خیر خواہی ہے ۔ اگر تم دیکھو کہ ان کی خیر خواہی انکا مال علیحدہ کرنے میں ہے تو اسی طرح کرلو اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ شریک رکھنے میں ان کی بہتری سمجھو تو یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور بھائی ایک دوسرے کی امداد بھی کرتے ہیں اور خیر خواہی کے طور پر ایک دوسرے کے مال سے نفع بھی اٹھالیتے ہیں ۔ اور جو شخص خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے اور ناحق کھانے کی نیت سے اس کے ساتھ شرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے مفسد کو بھی خوب جانتا ہے اور یتیم کی خیر خواہی کرنے والے کو بھی ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس بارے میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل پیدا کر دیتا اور تمہارے لئے یتیموں کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہ کرتا مگر اس نے تم پر یہ آسانی کی اور خیر خواہی کے طور پر یتیموں کے ساتھ شرکت کو تمہارے لئے جائز کر دیا ۔ بلا شبہ وہ بہت زبردست ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے ۔ خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں ۔ وہ اپنے فضل سے اپنی حکمت کے مطابق اور لوگوں کی طاقت کے موافق حکم دیتا ہے ۔ (مظہری ۲۷۵ / ۱) ۔

مشرک سے نکاح

۲۲۱ - وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؕ

اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار کنیز بہتر ہے اگر چہ وہ (مشرک عورت) تمہیں بھلی لگے ۔ اور (مسلمان عورتوں کو) مشرکین کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں ۔ اور ایماندار غلام مشرک (مرد) سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں بھلا ہی معلوم ہو ۔ یہ (مشرک) تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے ۔ اور وہ لوگوں کو اپنے احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں ۔

تَنْكِحُوْا : تم نکاح کرو ، تم عقد کرو ، نِکَاحٌ سے مضارع ۔

اَمَةٌ : کنیز ، لونڈی ، باندی ۔ جمع اِمَاءٌ ۔

اَعْجَبَتْكُمْ : وہ تمہیں اچھا لگا ۔ وہ تمہیں بھلا لگا ۔ اِعْجَابٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول : علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مرثدؓ غنوی کو اس لئے مکہ بھیجا کہ وہاں سے مسلمانوں کو پوشیدہ طور پر نکال لائیں ۔ جب یہ مکہ پہنچے تو ایک مشرک عورت ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے ابو مرثد کیا تم مجھ سے خلوت نہیں کرو گے ۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اسلام نے ایسی باتوں سے روک دیا ہے ۔ وہ کہنے لگی کہ تم مجھ سے نکاح تو کر سکتے ہو ۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مگر پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپؐ سے اجازت لوں گا ۔ اس کے بعد اس عورت نے شور مچا دیا ۔ مشرکوں نے آکر ابو مرثد کو بہت مارا ۔ پھر وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ جب ابو مرثد واپس مدینے پہنچے تو انہوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کیا میرے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۷۵، ۲۷۶ / ۱)۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امورِ خانہ داری کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ ان میں دیانت اور خدا ترسی نہیں۔ میاں بیوی کا معاملہ بہت نازک اور باہمی محبت پر مبنی ہے۔ اگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے باہم محبت نہ ہوئی تو اس سے روز جھگڑے پیدا ہوں گے۔ اور اگر باہمی محبت ہوئی تو اس کی بنا پر عورت کی رسوم شرک و کفر سے چشم پوشی کرنی پڑے گی جس سے دین برباد ہوگا۔ اس لئے مشرک عورتوں سے نکاح مناسب نہیں اگرچہ مشرک عورتیں تمہیں بھلی معلوم ہوں، ان سے تو مومنہ کنیز بہتر ہے۔ اسی طرح مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت فرمادی اور فرمایا کہ مشرک سے تو غلام بہتر ہے اگر چہ وہ مشرک بھلا معلوم ہو۔ پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح جائز نہیں خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا۔ اس کے بعد ممانعت ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ تو تمہیں کفر و معاصی کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت و مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو لوگوں کی نصیحت کے لئے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے۔ (حقانی ۵۷۸ / ۱)۔

حیض کے احکام

۲۲۲، ۲۲۳۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ وہ نجاست ہے۔ پس تم حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو تم ان کے پاس جاؤ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف رہنے والوں کو ۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ ۔ اور اپنے لئے آگے (عاقبت) کے واسطے بھی کچھ تیاری کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔ اور یقین رکھو کہ بیشک تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے ۔ اور ایمانداروں کو خوشخبری سنادو ۔

اَلْمَحِیْضِ۔حیض کا آنا ۔ حیض کا مقام ۔ حیض کا زمانہ ۔ حَیْضٌ سے مصدر بھی ہے اور اسم ظرف زمان و مکان بھی ۔ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورتوں کو ہر ماہ آتا ہے ۔

اَذًی: ایذا ۔ تکلیف ۔ ناپاک ۔ گندی ۔

فَاعْتَزِلُوْا: تم کنارہ کرو ۔ تم الگ رہو ۔ اِعْتِزَالٌ سے امر ۔

شانِ نزول: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یہود کی عادت تھی کہ جب ان میں سے کسی عورت کو ایام آتے تو وہ اس کو نہ تو اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے گھر میں رہنے دیتے تھے ۔ صحابۂ کرام نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (ابن کثیر ۲۵۸ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اپنی عورتوں کے ساتھ خلاف فطرت پیش آنے یعنی حیض کی حالت میں صحبت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ طرفین کی تندرستی کے لئے مضر اور پاکیزگی کے خلاف ہے ۔ اس معاملہ میں بعض اقوام افراط و تفریط کا شکار تھیں ۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو علیحدہ مکان میں رکھتے تھے ، نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاتے تھے اور نہ اسے کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے تھے ۔ اس کے بر عکس عیسائیوں میں کسی قسم کی قید نہ تھی ۔ صحابۂ کرام میں ہر قوم کے لوگ تھے اور وہ اپنی اپنی عادت کے موافق کیا کرتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حیض ایک ناپاکی ہے اس لئے ایام حیض میں ان سے پرہیز کرو اور جب تک وہ خوب پاک نہ ہو جائیں ان سے صحبت نہ کرو ۔ پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے ۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ صرف لذتوں ہی میں منہمک نہ رہو بلکہ آخرت کی بھی فکر کرو کیونکہ ایک روز تمہیں اللہ

تعالیٰ سے ملنا ہے ۔ لہذا تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرو اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ (حقانی ۔ ۵۸۰ / ۱) ۔

قرآنِ کریم میں حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی گئی بلکہ اس کو عرف عام پر چھوڑ دیا گیا ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک کم از کم ایک رات دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے ۔ امام مالک کہتے ہیں کہ کوئی حد مقرر نہیں۔قرآنِ کریم نے حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت بیان کی ہے ، حیض کے باقی احکام مثلاً نماز نہ پڑھنا ، نماز کی قضا لازم نہ ہونا ، روزہ نہ رکھنا ، روزے قضا کرنا ، مسجد میں نہ جانا ، قرآنِ مجید کو نہ چھونا ، طواف نہ کرنا ، نفاس (بچہ جننے کی حالت) کے احکام اور اس کی مدت وغیرہ یہ سب احکام صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں ۔

لغو قسمیں

۲۲۴ ، ۲۲۵۔وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۚ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۚ

اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ کہ (قسم کا بہانہ کر کے) نیکی اور پرہیز گاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ کرے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے ۔

عُرْضَةً: آڑ ۔ روکنے والی چیز ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسم کو نیکیوں سے روکنے والی چیز نہ بناؤ ۔

اَيْمَانِكُمْ: تمہاری قسمیں ۔ واحد یَمِیْنٌ ۔ یمین کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں ۔ شرع میں یمین اس قسم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جائے اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں ۔

تَبَرُّوْا: تم نیکی کرتے ہو ۔ تم احسان کرتے ہو ۔ بِرٌّ سے مضارع ۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور ان کے بہنوئی بشیرؓ بن نعمان انصاری کے درمیان کوئی ایسی بات ہو گئی کہ حضرت عبداللہؓ نے قسم کھائی کہ نہ تو کبھی بشیر کے پاس جاؤں گا اور نہ ان سے بولوں گا اور نہ ان کے اور ان کے مخالف کے درمیان کبھی صلح کراؤں گا ۔ جب حضرت عبداللہؓ سے کوئی شخص اس کے بارے میں کچھ کہتا تو وہ جواب دیدیتے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا لہذا اب قسم سے بری ہوئے بغیر میرے لئے یہ جائز نہیں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۸۶ / ۱) ۔

تشریح: لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی بات پر یا کسی چیز کے ترک پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جائے ۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری ۔ اس پر ضرور قائم رہنا چاہیئے ۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ایک قسم کھائی تھی کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو کچھ نہیں دیا کروں گا کیونکہ اس نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی ۔ اسی طرح اور لوگ بھی قسمیں کھا بیٹھے تھے کہ میں فلاں شخص سے صلح نہ کروں گا یا میں اپنے باپ سے یا ماں سے نہ ملوں گا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں سے منع فرما دیا ہے اور بتا دیا کہ لغو قسم پر تم سے کچھ مواخذہ نہیں ہو گا ۔

یمین تین طرح کی ہوتی ہے ۔

(۱) **یَمِیْنِ غَمُوْس** ۔ غَمس ڈوبنے کو کہتے ہیں ۔ چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں ۔ غموس یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائے ۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص آیا تھا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ یہاں نہیں آیا ۔ اس میں بڑا گناہ ہے اور اس پر آخرت میں مواخذہ ہو گا ۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ (بقرہ ۲۲۵) ۔

لیکن وہ تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں ۔

اما ابو حنیفہ کے نزدیک ایسی قسموں پر کفارہ نہیں ۔

۲۔ **یمین معقدہ** : کوئی شخص آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم میں اس کے گھر نہ جاؤں گا ۔ ایسی قسم کو توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے ۔ پس جو شخص گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کردوں گا وغیرہ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم کو توڑ کر اسکا کفارہ ادا کرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اسکے خلاف کرنے میں بہتری جانے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس کام کو کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے ۔

(۳) **یمین لغو** : کسی گزری ہوئی بات پر منہ سے بلا ارادہ جھوٹی قسم نکل گئی یا یہ کہ قسم نکلی تو ارادہ سے مگر اس کو وہ اپنے گمان میں صحیح سمجھتا ہے یا آئندہ کسی بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور منہ سے بلا ارادہ قسم نکل گئی ۔ اس میں گناہ نہیں ۔ اس لئے اس کو لغو کہتے ہیں ۔ آخرت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا
(حقانی ۵۸۱ / ۱ معارف القرآن ۵۴۶ / ۱)

اِیلاء کا بیان

۲۲۶ ، ۲۲۷-لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔

جو لوگ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ (اس عرصہ میں) رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

یُؤْلُوْنَ : وہ ایلاء کرتے ہیں یعنی اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں غیر معینہ مدت یا کم از کم چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں ۔ ایلاء کرنے والا اگر چار ماہ سے قبل قسم توڑ دے تو بیوی اس کے لئے حلال ہے اور قسم کا کفارہ واجب ہوگا ۔ چار ماہ گزرنے کے بعد احناف کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اور رجوع درست نہ ہوگا ۔

تَرَبُّصُ: انتظار کرنا ۔ ٹھہرانا ۔ مصدر ہے ۔

فَآءُوْا: انہوں نے (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کیا ۔ وہ لوٹ آئے
فَیْءٌ سے ماضی ۔

تشریح: عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ لوگ بیوی سے ناراض ہو کر اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے تھے ۔ شرع میں اس قسم کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایلاء اہل جاہلیت کی طلاق تھی ۔ سعید بن مُسَیّب فرماتے ہیں کہ ایلاء جاہلیت کا ستانا تھا ۔ جب کسی کو اپنی بیوی سے محبت نہ رہتی اور نہ وہ یہ چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرے تو وہ قسم کھا کر کہ اب میں کبھی اس کے نزدیک نہ جاؤں گا ، اس کو چھوڑ دیتا تھا ۔ اس سے نہ تو وہ بیوہ ہوتی تھی اور نہ وہ خاوند والی رہتی تھی اسلام کے شروع میں بھی لوگ اس پر عمل پیرا تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر فرمادی (حقانی ۵۸۲ / ۱ ، مظہری ۲۹۱ / ۱) ۔

پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو اس کی چار صورتیں ہیں ۔

(۱) چار ماہ سے کم کی مدت مقرر کرے ۔ (۲) چار ماہ کی مدت مقرر کرے (۳) چار ماہ سے زیادہ کی مدت مقرر کرے ۔ (۴) بالکل کوئی مدت مقرر نہ کرے ۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے گا تو کفارہ لازم آئے گا اور اگر قسم پوری کر لی یعنی چار ماہ سے کم کی جو مدت مقرر کی تھی اس کو پورا کرلیا تب بھی نکاح باقی رہے گا ۔ اور رجوع کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ۔

دوسری ، تیسری اور چوتھی صورت کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے دوران قسم توڑ کر رجوع کر لے تو نکاح تو باقی رہے گا البتہ قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو عورت کو قطعی طلاق ہو جائیگی یعنی چار ماہ گزرنے کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں البتہ دونوں باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ۔ (معارف القرآن بحوالہ بیان القرآن ۵۴۷ / ۱) ۔

طلاق کے احکام

۲۲۸ - وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ، وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ، وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ،

اور طلاق پانے والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں ۔ (یعنی ان کی عدّتِ طلاق تین حیض ہے ۔ اس کے بعد کہیں نکاح کریں) ۔ اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (حمل) وہ اس کو چھپائیں ۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں ۔ اور اگر ان کے خاوند ان کو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ (اس عرصہ میں) ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں ۔ اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اور مردوں کا عورتوں پر درجہ بڑھا ہوا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

قُرُوْءٍ: ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ۔ حیض ، طُہر ، امام ابو حنیفہ اس کے معنی حیض کے لیتے ہیں اور امام شافعی طُہر کے ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد قُرْءٌ ہے ۔

اَرْحَامِهِنَّ - قرابت ۔ رشتہ داری ۔ رحم ۔ بچہ دانیاں ۔ یہ جمع ہے اسکا واحد رَحِمٌ ہے ۔

بُعُوْلَتُهُنَّ: ان کے شوہر ۔ ان کے خاوند ۔ اس کا واحد بَعْلٌ ہے ۔

بِرَدِّهِنَّ: ان کا لوٹا لینا ۔ ان کا واپس کر لینا ۔

مُطَلَّقٰتُ: مطلقہ عورتیں ۔ طلاق دی ہوئی عورتیں ۔ تَطْلِيْقٌ سے اسم مفعول ۔ شرع میں مطلقہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق ہو جائے ۔ اگر عورت کا صرف نکاح ہوا ہو اور اس سے

تنہائی نہ ہوئی ہو تو طلاق کے بعد اس کیلئے کوئی عدت نہیں ۔ اگر نکاح کے بعد عورت سے تنہائی ہو گئی اور وہ حاملہ ہے تو اسکی عدت حمل وضع ہونے تک ہے ۔ اس مدت میں کوئی شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا ۔ اگر حمل نہیں ہے تو اس کی عدت صرف تین حیض تک ہے اگر وہ لونڈی ہے اور اس کو حمل نہیں اور حیض آتا ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے ۔

تشریح : ایام جاہلیت میں طلاق کی عدت کے بارے میں بھی بڑی بے قاعدگی پائی جاتی تھی اور طلاق دینے والا سال چھ مہینے کے بعد بھی اس عورت پر دعویدار بن جاتا تھا ۔ اس لئے لوگ ایسی مطلقہ سے نکاح نہیں کرتے تھے اور نہ وہ شخص خود اس کے نان و نفقہ کا خیال کرتا تھا ۔اس طرح عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان کر کے مرد کو اس عدت کے دوران بلا تجدید نکاح رجوع کرنے کی اجازت دیدی بشرطیکہ رجوع کرنے میں اصلاح کی نیت ہو اور عورتوں کو بھی تاکید فرما دی کہ عدت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا پہلے خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں اس لئے کہ اس میں بڑی خرابی ہے ۔ ایک تو اس سے عدت کا حساب غلط ہو جائیگا ، دوسرے ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جانے سے نسب میں فرق پڑ جائے گا ۔ پھر یہ بھی بتا دیا کہ عورت اور مرد پر ایک دوسرے کے برابر کے حقوق ہیں ۔ البتہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اس لئے عورتوں کے مقابلہ میں ان کے حقوق بھی کچھ زیادہ ہیں ۔ (حقانی ۵۸۳ / ۱) ۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ، جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو ، اسے گالی نہ دو ۔ اس سے روٹھ کر اسے کہیں اور نہ بھیجو وہاں گھر میں ہی رکھو ۔ (ابن کثیر ۲۷۱ / ۱) ۔

رجعی طلاق

۲۲۹ ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ط

طلاق (جس کے بعد رجوع کر سکتے ہیں) دو مرتبہ تک ہے ۔ پھر یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دے اور جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ حصہ واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں مگر اس وقت جبکہ دونوں کو خوف ہو کہ وہ احکام الہیٰ پر قائم نہ رہ سکیں گے ۔

اِمْسَاکٌ: روک کر رکھنا ۔ بند رکھنا ۔ مصدر ہے ۔

تَسْرِیْحٌ: چھوڑ دینا ۔ رخصت کرنا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا اور نہ چھوڑوں گا ۔ اس عورت نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہوگا ؟ اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلوں گا اور اسی طرح کرتا رہوں گا ۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر ۲۷۲ / ۱) ۔

نکاح کی شرعی حیثیت: نکاح کی ایک حیثیت تو ایک باہمی معاملے اور معاہدے کی ہے جیسے بیع و شراء اور لین دین کے معاملات ۔ نکاح کی دوسری حیثیت ایک سنت اور عبادت کی ہے ۔ اسی لئے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے باجماعِ امت کچھ ایسی شرائط ضروری ہیں جو بیع و شراء کے عام معاملات میں نہیں ہوتیں ۔

(۱) بہت سی عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا ۔

(۲) نکاح کے علاوہ تمام معاملات و معاہدات کے انعقاد اور ان کی تکمیل کے لئے کوئی گواہی شرط نہیں ۔ گواہی کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب فریقین میں اختلاف ہو جائے ۔ مگر نکاح ایسا معاملہ ہے کہ اسکے ۹ انعقاد کے لئے گواہوں کا سامنے ہونا شرط ہے اگر کوئی مرد و عورت گواہوں کے بغیر آپس میں نکاح کر لیں اور دونوں میں سے کوئی فریق بھی کبھی اختلاف و انکار نہ کرے تب بھی شرعاً وہ نکاح اس وقت تک باطل اور کالعدم ہے جب تک کہ گواہوں کے سامنے دونوں کا ایجاب و قبول نہ ہو ۔ اور سنت یہ ہے کہ نکاح اعلان عام کے ساتھ کیا جائے ۔ (معارف القرآن ۵۵۵ / ۱) ۔

تین طلاق کے احکام: اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی مرتبہ چاہے

طلاق دیدے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے ۔ اس طرح عورت کی زندگی عذاب بن گئی تھی ۔ لوگ عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے یہ کرتے تھے کہ طلاق دیدی پھر جب عدت ختم ہونے کو آئی تو رجوع کر لیا اور اس کے بعد پھر طلاق دیدی ۔ اسلام نے اس پر پابندی لگادی کہ اس طرح کی طلاق صرف دو مرتبہ دے سکتے ہیں ۔ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں رہے گا ۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق دی جائے اور تیسری مرتبہ طلاق دینے کی نوبت نہ آنے دی جائے ۔ فقہائے کرام نے تین طلاق کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ تین طہروں میں دی جائیں قرآنِ کریم کے الفاظ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں بھی طلاق دو مرتبہ دینے کا مطلب یہی ہے کہ الگ الگ طہر میں دو طلاق دی جائیں ۔ احادیثِ صحیحہ اور صحابہ و تابعین کے عمل سے بھی عدد طلاق کے بارے میں یہی ثابت ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ حالت طُہر میں جس میں بیوی سے قربت نہ کی گئی ہو صرف ایک طلاق دیکر چھوڑ دے ۔ عدت ختم ہونے کے ساتھ نکاح کا رشتہ خود بخود ٹوٹ جائے گا صحابہ کرام نے اس کو طلاق کا بہترین طریقہ قرار دیا ہے ۔

پس شریعت اسلام نے طلاق کے تین درجے جو رکھے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان تینوں درجوں کو عبور کرنا ضروری یا بہتر ہے بلکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ اول تو طلاق دینا ہی ایک مغبوض و مکروہ فعل ہے ۔ اگر مجبوری کی حالت میں اس کی نوبت آ ہی جائے تو ایک طلاق پر اکتفا کیا جائے ۔ عدت ختم ہونے کے بعد یہی ایک طلاق رشتہ زوجیت قطع کرنے کے لئے کافی ہو جائیگی ۔ اور عورت آزاد ہو کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی ۔ طلاق کا یہی طریقہ احسن کہلاتا ہے ۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایک تو عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لینے سے نکاح برقرار رہتا ہے ، دوسرے عدت ختم ہو جانے کے بعد اگر چہ نکاح تو ٹوٹ جائے گا اور عورت آزاد ہو جائیگی مگر پھر بھی یہ گنجائش باقی رہے گی کہ اگر اب بھی دونوں میں مصالحت ہو جائے اور دونوں باہم نکاح کرنا چاہیں تو اسی وقت نیا نکاح ہوسکتا ہے ۔

اگر کوئی شخص عدت کے دوران مزید ایک طلاق دیدے تو تب بھی عدت کے دوران میں رجعت کا اختیار باقی رہتا ہے ۔ اور عدت ختم ہونے کے بعد طرفین کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے ۔ اس کے بعد اگر شوہر نے ایک مرتبہ بھی (یعنی

تیسری مرتبہ) طلاق دیدی تو معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگا ۔ اور شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح نہیں ہو سکے گا ۔ طلاق بھی ایک معاہدہ کا فسخ ہے ۔ جس طرح معاہدہ خوش دلی اور حسن سلوک کے ساتھ کیا جاتا ہے اسی طرح اگر معاہدہ فسخ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ بھی غصہ ، یا لڑائی جھگڑے کی بجائے حسن سلوک کے ساتھ کیا جائے (ماخوذ از معارف القرآن ۵۵۵ ۔ ۵۶۲ / ۱) ۔

خُلَع کا بیان

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دیکر پیچھا چھڑالے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں ۔

خِفْتُمْ : تمہیں خوف ہے ۔ تمہیں ڈر ہے ۔ خَوْفٌ سے ماضی ۔

جُنَاحَ : گناہ ۔ برائی ۔

اِفْتَدَتْ : اس عورت نے فدیہ دیا ۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا ۔ اِفْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول : اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مؤطا امام مالک ۔ مسند احمد ، ابوداؤ ، ابن جریر ، اور نسائی وغیرہ میں مختلف روایتیں آئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کی بیوی حبیبہ بنت سہل انصاریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی اور نہ ہی وہ میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے ۔ مگر میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے ۔ میں نے برقع اٹھا کر بہت سے لوگوں میں ان کو آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ فام اور پستہ قد اور بد صورت ثابت ہی نظر آئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تمہیں دیا ہے ۔ انہوں نے عرض کیا ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو بلا کر فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دیدو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ اسلام میں پہلا خلع تھا ۔ (ابن کثیر ۲۷۳ ، ۲۷۴ / ۱) ۔

تشریح : اگر میاں بیوی میں نا اتفاق بڑھ جائے اور ان کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ باہمی منافرت اور کدورت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ایسی صورت میں دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ کے طور پر کچھ مال دیکر اپنے خاوند سے نکاح کا تعلق ختم کرالے اور خاوند مال لیکر اس کو چھوڑ دے بشرطیکہ وہ مہر سے زیادہ نہ ہو ۔ کیونکہ اصل مقصد تو اصلاح احوال اور ازدواجی تعلقات کو بہتر بنانا ہے ۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو خلع کہتے ہیں ۔

اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے بلاوجہ خلع طلب کرے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی ، ابو داود ، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بلا وجہ طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷۳ / ۱) ۔

ائمہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت کے خیال میں خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نا فرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو ۔ اس وقت مرد فدیہ لیکر اس عورت کو الگ کرسکتا ہے ۔ جمہور علماء کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خاوند کو خلع والی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ۔ اس لئے کہ عورت نے اپنے آپ کو مال دیکر آزاد کرایا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷۶ /۱)

پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں ، ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں ۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ سراسر ظالم ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں ۔

تیسری طلاق اور حلالہ

۲۳۰ ۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ؕ

پھر اگر اس نے (تیسری) طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور (مرد) سے نکاح نہ کر لے ۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دیدے تو پہلے خاوند اور اس عورت پر باہم ملاپ کرنے پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ۔ وہ ان کو سمجھنے والوں کے لئے بیان کرتا ہے ۔

تشریح : قرآنی آیات سے ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ مواقع پر دی گئی ہوں یا ایک ساتھ دی گئی ہوں ۔ تمام صحابہ ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ دفعتاً یا علیحدہ علیحدہ ، وہ واقع ہو جائیں گی ۔

اس آیت میں تیسری طلاق کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر خاوند دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو اس عورت سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو جائیگا اور اس کے لئے حلالہ کے سوا رجعت یا نکاح جدید کا کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہے گا ۔ پھر اگر یہ عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کر لے اور وہ شخص خلوت کے بعد اس کو اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا فوت ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر سے جدید نکاح کر سکتی ہے ۔ بشرطیکہ دونوں کو گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھ سکیں گے ۔ یعنی حقوق زوجیت وغیرہ کی ادائیگی میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے ۔ غرض یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن سے تجاوز و انحراف جائز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان حدود واحکام کو ایسے لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ، تیسری طلاق سے زوجیت اور محبت کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے ۔

رجعت و انقطاع کے ضابطے

۲۳۱ ۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلاَ تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ج وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو ۔ اور ان کو ستانے کے لئے نہ روکے رکھو تاکہ ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ۔

فَبَلَغْنَ: پس وہ پہنچیں ۔

اَجَلَهُنَّ: ان عورتوں کا مقررہ وقت ۔

سَرِّحُوْهُنَّ: پس تم ان عورتوں کو رخصت کردو ۔ تم انکو چھوڑ دو ۔ تسریح سے امر

بِمَعْرُوْفٍ: بھلائی کے ساتھ ، نیکی کے ساتھ ، دستور کے مطابق ۔ عرفان ومعرفۃ سے اسم مفعول ۔

ضِرَارًا: ضرر پہنچانا ۔ تکلیف دینا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کسی عورت کو ایک طلاق دی جائے اور اس کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں ۔ ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور نکاح کا تعلق ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کردے ۔ دونوں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ اگر عورت کو رجعت کرکے نکاح میں رکھنا ہے تو قاعدے کے مطابق رکھا جائے اور اگر چھوڑنا ہے تو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑ ا جائے ۔ محض وقتی غصہ اور جذبات سے مغلوب ہو کر ایسا نہ کیا جائے اور نہ عورت کو قیدی بنا کر ستایا اور تکلیف دی جائے ۔

اگر رجعت کرنے کا ارادہ ہو تو اس پر دو معتبر مسلمانوں کو گواہ بنا لینا چاہئے جیسا کہ سورہ طلاق میں ہے ۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ (الطلاق ۲)

اور تم اپنے آدمیوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو ۔ پھر اگر گواہی کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو ۔

اگر چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پھر قاعدے کے مطابق عمل کریں جس کی کچھ تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ بلا کسی شرعی عذر کے ، عورت سے طلاق کے معاوضہ کے طور پر اپنا دیا ہوا سامان یا مہر یا کچھ اور معاوضہ طلب نہ کرو ۔

۲ ۔ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اس کو رخصت کرتے وقت ، تحفہ کے طور پر کچھ نقد رقم یا کم از کم کپڑے کا ایک جوڑا دینا چاہئے ۔

۳ ۔ عدت کے دنوں میں عورت کو اپنے گھر میں رہنے دے ، اس کا پورا خرچ برداشت کرے ۔ اگر خلوت ہو چکی تھی اور اب تک مہر ادا نہیں کیا تھا تو پورا مہر ادا کر دے اور اگر خلوت سے پہلے طلاق کا واقعہ پیش آگیا تو خوش دلی کے ساتھ آدھا مہر ادا کردے (معارف القرآن ۵۷۱ ، ۵۷۲ / ۱) ۔

احکامِ الٰہی کا مذاق

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسخرا پن نہ کرو اور تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (یہ احسان بھی یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب و حکمت نازل کی اور وہ تمہیں اس کے ذریعہ نصیحت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ۔

تَتَّخِذُوْا : تم بناؤ ۔ تم پکڑو ۔ تم کرو ۔ اِتِّخَاذٌ سے مضارع ۔

هُزُوًا : مسخرا پن ۔ مذاق ۔ ٹھٹھا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل تماشہ نہ بناؤ اور اس نے نکاح و طلاق کے لئے جو حدود اور شرائط مقرر کی ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ اگر کسی نے نکاح و طلاق کو مذاق میں بھی پورا کر دیا تو وہ نافذ ہو جائیں گے ۔ نیت نہ کرنے کا عذر قبول

نہیں کیا جائے گا ۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو ہنسی کے طور پر کرنا اور واقعی طور پر کرنا دونوں برابر ہیں ۔ (۱) طلاق ۔ (۲) غلام کو آزاد کرنا (۳) نکاح کرنا ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر بیوی کو طلاق دیکر آزاد کرنا ہی ہو تو باہمی نزاع اور ایک دوسرے کی حق تلفی اور ظلم سے بچنے بچانے کی نیت سے کرو ، غصہ کے انتقام یا بیوی کو ذلیل و رسوا کرنے یا تکلیف پہنچانے کی نیت سے نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں ، ارادوں اور دونوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے پوری طرح باخبر ہے ۔ (معارف القرآن ۵۷۳ ، ۵۷۴ / ۱) ۔

عدت کے بعد نکاح

۲۳۲ ۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو اب ان کو اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ دستور کے مطابق باہم راضی ہو جائیں ۔ یہ نصیحت تم میں سے اس کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے ۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور (اس کی مصلحت) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

تَعْضُلُوْهُنَّ : تم ان کو قید کرو ۔ تم ان کو روکو ۔ عَضْلٌ سے مضارع ۔

اَزْكٰى : بہت پاکیزہ ۔ بہت ستھرا ۔ زَكَاءٌ سے اسم تفضیل ۔

اَطْهَرُ : بہت پاکیزہ ۔ خوب پاک ۔ طَهَارَةٌ سے اسم تفضیل ۔

شانِ نزول : حضرت معقلؓ بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن جملاء بنت یسار کا نکاح ایک شخص (بداح بن عاصم بن عجلان) سے کر دیا تھا ۔ پھر اس نے اسے طلاق دیدی اور جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو وہ پھر پیغام لیکر آئے ۔ میں نے ان

سے کہا کہ میں نے تو اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا تھا اور تمہارا گھر بسا دیا تھا اور تمہارا اکرام کیا تھا پھر تم نے اس کو طلاق دیدی اور اب پھر پیغام لیکر آئے ہو ۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے پاس کبھی نہیں جائے گی ۔ اور اس آدمی میں کوئی برائی نہیں تھی اور وہ عورت بھی اس کے ہاں جانا چاہتی تھی ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب میں اس کو ضرور اس کی زوجیت میں دیدوں گا ۔ (مظہری بحوالہ بخاری ، ابوداؤد ، ترمذی ، ۳۱۶ / ۱) ۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی چچازاد بہن کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ کی بہن کو اسکے خاوند نے طلاق دیدی تھی اور جب اسکی عدت پوری ہو گئی تو اس کے خاوند نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا مگر حضرت جابرؓ نے انکار کر دیا ۔ ان واقعات پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۱۶ / ۱) ۔

تشریح : گزشتہ آیت میں عدت کے اندر ضرر پہنچانے کی ممانعت تھی ۔ اس آیت میں عدت گزرنے کے بعد ضرر پہنچانے کی ممانعت ہے ۔ عام طور پر پہلا شوہر بھی اپنی مطلقہ بیوی کو دوسرے شخص کے نکاح میں جانے سے روکتا اور اس کو اپنی عزت کے خلاف سمجھتا ہے ۔ بعض خاندانوں میں عورت کے اولیا (وارث) بھی اس کو دوسری شادی کرنے سے روکتے ہیں ۔ بعض اوقات مطلقہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہوجاتی ہے مگر عورت کے اولیاء اور رشتہ داروں کو طلاق کی بنا پر اس عورت سے ایک قسم کی عداوت ہوجاتی ہے اس لئے وہ اس عورت کے سابقہ شوہر سے نکاح میں مانع ہوتے ہیں ۔ عورت کو شرعی عذر کے بغیر اپنی مرضی کی شادی سے روکنا خواہ یہ سابقہ شوہر کی طرف سے ہو یا اس کے اولیا کی طرف سے ، دونوں صورتوں میں یہ بڑا ظلم ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس ظلم کا انسداد فرمایا ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور وہ عورت اپنی عدت پوری کر لے اور پھر وہ اپنے سابقہ شوہر یا کسی اور شخص سے نکاح کرنا چاہے تو تم اس کو کسی شرعی عذر کے بغیر نکاح سے نہ روکو ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ان احکامِ الٰہیہ کا پورا پورا پابند ہو اور جو لوگ ان احکام کی اتباع میں کوتاہی کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ ان کے ایمان میں خلل ہے ۔ (معارف القرآن ۵۷۵ ، ۵۷۶ / ۱) ۔

رضاعت کے احکام

۲۳۳۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؕ

اور ماؤں کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور جو شخص اپنے بچے کو (تین طلاق کے بعد بھی) اسی عورت سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اس پر دودھ پلا نیوالیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق لازم ہے ۔ کسی کو اس کی گنجائش (برادشت) سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے ۔ نہ تو ماں ہی کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے ۔ اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے ۔ پھر اگر وہ دونوں اپنی رضا مندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم نے جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے اس کو دستور کے مطابق دیدو ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھتا ہے ۔

يُرْضِعْنَ: وہ دودھ پلائیں گی ۔ اِرْضَاعٌ سے مضارع ۔

حَوْلَيْنِ: دو برس ۔ دو سال ۔

يُتِمَّ: تمام کرنا ۔ پورا کرنا ۔ اِتْمَامٌ سے مضارع بمعنی مصدر ۔

الرَّضَاعَةَ: دودھ پلانے کی مدت ۔

كِسْوَتُهُنَّ : ان عورتوں کا لباس ۔ ان کو کپڑا دینا ۔

تُكَلَّفُ : اسے تکلیف دی جاتی ہے ۔ اسے حکم دیا جاتا ہے ۔ تَكْلِيْفٌ سے مضارع مجہول ۔

فِصَالًا : بچہ کا دودھ چھڑانا ۔ باہم جدا ہونا ۔ مصدر ہے ۔

سَلَّمْتُمْ : تم نے سپرد کر دیا ، تم نے حوالہ کر دیا ۔ تَسْلِيْمٌ سے ماضی ۔

تشریح : طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے خاص طور پر جب عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کا ارادہ رکھتی ہو تو وہ بچے سے بے التفاتی کرتی ہے اور اس کو دودھ پلانے سے کتراتی ہے تاکہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو ۔ ادھر کبھی کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور ماں کو اس کے فراق میں تڑپائے ۔ چنانچہ اس آیت میں رضاعت کے چند احکام کا بیان ہے ۔

رضاعت کی ذمہ داری : بچہ کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے ۔ اگر کوئی عورت ضد یا ناراضگی کے سبب بچہ کو دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی ۔ جب تک عورت نکاح میں ہے وہ اپنے شوہر سے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ نہیں لے سکتی کیونکہ یہ اسکا فرض ہے ۔ باپ کے ذمہ جو نان نفقہ ہے وہی اس کے لئے کافی ہے ۔ مزید اجرت کا مطالبہ باپ کو ضرور پہنچانا ہے ۔ اگر طلاق کی عدت گزر چکی ہے اور نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے تو مطلقہ بیوی اپنے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ سے طلب کر سکتی ہے اور یہ معاوضہ باپ کو دینا پڑے گا ۔ نہ دینے میں ماں کا نقصان ہے ۔ البتہ ماں اتنا ہی معاوضہ طلب کر سکتی ہے جتنا کوئی دوسری عورت لیتی ہے بصورت دیگر باپ کو حق ہوگا کہ وہ اس کی بجائے کسی انا سے بچہ کو دودھ پلوائے ۔

رضاعت کی مدت : رضاعت کی مدت دو سال ہے ۔ جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو ، بچے کا حق ہے کہ اس کو دو سال تک دودھ پلایا جائے ۔ بعض قرآنی آیات اور احادیث کی بنا پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ڈھائی سال بھی دودھ پلادیا تو رضاعت کے احکام ثابت ہو جائیں گے ۔ اور اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے ایسا کیا گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا ۔ ڈھائی سال کے بعد بچہ کو ماں کا دودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے ۔

نان نفقہ کی ذمہ داری: اگر چہ بچہ کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے لیکن ماں کا نان نفقہ اور ضروریات زندگی اس وقت تک باپ کے ذمہ ہیں جب تک وہ عورت اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے ۔ طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ ختم ہو جائیگا ۔ صرف بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ کے ذمہ باقی رہے گا ۔

نفقہ کا معیار: اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ واجب ہوگا اور اگر دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہوگا ۔ اگر دونوں کی حالت مختلف ہو تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے ۔ بعض کے نزدیک اگر عورت غریب اور مرد مالدار ہو تو اس کا نفقہ درمیانی حیثیت کا دیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا واللہ اعلم ۔

رضاعت کے لیئے ماں کو مجبور کرنا: اگر ماں کسی عذر یا ضرورت کے سبب بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کرے تو باپ کو اسے مجبور کرنا جائز نہیں ۔ اگر بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ نہ پیئے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا ۔

یتیم کی رضاعت: اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچہ کو دودھ پلانے کا انتظام اس شخص کے ذمہ ہے جو بچہ کا جائز وارث ہو یعنی اگر بچہ مر جائے تو جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے وہی باپ نہ ہونے کی صورت میں اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے ۔ اگر ایسے وارث ایک سے زیادہ ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث اس کی ذمہ داری عائد ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک دودھ چھڑانے کے بعد بھی نا بالغ بچے کا خرچہ وارثوں کے ذمہ ہوگا ۔ کیونکہ اس آیت کی رو سے دودھ کی کوئی خصوصیت نہیں اصل مقصد بچے کا گزارہ ہے ۔ اگر یتیم بچے کی ماں اور دادا زندہ ہیں تو یہ دونوں اس بچے کے وارث ہیں اس لیئے اس کا نفقہ ان دونوں پر بقدر میراث عائد ہوگا ۔ یعنی ایک تہائی خرچہ ماں کے ذمہ اور دو تہائی دادا کے ذمہ ہوگا ۔

دودھ چھڑانا: ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے ماں کی معذوری یا بچے کی کسی بیماری کے سبب بچے کا دودھ دو سال سے کم مدت میں بھی چھڑا سکتے ہیں ۔ اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں ۔

انّا سے دودھ پلوانا: ضرورت کے تحت ماں کی بجائے کسی انّا کا دودھ پلوانے

میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ دودھ پلانے والی کو دودھ پلانے سے پہلے جو اجرت طے کی گئی تھی ، وہ پوری کی پوری ادا کی جائے ۔ اگر دودھ پلانے والی کو مقررہ اجرت ادا نہ کی گئی تو اس کا گناہ ان کے ذمہ رہے گا ۔

آخر میں فرمایا کہ ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے اور چھپے اور ظاہر و غائب کو پوری طرح دیکھ رہا ہے اور وہ تمہارے دلوں کے مخفی ارادوں اور نیتوں سے باخبر ہے ۔ اگر کسی فریق نے دودھ پلانے یا چھڑانے کے مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کی یا بچہ کی مصلحت کو نظر انداز کر کے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا تو وہ سزا کا مستحق ہوگا ۔ (معارف القرآن ۵۸۰ ۔ ۵۸۳ / ۱) ۔

عدت کے مزید احکام

۲۳۴ ، ۲۳۵۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۔

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں یعنی چار مہینے دس دن کی عدت پوری کریں ۔ پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم (وارثوں) پر اس کام میں جو وہ اپنے لئے دستور کے مطابق کر لیں کوئی گناہ نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے با خبر ہے ۔ اور تم پر اس میں بھی کچھ گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے اشارتاً کوئی بات کہو یا (اس کو) اپنے دل میں پوشیدہ رکھو ۔ اللہ

تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا تذکرہ کرو گے ۔ لیکن خفیہ طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو ۔ ہاں اگر دستور کے مطابق کوئی بات کہو (تو حرج نہیں) ۔ جب تک مقررہ مدت (عدت) پوری نہ ہو جائے تم اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے

یَذَرُوْنَ : وہ چھوڑتے ہیں ۔ وَذْرٌ سے مضارع ۔

یَتَرَبَّصْنَ : وہ (مطلقہ عورتیں) انتظار کریں ۔ وہ روکے رکھیں ۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع

عَرَّضْتُمْ : تم نے اشارتاً کہا ۔ تَعْرِیْضٌ سے ماضی ۔

خِطْبَۃِ : نکاح کی بات چیت ۔ نکاح کا پیغام ۔ منگنی ۔ مصدر ہے ۔

اَکْنَنْتُمْ : تم نے دل میں پوشیدہ رکھا ۔ اِکْنَانٌ سے ماضی ۔

تُوَاعِدُوْھُنَّ : تم ان عورتوں سے وعدہ کرو ۔ مُوَاعَدَۃٌ سے مضارع ۔

فَاحْذَرُوْہُ : پس تم اس سے بچو ۔ پس تم اس سے ڈرو ۔ حَذْرٌ سے امر ۔

تشریح : اس سے پہلی آیتوں میں طلاق کی عدت اور بچوں کی رضاعت کا بیان تھا ۔ ان آیتوں میں وفات کی عدت کا بیان ہے کہ جو لوگ بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں تو ان کی بیویوں کو چار مہینے اور دس روز تک عدت پوری کرنی چاہیئے ۔ اس عرصہ میں نہ تو وہ نکاح کریں ، نہ بلا ضرورت گھر سے باہر نکلیں خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا اور نہ زیب و زینت اختیار کریں ۔ مثلاً خوشبو لگانا ۔ سرمہ ، مہندی ، خوشبو کا تیل لگانا ، ریشمی کپڑے پہننا ، رنگین کپڑے پہننا وغیرہ عدت کے دوران یہ سب منع ہیں ۔ عدت ختم ہونے پر یہ چیزیں ان کے لئے جائز ہیں ۔ (حقانی ۵۹۱ / ۱) ۔

عدّتِ وفات کی مدت : اگر خاوند کی وفات چاند رات کو ہوئی ہو تو عدت کے مہینے خواہ تیس کے ہوں یا انتیس کے سب ، چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے اگر خاوند کی وفات چاند کے بعد ہوئی تو تمام مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے ۔ اسطرح کل ۱۳۰ دن پورے کرنا ہوں گے ۔ جب عدت گزر کر خاوند کی وفات کا وہی وقت آئے گا تو عدت ختم ہو جائیگی ۔ (معارف القرآن ۵۸۵ / ۱) ۔

عدت میں پیغامِ نکاح : یہاں بھی بتایا گیا ہے کہ عدت کے اندر نکاح، نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں البتہ جس طرح عدت گزرنے کے بعد نکاح میں کوئی گناہ نہیں، اسی طرح اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ عدتِ وفات کے اندر نکاح کااشارہ یا کنایہ کرو۔ مثلاً یہ کہو کہ مجھے ایک نیک عورت کی ضرورت ہے۔ یا نکاح کے خیال کو دل میں بالکل چھپائے رکھو اور کسی طرح اس کا ذکر نہ کرو، نہ صراحتاً اور نہ کنایۃً۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم عدت کے بعد ان سے صراحتاً اس کا ذکر کروگے اور بغیر ذکر کے تم صبر نہ کرسکو گے اس لئے تمہیں اشارہ اور کنایہ کی اجازت دی گئی ہے پس تم اجازت سے آگے نہ بڑھو۔

طلاق اور مہر

۲۳۶، ۲۳۷۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۝ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو (ہاں اس صورت میں) ان کو کچھ سامان دینا چاہیئے۔ وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ یہ سلوک دستور کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اور یہ نیک لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی اور تم نے مہر بھی مقرر کر لیا تھا تو تم پر مہر میں سے آدھا دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے کہ جس کے اختیار میں نکاح کا باندھنا تھا۔ اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو۔ جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

تَفْرِضُوا: تم فرض کرو ۔ تم مقرر کرو ۔ فَرْضٌ سے مضارع ۔

مُوْسِعِ: وسعت والا ۔ مالدار ۔، اِیْسَاعٌ سے اسم فاعل ۔

مُقْتِرِ: تنگدست ۔ نادار ، محتاج ، اِقْتَارٌ سے اسم فاعل ۔

تَنْسَوُا: تم بھول جاؤ ۔ تم فراموش کردو ، نِسْیَانٌ سے مضارع ۔

فَضْلَ: مہربانی ۔ احسان ۔

تشریح: مہر اور خلوت کے اعتبار سے طلاق کی چار صورتیں ہیں ۔

(۱) مہر بھی مقرر ہو اور طلاق سے پہلے خلوت بھی ہوئی ہو ۔ یہ حکم پہلے بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہئے ۔ اور تنگ کر کے ان سے کچھ واپس نہیں لینا چاہئے ۔ ان عورتوں کی عدت تین حیض ہے ۔

۲) مہر مقرر نہ کیا ہو اور دخول کے بعد طلاق دیدی ہو ۔ اس صورت میں مہر مثل پورا دینا ہوگا یعنی وہ مہر جو اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے ۔ اس کا بیان قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر آیا ہے ۔

۳ : نہ مہر مقرر ہوا ہو اور نہ خلوت کی نوبت آئی ہو بلکہ صرف نکاح کر کے طلاق دیدی ہو ۔ ایسی عورتوں کے لئے مہر نہیں بلکہ دستور کے مطابق ان کو خرچ دینا ہے جو کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا ہے اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر ہے ۔ قرآنِ کریم نے اس عطیہ کی مقدار مقرر نہیں کی البتہ یہ بتا دیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے ۔ اس کا بیان پہلی آیت میں (۲۳۶) میں ہے ۔ اس میں عدت لازم نہیں آتی ۔

۴ : مہر تو مقرر ہوا مگر خلوت نہیں ہوئی ۔ یہ حکم دوسری آیت (۲۳۷) میں آیا ہے کہ ایسی عورتوں کو نصف مہر دیا جائے ۔ البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا مہر ادا کر دے تو یہ اختیاری بات ہے ۔ اس صورت میں بھی عدت لازم نہیں آتی۔

(معارف القرآن ۵۸۷، ۵۸۸ / ۱) ۔

نماز کی حفاظت

۲۳۸ ۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ط

نمازوں کی حفاظت کیا کرو اور (خاص کر) بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی سے کھڑے ہوا کرو ۔

تشریح : اس آیت میں اکثر علماء کے نزدیک درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دن کی دو نمازیں فجر اور ظہر ہیں اور ایک طرف رات کی دو نمازیں مغرب اور عشاء ہیں ۔ اس نماز کی حفاظت کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ اکثر لوگوں کے لئے یہ وقت کام کی مصروفیت کا ہوتا ہے ۔ اس لئے اس کے فوت ہونے کا امکان زیادہ ہے ۔ اسی لئے فرمایا کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور بیچ کی نماز کی محافظت خاص طور پر کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے ہوا کرو اور نماز کے دوران آپس میں اشارے اور باتیں نہ کیا کرو ۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ، دوسرے اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی آپس میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے ۔ (حقانی ۵۹۴ / ۱ ، معارف القرآن ۵۸۹ / ۱) ۔

نمازِ خوف

۲۳۹ ۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر تمہیں (دشمن کا) اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لیا کرو) پھر جب تم امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کو (اس طرح سے) یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے ۔ جسے تم نہیں جانتے تھے ۔

رِجَالًا : پیدل ۔ کھڑے کھڑے ۔

رُكْبَانًا : سوار ۔

تشریح : اس آیت میں نماز خوف کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ اگر دشمن سے مقابلہ کے وقت تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں گے تو کہیں دشمن ہم پر حملہ نہ کردے تو تم رکوع و سجود اور سمتِ کعبہ کا لحاظ کئے بغیر خواہ سوار ہو یا پیدل ہر حال میں نماز پڑھو ۔ پھر جب امن ہو تو اسی طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے ۔ صلوٰۃ خوف کا وہ طریقہ جو سورۂ نساء کی آیت وَ اِذَا كُنْتَ

فیھم (نساء آیت ۱۰۲) میں بیان ہوا ہے وہ اس طریقہ کے علاوہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے ۔

بیوہ کی سکونت کے لئے وصیت

۲۴۰ ۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً ۚ لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویوں کو چھوڑ جائیں تو ان کو اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کے خرچ کی وصیت کرنی چاہئے (اور یہ کہ اس مدت میں ان کو گھر سے) نہ نکالا جائے ۔ پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو جو وہ اپنے لئے دستور کے مطابق کر لیں اس بارے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

یَذَرُوْنَ : وہ چھوڑتے ہیں ۔ وہ کرتے ہیں ۔ وذر سے مضارع ۔

حَوْل : ایک برس ۔ ایک سال ۔

تشریح : جمہور مفسرین کے مطابق اسلام کے ابتدائی زمانے میں خاوند کی وفات پر عورت کی عدت ایک سال مقرر تھی ۔ اس وقت میراث میں بھی عورت کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا ۔ اس لئے اسلام نے اس مدت کو کم کر کے چار مہینے دس دن کر دیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ اور مرد کے لئے حکم تھا کہ مرتے وقت اپنی بیوی کے لئے سال بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے یعنی بیوہ ایک سال تک اس مکان میں رہے اور سال بھر اس کو نان و نفقہ ملتا رہے اور اس عرصہ میں اس کو گھر سے نہ نکالا جائے اگر عدت پوری ہونے کے بعد (چار ماہ دس دن) یا وضع حمل کے بعد عورت خود ہی کسی ضرورت کے تحت سال بھر سے پہلے خاوند کا گھر چھوڑنا چاہے تو عورت کو اس کی اجازت تھی البتہ عدت کے اندر گھر چھوڑنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا ۔ یہ بھی اجازت تھی کہ عورت کے گھر سے چلے جانے کے بعد اگر وارث چاہیں تو عورت کا خرچ بند کر سکتے ہیں ۔ پھر آیت میراث نازل ہونے کے بعد جب بیوہ کا آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر ہو گیا تو سال بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کی ضرورت نہ رہی ۔

مطلقہ کے مزید احکام

۲۴۱ ، ۲۴۲ - وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؕ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو قاعدے کے مطابق خرچ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۔

تشریح : مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم اس سے پہلے آچکا ہے مگر وہ صرف دو قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے تھا ۔ ایک تو وہ عورتیں جن کا مہر تو مقرر ہوا ہو مگر خلوت سے پہلے طلاق ہو گئی ۔ ایسی عورتوں کو آدھا مہر دیکر فائدہ پہنچایا گیا ۔ دوسرے وہ عورتیں جن کا مہر مقرر ہوا اور نہ خلوت ہوئی بلکہ نکاح کے بعد طلاق ہو گئی ۔ ایسی عورتوں کو دستور کے مطابق خرچہ دیکر فائدہ پہنچایا گیا جو کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ آدھا مہر ہے ۔

اب وہ طلاق والیاں رہ گئیں جن کو خلوت کے بعد طلاق دی جائے ۔ ان میں سے جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دیا جائے ۔ اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جائے اس کے لئے مہر مثل واجب ہے یعنی وہ مہر جو اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے ۔

موت سے فرار

۲۴۳ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو ہزاروں میں ہوتے ہوئے بھی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ (تو وہ مرگئے) پھر ان کو زندہ کر دیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے ۔

اُلُوفٌ : ہزاروں ۔ واحد اَلفٌ ۔

حَذَرَ : ڈرنا ۔ خوف کھانا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت تقدیرِ الٰہیٰ کے تابع ہیں ۔ جہاد موت کا سبب نہیں اور نہ حیلے بہانے کر کے جہاد سے کترانا موت سے بچنے کا ذریعہ ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد ایک شہر میں رہتی تھی ۔ وہاں سخت طاعون پھیلا یہ لوگ اس سے گھبرا گئے اور موت کے خوف سے اس شہر کو چھوڑ کر دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک وسیع ، چٹیل اور کھلے میدان میں جا کر مقیم ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دوسری قوموں پر واضح کرنے کے لئے کہ کوئی شخص نقل مکانی کر کے اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا ، دو فرشتے بھیجے جو میدان کے دونوں سروں پر آکر کھڑے ہوگئے ۔ پھر انہوں نے کوئی ایسی آواز دی جس سے وہ سب بیک وقت مر گئے ۔ قرب وجوار کے لوگوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کے گرد احاطہ کھینچ دیا کیونکہ ہزاروں لوگوں کے کفن دفن کا انتظام آسان نہ تھا ۔ پھر ان کی لاشیں گل سڑ گئیں اور ہڈیاں چونا ہو گئیں ایک طویل زمانے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر جن کا نام حزقیل تھا اس جگہ سے گزرے اور ہزاروں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے دیکھ کر حیران ہوئے ۔ پھر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں کا پورا واقعہ بتادیا ۔ حضرت حزقیل نے اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کو زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ان کو حکم دیا کہ تم یہ کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ ۔ چنانچہ ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب تم آواز دو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست ، رگیں پٹھے بھی جوڑ لو ۔ چنانچہ حضرت حزقیل کے سامنے یہ بھی ہو گیا ۔ پھر آواز لگائی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اپنے قدیم جسم میں آ جائے ۔ پس سب لوگ جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ زندہ ہو گئے اور ان کی زبان سے نکلا سُبحَانَکَ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اَنتَ ۔ (اے خدا تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں) ۔ یہ واقعہ ، قیامت کے روز اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کی دلیل ہے ۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا فضل و کرم ہے

کہ وہ ان کو اپنی قدرت کاملہ کی زبردست اور ٹھوس نشانیاں دکھاتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ناقدرے اور ناشکرے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۹۸ / ۱ ، معارف القرآن ۵۹۳ / ۱) ۔

اس آیت میں چند احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

(۱) تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی ۔ اس لئے جہاد یا طاعون وغیرہ سے بھاگ کر جان نہیں بچائی جاسکتی ۔ اور نہ جہاد میں شرکت یا طاعون کی جگہ قیام کرنا موت کا باعث ہے بلکہ موت کا ایک وقت معین ہے ۔ نہ اس میں تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر ۔

(۲) اگر کسی شہر میں کوئی وبائی مرض طاعون وغیرہ پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ نہیں جانا چاہئے ۔ حدیث میں آیا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی وبا کی جگہ جانا مناسب نہیں ۔ پس نہ کسی جگہ جانا موت کا سبب ہے اور نہ کہیں سے بھاگنا نجات کا سبب ہے ۔

(۳) موت سے ڈر کر جہاد سے بھاگنا حرام ہے ۔ یہ مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۸ میں زیادہ وضاحت سے آیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَاقُتِلُوْا ط قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

جو لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوئے وہ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہونے والوں کے بارے میں دوسرے لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری بات مان لیتے (جہاد میں شرکت نہ کرتے) تو قتل نہ ہوتے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر موت سے بچنا تمہارے اختیار میں ہے تو تم اوروں کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر کرو ۔ (تمہیں گھر بیٹھے بٹھائے بھی موت آ جائیگی) اگر تم سچے ہو (معارف القرآن ۵۹۵ ۔ ۵۹۹ / ۱) ۔

قتال فی سبیل اللہ

۲۴۴ ۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؁

اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو اور اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نیک نیتی اور خلوص دل سے اس کی راہ میں قتال کرو ۔ اس قتال سے خونریزی اور بنی نوع انسان کا قتل کرانا مقصود نہیں بلکہ اس دین کی حفاظت اور اس کی اشاعت کی راہ میں پیش آنیوالی رکاوٹوں کا قلع قمع کرنا ہے ۔ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے کیونکہ موت اور رزق دونوں مقرر ہو چکے ہیں ۔ رزق نہ بڑھے گا نہ گھٹے گا ۔ اسی طرح موت نہ پہلے آئے گی نہ پیچھے ہٹے گی ۔

قرضِ حسن

۲۴۵ ۔ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پھر اسکو بڑھا کر دو گنا بلکہ کئی گنا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

قَرْضًا حَسَنًا ۔ قرضِ حسن ۔ ایسا قرض جس کے بعد مقروض کو تنگ نہ کیا جائے ، نہ احسان جتایا جائے ، نہ بدلہ لیا جائے اور نہ مقروض کو حقیر سمجھا جائے دین کی کسی مد میں خرچ ہونیوالی رقم بھی قرض حسن کہلاتی ہے ۔ یہاں جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے ۔ جہاد میں خرچ کیا ہوا مال آخرت میں کئی گنا زیادہ ہو کر واپس ملتا ہے اس لئے قرآنِ کریم نے اس کو قرضِ حسن قرار دیا ۔

فَيُضٰعِفَهٗ : پس وہ اس کو دوگنا کر دے گا ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع ۔

يَقْبِضُ : وہ (اللہ تعالیٰ) بند کرتا ہے ۔ وہ تنگی کرتا ہے ۔ وہ کمی کرتا ہے ۔ قَبْضٌ سے مضارع ۔

يَبْصُۜطُ : وہ کشادہ کرتا ہے ۔ وہ پھیلاتا ہے ۔

تشریح : دشمن سے لڑائی بلا سامانِ حرب و ضرب ممکن نہیں اور سامانِ حرب کے لئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر مال خرچ کرنے کی نہایت عمدہ طریقہ سے ترغیب دی اور فرمایا کہ ہے کوئی جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ

وہ اس کے بدلے دنیا و آخرت میں اس کو کئی گنا کر کے (واپس) عنایت فرمادے ۔ اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے ۔ اس کو کسی قسم کی حاجت وضرورت نہیں ۔ وہ غنی و حمید ہے ۔ اس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں ۔ وہی بندوں کو فراخدستی اور تنگدستی دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں خرچ کرنے کو یہاں استعارہ کے طور پر قرض دینے سے تعبیر کیا جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا اطمینان اور نفع کا باعث ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا ہوا مال بھی رائیگاں نہیں جاتا ۔ وہ کئی گنا نفع کے ساتھ واپس ملتا ہے وہی اس کا ضامن ہے ۔ گویا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی دولت ہمیشہ باقی رہے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی اس کی فراخدستی کو تنگدستی میں تبدیل کرسکتا ہے ۔ (حقانی ۵۹۷، ۵۹۸ /۱) ۔

حضرت طالوت کا واقعہ

۲۴۶ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ؕ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جنہوں نے (حضرت) موسیٰ کے بعد اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم (اس کی سرپرستی میں) اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں ۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم نہ لڑو ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے اور اپنے بال بچوں سے نکالا جا چکا ہے ۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہو گیا تو چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔

اَلْمَلَاِ: سرداروں کی جماعت ۔

تَوَلَّوْا: انہوں نے منہ موڑا ۔ انہوں نے پیٹھ پھیری ۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی ۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل رفتہ رفتہ احکامِ توریت سے دور ہوتے گئے ۔ اور شرک و بدعت میں پڑ گئے تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو جو ان کے دشمن تھے ان پر مسلط کر دیا ۔ جالوت نے جو کافر بادشاہ تھا بنی اسرائیل کو مار بھگایا اور ان کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا ۔ بنی اسرائیل دشمن کے حملوں سے گھبرا کر بیت المقدس میں جمع ہوگئے ۔ غالباً یہ شموئیل نبی کا زمانہ تھا ۔ نبی اسرائیل نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر سکیں ۔ ان کے نبی نے کہا کہ تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد فرض ہو گیا تو تم بادشاہ کے ساتھ ہو کر جہاد کروگے ۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا ملک چھین لیا گیا ، ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے گئے تو کیا پھر بھی ہم مرنے مارنے سے ڈریں گے ۔ پھر جب انہوں نے جہاد پر اپنی پختگی اور آمادگی کا یقین دلایا اور ان کے اصرار کے بعد ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب پیٹھ دکھا گئے اور وہ چند آدمی وہ تھے جو نہر سے پار اترے جس کا بیان آگے آئے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔ (حقانی ۱/۶۱ ، ابن کثیر ۱/۳۰۰) ۔

بادشاہ کا تقرر

۲۴۷ - وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؕ

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہاری درخواست کے مطابق) تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ۔ وہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے اوپر

کیسے بادشاہ ہو سکتا ہے حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ۔ ان کے نبی نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر سرداری کے لئے مقرر کیا ہے اور علم و صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے ۔

اِصْطَفٰهُ : اس نے اسکو پسند کر لیا ۔ اس نے اسکو منتخب کر لیا ۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی ۔

بَسْطَةً : کشادگی ۔ وسعت ۔ پھیلاؤ ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : ظلم اور معصیت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے ۔ ظلم و ستم کی اصل جڑ نبی پر اعتراض کرنا ہے ۔ جس نے نبی کی بات کو بے چون و چراں قبول کر لیا اس نے اپنی جان پر رحم کیا اور جس نے نبی کی بات پر اعتراض کیا اس نے اپنی جان پر ظلم عظیم کیا چنانچہ جس وقت بنی اسرائیل کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر فرمایا ہے تو انہوں نے اعتراضات شروع کر دئے اور کہنے لگے کہ طالوت کو ہم پر بادشاہت کا کیا حق ہے ۔ وہ تو غریب آدمی ہے اور اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا ، ہم تو دولت مند ، شاہی خاندان اور یہودا کی اولاد سے ہیں ۔ لہذا سلطنت اور بادشاہت کے ہم اس سے زیادہ مستحق ہیں ۔ ان کے نبی نے جواب دیا کہ یہ تقرر میری رائے سے نہیں جس کے بارے میں میں دوبارہ غور کرسکوں ، یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہاری بھلائی اور نفع کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ظاہر ہے جس کو سلطنت کے لئے اللہ تعالیٰ پسند فرمالے اس سے بڑھکر کوئی شخص سلطنت اور حکمرانی کا اہل نہیں ہو سکتا ۔ سلطنت اور بادشاہت کا دارومدار حسب ونسب اور مال و دولت پر نہیں بلکہ فہم و فراست اور قوت و شجاعت پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو یہ دونوں چیزیں عطا فرمائی ہیں ۔ وہ مالک مطلق ہے اس کی عطا کے لئے اہلیت و قابلیت شرط نہیں بلکہ وہ جس کو چاہے بادشاہت عطا فرمادے ۔ اگر کسی شخص میں بادشاہت کی ذرا بھی اہلیت نہیں تو وہ قادر مطلق ہے اس لئے وہ اہلیت بھی عطا فرمادیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ بڑے وسیع علم والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون بادشاہت کے لائق ہے اور کون اس کا اہل نہیں ۔ (حقانی ۶۰۲ / ۱ ، ابن کثیر ۳۰۱ / ۱) ۔

تابوتِ سکینہ

۲۴۸ - وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی۔ اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بیشک اس میں تمہارے واسطے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اَلتَّابُوْتُ: صندوق۔ اس سے وہ صندوق مراد ہے جو بنی اسرائیل میں چلا آتا تھا اور جس میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کے تبرکات تھے۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو جنگ کے دوران آگے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کو فتح دے دیتا تھا۔

سَكِيْنَةٌ: تسکین۔ اطمینان، راحت۔

تشریح: آخر ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمیں طالوت کی بادشاہت اور ان کے برگزیدہ ہونے کی کوئی نشانی بتایئے جسے دیکھ کر ہمیں ان کی بادشاہت کا یقین آ جائے اور دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ نبی نے فرمایا کہ تحقیق طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ کسی ظاہری سبب کے بغیر وہ صندوق تمہارے پاس آ جائے گا جو تم سے چھن گیا تھا۔ اس صندوق میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے خاندان کے کچھ تبرکات بھی ہوں گے جن کا مل جانا تمہارے لئے باعث خیر و برکت اور سکون قلب ہوگا۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے اور طالوت کے سامنے لا کر رکھدیں گے۔ صندوق کا اس طرح آنا طالوت کی بادشاہت اور میری نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ پھر جب فرشتوں نے صندوق لا کر طالوت کے سامنے رکھدیا تو بنی اسرائیل خوش ہوگئے۔ اور ان کو بادشاہ مان لیا اور سب جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی آزمائش

۲۴۹ - فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

پھر جب طالوت فوجوں سمیت روانہ ہوا تو طالوت نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمائے گا ۔ پھر جس نے اس کا پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو کوئی اس کو نہ چکھے گا تو وہ میرا ہے ، ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا (تو کچھ مضائقہ نہیں) پھر ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے پی لیا ۔ جب طالوت اور جو ایمان والے اس کے ساتھ رہ گئے تھے اس (نہر) سے پار ہو گئے تو وہ کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں اور جن کو یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں کہنے لگے کہ اکثر تھوڑی سی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگئی ۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

فَصَلَ : وہ جدا ہوا ۔ وہ باہر نکلا ۔ فَصْلٌ و فُصُوْلٌ سے ماضی ۔

مُبْتَلِيْكُمْ : تمہارا امتحان لینے والا ۔ تمہیں آزمانے والا ۔ اِبْتِلَاءٌ سے اسم فاعل ۔

اغْتَرَفَ : اس نے چلو بھر لیا ۔ اِغْتِرَافٌ سے ماضی ۔

جَاوَزَهٗ : وہ اس کے پار اترا ۔ مُجَاوَزَةٌ سے ماضی ۔

فِئَةٍ : گروہ ۔ چھوٹی جماعت ۔

تشریح : جب طالوت جہاد کے لئے شہر سے باہر نکلا تو اس نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارے صبر و تحمل کو آزمائے گا ۔ پس جو شخص

اس نہر سے سیر ہو کر پانی پئے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور جو اس کو چکھے گا بھی نہیں وہ بلا شبہ میرے ساتھیوں میں سے ہوگا ۔ البتہ جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے تو وہ بھی میرے گروہ سے خارج نہیں ہوگا ۔ پس جب وہ لوگ اس نہر پر پہنچے تو پیاس کی شدت کی وجہ سے ، سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے جن کے تعداد ۳۱۳ تھی سب نے اس نہر سے بے تحاشا پانی پی لیا ۔ (جنگ بدر کے موقع پر بیرَ سقیا پہنچکر آپؐ نے قیسؓ بن صعصعہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا ۔ قیس نے سب لوگوں کی گنتی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ سب ۳۱۳ ہیں ۔ آپؐ یہ سنکر خوش ہوئے اور فرمایا کہ طالوت کے ساتھ بھی لوگوں کی اتنی ہی تعداد تھی ۔(مظہری ۱۵ / ۴) ۔ جن لوگوں نے چلو سے پانی پیا ان کی پیاس بھی بجھ گئی اور ان کا دل بھی قوی ہو گیا اور جن لوگوں نے زیادہ پانی پیا وہ بزدل ہوگئے ، نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہوسکتے ۔ جب طالوت اور ان کے ساتھیوں نے نہر سے پار ہو کر دیکھا کہ وہ ایک مختصر سی جماعت ہے اور جالوت کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے تو ان میں سے بعض ضعیف القلب لوگ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہیں کیونکہ دشمن کی طاقت بہت ہے اور ہماری جماعت بہت قلیل ہے البتہ ان میں سے باہمت لوگوں کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بر حق ہے ۔ انہوں نے کمزور دل والوں کو ہمت دلائی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں ، فتح و نصرت کا مدار قلت و کثرت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آتی رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا ۔

دعاء استقامت

۲۵۰ - وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں صبر و استقلال ڈالدے اور ہمارے پاؤں جمادے اور ہمیں کافروں کی قوم پر غالب کر ۔

بَرَزُوْا : وہ سب نکلے ۔ بُرُوْزٌ سے ماضی ۔

اَفۡرِغۡ : تو ڈالدے ۔ اِفۡرَاغٌ سے امر ۔

تشریح : جب طالوت اور اس کے ساتھی جالوت کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو انہوں نے اپنی ہمت و شجاعت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر و ہمت عطا فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہمیں ثابت قدم رکھ ، ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح سے ہمکنار کر ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کو فتح سے ہمکنار کیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے اس مٹھی بھر جماعت نے جالوت کے ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیا ۔

جالوت کی شکست

۲۵۱ ۔ فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ

پھر انہوں نے ان (جالوت کے لشکر) کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض کو پست نہ کرتا رہے تو ملک تباہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ تو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے ۔

فَهَزَمُوۡهُمۡ : پس انہوں نے ان کو شکست دی ۔ هَزۡمٌ سے ماضی ۔

حِكۡمَةٌ : حکمت ، دانائی ، یہاں نبوت مراد ہے ۔

تشریح : طالوت اور ان کے ساتھیوں کے صبر و تحمل اور اللہ تعالیٰ پر ان کے اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی اس مختصر سی جماعت نے اللہ تعالیٰ کی تائید سے جالوت کی فوجوں کو شکست دی ۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جو اس وقت طالوت کے لشکر میں شامل تھے اور ان کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی ، جالوت کو قتل کر ڈالا ۔ طالوت نے خوش ہو کر اپنی بیٹی سے حضرت داؤد کا نکاح کر دیا ۔ پھر طالوت کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو سلطنت اور علم و حکمت یعنی نبوت عطا

فرمادی ۔ اور ان کو خوش آوازی عطا کی ، پرندوں اور چیونٹیوں کی بولی سکھائی ، آلات کے بغیر زرہ بنانا سکھایا اور ان کے لئے لوہے کو موم کی مانند نرم کر دیا ۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے اس کی مزدوری سے کھاتے تھے ۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے شر و فساد کو اپنے بعض خاص بندوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے اور کفر و شرک غالب آ جائے اور کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا باقی نہ رہے مگر اس نے جہاد فرض کر کے لوگوں پر بڑا فضل فرمایا تاکہ کفر کا فتنہ و فساد دفع ہو ۔ (حقانی ۶۰۳ / ۱ ، ابن کثیر ۳۰۳ / ۱) ۔

رسالتِ محمدی کا اثبات

۲۵۲ ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھکر سناتے ہیں اور بیشک آپ بھی رسولوں میں سے ہیں ۔

تشریح : یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ۔ ان واقعات کو جس طرح اہل کتاب بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ۔ بلکہ ان کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے یہ اسی طرح حق اور صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ ایسے قدیم واقعات کا کسی سے پڑھے اور سنے بغیر صحیح صحیح بیان کر دینا وحی خداوندی کے بغیر ممکن نہیں ۔ اس لئے آپ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں جنکو اس نے اپنے دشمنوں سے جہاد کا حکم دیا اور بے سروسامانی کے باوجود کافروں کے بڑے بڑے لشکروں کو اپنے مخلص بندوں کے ہاتھوں تہ و بالا کرادیا ۔

رسولوں کے درجات

۲۵۳ ۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ کَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ

مَایُرِیۡدُ ؁

یہ سب رسول ہیں ۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند کئے ۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے معجزات عطا کئے اور ہم نے روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) سے ان کو قوت دی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد والے اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے مگر پھر بھی انہوں نے (آپس میں) اختلاف کیا ۔ پھر ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے کفر کیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے ۔

ربطِ آیات : اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طالوت و جالوت اور ان کے باہمی مقابلہ اور ایمانداروں کے استقلال و ثابت قدمی کا ذکر کر کے جہاد کا مقصد بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے ۔ اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو تباہ و ویران کردیں ۔ یہ انبیاء کا معمول ہے ، اس لئے آپؐ پر یہ اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں ۔ آپؐ بھی انہی رسولوں میں سے ہیں جو یہ کام کرتے آئے ہیں ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام شر و فساد دفع کرنے والے ہیں اور یہ درجات میں مختلف ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ، پھر حضرت شموئیل ، حضرت داؤد ، حضرت الیاس ، حضرت الخمیاہ ، حضرت ئرمیاہ اور حضرت دانیال وغیرہ پیغمبر ہیں ۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو کھلے معجزات عطا کئے گئے اور روح القدس (حضرت جبرائیل) کے ذریعہ ان کو مدد دی گئی ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ بھی رسولِ برحق ہیں ، باوجود یکہ آپؐ اُمّی ہیں ، نہ آپؐ نے توریت کو دیکھا اور نہ انجیل کو پھر بھی آپؐ کا بنی اسرائیل کے واقعات کی صحیح تفصیلات و جزئیات بیان کرنا ، ظاہر کرتا ہے کہ یہ آپؐ کا کام نہیں بلکہ ہم ہی آپؐ کو یہ باتیں حضرت جبرائیل کے ذریعہ بتاتے ہیں ۔ گزشتہ زمانوں میں حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین کو بھی بنی اسرائیل کے سرکشوں اور گمراہوں نے نہ مانا ۔ پھر انہوں نے حضرت

عیسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر انکار کیا ۔ اگر یہ لوگ آپؐ کا انکار اور آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ اور ان سرکشوں اور مفسدوں میں سے بعض کا حق کو قبول کر کے اس پر ایمان لانا اور بعض کا اپنے کفر پر قائم رہنا سب تقدیر الٰہیٰ کی وجہ سے ہے ۔ مگر ہم اتمام حجت کے لئے ہدایت کے اسباب ضرور مہیا کرتے ہیں ۔ (حقانی ۳، ۴/ ۲) ۔

خیرات کی ترغیب

۲۵۴ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

اے ایمان والو ! ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کر لو جس دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی ۔ اور کافر ہی ظالم ہیں ۔

خُلَّةٌ : دوستی ، جان پہچان ۔ خِلَالٌ سے مصدر ہے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال صرف کرنے کی جو تاکید گزشتہ آیات میں آئی تھی اسی کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ تم جو کچھ نیکی کرنا چاہتے ہو وہ اسی دنیاوی زندگی میں کر لو ۔ حشر کے روز نہ تو کوئی عمل خرید و فروخت کے ذریعہ حاصل ہوسکے گا اور نہ وہاں کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش ۔ آخرت میں کافروں پر جو عذاب و سختی ہوگی اس کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوں گے کیونکہ وہ خود ہی بیجا حرکتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہ کر کے اپنی جانوں کو عذاب خداوندی میں مبتلا کرتے ہیں ۔ (حقانی ۵/ ۲) ۔

صفاتِ باری تعالیٰ

۲۵۵ ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ۔ وہی (ہمیشہ سے) زندہ اور قائم ہے ۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے ۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے ۔ ان کے اگلے اور پچھلے تمام حالات کو وہی جانتا ہے اور کوئی بھی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جس قدر کہ اس نے چاہا ۔ اور اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمینوں کو گھیرا ہوا ہے ۔ اور اس کو ان دونوں کی حفاظت ذرا بھی گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظمت والا ہے ۔

آیت الکرسی کے فضائل : یہ قرآن کی عظیم ترین آیت ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے افضل فرمایا ہے (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیؓ بن کعب سے دریافت کیا کہ قرآن میں کونسی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے ۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے عرض کیا آیت الکرسی ، آپؐ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ، اے ابو المنذر تمہیں علم مبارک ہو (مظہری بحوالہ مسلم ۱/۳۶۱) ۔

حضرت ابو ذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں کونسی آیت عظیم تر ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ آیت الکرسی (ابن کثیر بحوالہ مسند احمد ۳۰۵ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآنی آیات کی سردار ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے اس سے شیطان نکل جاتا ہے ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و حاکم ۳۶۱ / ۱) ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آیت الکرسی ثواب کے اعتبار سے چوتھائی قرآن کے برابر ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسند احمد ۱/۳۶۱) ۔

تشریح : اس مبارک آیت میں دس جملے ہیں ۔

(۱) **اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ** ۔ : اس میں لفظ اللہ اسم ذات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے ، وہی دانا ، بینا ، صاحب قدرت و ارادہ ہے اس لئے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

(۲) اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ : عربی زبان میں حی کے معنی ہیں زندہ ۔ یہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے اور موت سے بالا تر ہے ۔ اس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں ۔ اَلْقَیُّوْمُ یہ قیام سے نکلا ہے جس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں ۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اسی طرح بقاء ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ۔ جس طرح سایہ اصل شئے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی شان اعلیٰ ہے ۔

(۳) لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۔ : سِنَةٌ اونگھ کو کہتے ہیں جو دماغی اعصاب کی وہ سستی ہوتی ہے جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ نَوْمٌ مکمل نیند کو کہتے ہیں ۔

دوسرے جملہ میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے ۔ اس لئے انسان اپنی فطرت کے مطابق یہ خیال کر سکتا ہے جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہو سکتی ہے اور اس کو کچھ وقت آرام و نیند کے لئے بھی چاہئے ۔ اس لئے اس جملے میں محدود علم و بصیرت رکھنے والے انسان کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے اور نہ اپنے جیسا سمجھے ۔ وہ مثل و مثال ، تکان ، اونگھ ، نیند اور ایسے ہی دوسرے اثرات سے بالا تر ہے ۔

(۴) لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ : تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ۔ وہ مختار ہے ، جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے ۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ : اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس امر کا بیان ہے کہ کوئی اس سے بڑا اور اس کے اوپر حاکم نہیں ۔ کوئی اس سے کسی کام کے بارے میں باز پرس کرنے کا حق نہیں رکھتا ۔ وہ جو حکم جاری کردے اس میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں ۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے کسی کی سفارش و شفاعت بھی نہیں کر سکتا ۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے روز سب سے پہلے میں ہی ساری امتوں کی شفاعت کروں گا ۔ اسی کا نام مقامِ محمود ہے جو آپؐ کی خصوصیات میں سے ہے ۔

(٦) **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** : اللہ تعالیٰ انسان کے ظاہری و باطنی حالات و واقعات سے باخبر ہے ۔ آگے پیچھے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد تمام حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو انسان جانتے ہیں اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو انسان نہیں جانتے ۔

(۷) **وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ** : انسان اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے علم کا جتنا حصہ کسی کو عطا کرنا چاہے تو اس کو صرف اتنا ہی علم ہو سکتا ہے ۔

(۸) **وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** : اس کی کرسی اتنی وسیع ہے کہ اس کی وسعت کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہ محض تمثیل ہے ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تصویر کشی مقصود ہے ورنہ حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ کی کرسی ہے اور نہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے ۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگوٹھی جیسا حلقہ ڈالدیا جائے ۔

اللہ تعالیٰ نشست و برخاست اور زمان و مکان سے بالاتر ہے ۔ اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ۔ اس کی کیفیت و حقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے ۔

(۹) **وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا** : یَئُوْدُ، اَوْدٌ سے ماخوذ ہے اور اَوْدٌ کے معنی کجی اور ٹیڑھا پن کے ہیں ۔ آسمان و زمین یا کرسی اور کرسی کے اندر سمائی ہوئی چیزوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی ۔ کیونکہ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں ۔

(۱۰) **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ** : گزشتہ نو جملوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور کمالات کا بیان تھا ۔ ان تمام صفات و کمالات کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد کوئی عقل و

شعور رکھنے والا انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہر قسم کی عزت و عظمت اور بلندی و برتری کی مالک و سزاوار وہی ذات پاک ہے جو مذکورہ بالا ذاتی و صفاتی کمالات کی حامل ہو ۔ (معارف القرآن ۶۱۲ ، ۶۱۵ / ۱ مظہری ۳۵۷ ، ۳۶۲ / ۱) ۔

قوی وسیلہ

۲۵۶ ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

دین کے بارے میں (کوئی) زبردستی نہیں ۔ بیشک ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے ۔ پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔

اِكْرَاهَ : کسی پر جبر کرنا ۔ کسی پر زبردستی کرنا ۔ مصدر ہے ۔

الْعُرْوَةِ : حلقہ ، کڑا ۔

الْوُثْقٰى : بہت مستحکم ۔ بہت مضبوط ، وُثُوْقٌ و وَثَاقَۃٌ سے اسم تفضیل ۔

اِنْفِصَامَ : شکستہ ہونا ۔ ٹوٹنا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول : اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب مدینہ کی مشرکہ عورتوں کے اولاد نہ ہوتی تو وہ نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہودی بنا کر یہودیوں کے سپرد کردیں گے ۔ اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے انصار بنے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی سازشوں سے نجات پانے کے لئے یہ حکم جاری فرما دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے ۔ اس وقت انصار نے بچوں کو جو یہود کے پاس تھے ، ان سے طلب کیا تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو ۔ (ابن کثیر ۳۱۰ / ۱) ۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص

حصینی نامی تھا - یہ خود مسلمان تھا اور اس کے دو لڑکے نصرانی تھے - ایک بار اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں - اس پر یہ آیت اتری اور اس میں جبراً مسلمان بنانے کی ممانعت کردی گئی - (ابن کثیر ۱/۳۱۱) -

تشریح : اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی مزید تفسیر و تشریح بیان فرمائی ہے کہ جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو زبردستی اور تلوار کے زور پر مسلمان کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسے معجزات اور کھلی نشانیاں ظاہر کیں کہ ان سے حق اور باطل اس طرح علیحدہ اور ممتاز ہوگئے جیسے دن اور رات ایک دوسرے سے ممتاز ہیں - اس کے بعد اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت ترک کر کے خدائے واحد و یکتا پر ایمان لاتا ہے تو اس کے لئے اسلام ایسا قوی اور مضبوط وسیلہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے - پس جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو زبردستی اور تلوار کے زور پر مسلمان بنایا جائے بلکہ اس کا مقصد تو دنیا سے شر و فساد ختم کرنا اور برائیوں کو مٹانا ہے -

اللہ تعالیٰ کے دوست

۲۵۷ - اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے - وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور جو منکر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں - وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لاتے ہیں - یہی اہل دوزخ بھی ہیں وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے

تشریح : ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آتا ہے - جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ شیطان کے دوست اور مددگار ہیں جو ان کو نورِ فطرت سے نکال کر کفر و اخلاقِ رذیلہ اور شہوات و خواہشاتِ نفسانی کی تاریکیوں میں

دھکیل دیتا ہے جو مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوں گی ۔ جس طرح دنیا میں ان کو اپنی گمراہی کی تاریکیوں سے عمر بھر چھٹکارا نہ ملا اسی طرح ان کو وہاں بھی عذاب الٰہی سے نجات نہیں ملے گی ۔ اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۔

حضرت ابراہیم اور نمرود

۲۵۸ ۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے دیکھا جو (حضرت) ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے حجت کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا کی تھی ۔ جب (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے ۔ (اس نے) کہا میں بھی تو زندہ کرتا اور مارتا ہوں ۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اس کو مغرب سے نکال دے ۔ اس پر وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

حَآجَّ : اس نے حجت کی ۔ اس نے بحث کی ۔ مُحَاجَۃ سے ماضی ۔

فَبُهِتَ : وہ مبہوت ہو گیا ۔ وہ بھونچکا ہو گیا ۔ وہ حیران ہو گیا ۔ بُھتٌ سے ماضی مجہول ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور نمرود کا واقعہ بیان فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر کے قریب پیدا ہوئے تھے ۔ جب وہاں کے لوگوں میں ان کی خدا پرستی کی شہرت اور بت پرستی کی مذمت مشہور اور عام ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود بن کوش نے جو سخت بے دین ، بد عقل اور ملحد تھا ، حضرت ابراہیم کو بلا کر پوچھا کہ رب کون ہے اور کہاں ہے ۔ اگر ہے تو مجھے دکھاؤ ۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں جو کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل ہی قادر مطلق ہے ۔ اور اپنی لطافت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا ۔ (ہوا بھی جسم رکھنے کے باوجود لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور جو ذات جسم کی کثافت سے بھی بری ہے اس کو کیسے محسوس کیا جاسکتا ہے) اور وہ فعل زندگی اور موت دینا ہے ۔ نہ کوئی از خود زندہ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو زندہ کرسکتا ہے ، نہ مارسکتا ہے ۔ اس کے جواب میں نمرود نے کہا کہ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مارسکتا ہوں ۔ پھر اس نے دو آدمیوں کو طلب کیا ۔ ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا ۔ گویا نمرود ، عملِ حیات و موت اور تخلیقِ حیات وموت میں فرق نہ کرسکا ۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا اگر چہ دنیا میں اس کے تمام کام عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب بھی اسی کے قبضہ میں ہیں ۔ انہیں اسباب میں سے سورج کا طلوع و غروب کرنا ہے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے ۔ وہ اس کو مغرب سے بھی نکال سکتا ہے یا جس طرح اس کی مشیت ہو کرسکتا ہے ۔ پس اگر تو اپنے اعمال پر اپنے آپ کو قادر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کاانکار کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے برآمد کر دے ۔ یہ سنکر نمرود حیرت زدہ اور بھونچکا ہو گیا مگر ایسے بے انصاف راہ راست پر نہیں آتے ۔ (حقانی ۸ ، ۹ / ۲ ، مظہری ۳۶۵ / ۱) ۔

مُردوں کو زندہ کرنا

۲۵۹ ۔ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ج قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ج فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

یا تو نے اس شخص کو نہ دیکھا جو ایک ایسی بستی پر سے گزرا جو چھتوں سمیت گری پڑی تھی ۔ اس نے (دیکھکر) کہا کہ اس ویرانی کے بعد اللہ تعالیٰ اس (بستی) کو کیسے آباد کرے گا ۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو برس تک مُردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر کے پوچھا کہ تو کتنی دیر (اس حالت میں) رہا ۔ اس نے

جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا ہوں گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو (اس حالت میں) سو برس رہا ہے ۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھ ابھی تک سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ (کہ بالکل گل سڑ گیا) اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نمونہ بنائیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کو بھی دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح جوڑتے ہیں ۔ پھر (کس طرح) ان کو گوشت پہناتے ہیں ۔ پھر جب اس پر تمام کیفیت کھل گئی تو بول اٹھا مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

خَاوِيَةٌ: گری ہوئی ۔ خالی ۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل ۔

عُرُوْشِهَا: اس کی چھتیں ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد عَرْشٌ ہے ۔

لَبِثْتَ: تو رہا ۔ تو ٹھہرا ۔ لَبْثٌ سے ماضی ۔

يَتَسَنَّهْ: وہ سڑا جاتا ہے ۔ وہ خراب ہو جاتا ہے ۔ تَسَنُّنٌ سے مضارع ۔

عِظَامِ: ہڈیاں ، واحد عَظْمٌ ۔

نُنْشِزُهَا: ہم اس کو جوڑ دیتے ہیں ۔ ہم اس کو چڑھا دیتے ہیں ۔ اِنْشَازٌ سے مضارع

نَكْسُوْهَا: ہم اس کو پہنا دیتے ہیں ۔ كَسْوٌ وكِسْوَةٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہزاروں بنی اسرائیلیوں کو قتل کر کے یروشلم شہر کو جلا کر برباد کر دیا اور بیت المقدس کو جلا کر خاک کر دیا اور ستر ہزار یہودیوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا مگر حضرت ارمیاہ علیہ السلام یہیں رہے ۔ ایک مرتبہ وہ اس شہر کے پاس سے گزرے ۔ اس کی حالت اور ملک و قوم کی بربادی دیکھ کر حسرت کے طور پر کہنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ اس شہر کو کیسے آباد کرے گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا تماشہ دکھایا ۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرے کا برتن اور روٹیوں کا تھیلہ درخت سے لٹکا کر سو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے نیند میں ان کی روح قبض کر لی یہاں تک کہ ان پر سو برس کا عرصہ گزر گیا ۔ اس عرصہ میں بابل کا بادشاہ بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں

کا دور دورہ ہو گیا ۔ ایران کے بادشاہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اپنے ملک میں جاکر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ملک شام جاکر بیت المقدس اور شہر کو از سر نو آباد کرنا شروع کردیا ۔

جب بیت المقدس از سر نو تعمیر ہو گیا اور یروشلم شہر آباد ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاہ کو زندہ کر دیا اور ان سے پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے ۔ وہ صبح کے وقت سوئے تھے اور عصر کے وقت زندہ ہوئے تھے اس لئے انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم پڑا رہا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تو سو برس تک مُردہ پڑا رہا ہے ۔ اپنے گدھے کو دیکھ ۔ انہوں نے گدھے کو دیکھا تو اس کی سفید ہڈیاں پڑی ہوئی تھی اور کھانے پینے کو دیکھا تو سو سال گزرنے کے باوجود ویسا ہی تھا نہ سڑا نہ خراب ہوا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے گدھے کو زندہ کر دیا ۔ پھر انہوں نے شہر میں آکر بیت المقدس اور شہر کو آباد دیکھ کر کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ مُردے کو بھی زندہ کر سکتا ہے ۔ پس حشر کے روز مرنے کے بعد تمام مخلوق کو زندہ کر کے حساب لینا بھی اس کی قدرت میں ہے ۔ (حقانی ۱۰ / ۲ ، مظہری ۳۶۷ / ۱) ۔

۲۶۰ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ؕ

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (حضرت ابراہیم نے کہا کیوں نہیں ۔ لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم چار پرندے لے لو پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لو (مانوس کر لو) ۔ پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ، ہر پہاڑ پر رکھ دو ۔ پھر ان کو (اپنے پاس) بلاؤ تو وہ سب تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

صُرْهُنَّ: تو ان کو مانوس کر لے ۔ تو ان کو ہلالے ۔ صَوْرٌ سے امر ۔

سَعْيًا: دوڑتے ہوئے ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کہ مجھے اس کا مشاہدہ کر ا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کو ہماری قدرتِ کاملہ پر یقین نہیں ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا یقین کیسے نہ ہو ۔ آپ کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر تو ہر لحظ اور ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور غور و فکر کرنے والا تو خود اپنی ذات اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ مگر انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس کے بارے میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں ۔ کہ یہ کیسے اور کس طرح ہو گیا ؟ یہ ذہنی انتشار سکونِ قلب میں خلل ڈالتا رہتا ہے ۔ اس لئے مشاہدہ کی درخواست کی ۔

اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرما کر آپ کو حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کر لیں اور ان کو کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر اپنے ساتھ مانوس کرلیں ۔ جب وہ پوری طرح آپ سے مانوس ہو جائیں اور آپ کے بلانے سے آپ کے پاس آجایا کریں اور آپ کو ان کی پوری طرح شناخت ہو جائے تو ان چاروں کو ذبح کر کے ہڈیوں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کر لیں ۔ پھر اس قیمہ کے کئی حصہ کر کے مختلف پہاڑوں پر ایک ایک حصہ رکھدیں اور آواز دیکر ان کو اپنے پاس بلائیں ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے زندہ ہو کر یہ پرندے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے چار پرندے لیکر پہلے ان کو اپنے ساتھ ہلایا (مانوس کیا) پھر ان کا قیمہ کر کے اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ مختلف پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان کو اپنے پاس بلایا ۔ پس فوراً ہی ہر پرندے کے خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرہ سے ، ہر پر دوسرے پر سے اور ہر ہڈی اور ٹکڑا دوسری ہڈی اور ٹکڑے سے ملنے لگا اور حضرت ابراہیم کی نظروں کے سامنے ہر جسم بغیر سر کے پورا بن گیا ۔ پھر ہر جسم اپنے اپنے سر کی طرف آکر اپنے سر سے جڑ گیا اور بحکم خداوندی پرندہ بن گیا ۔ (معارف القرآن ۶۲۲ / ۱ ، مظہری ۳۷۲ ، ۳۷۳ / ۱) ۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مثال

۲۶۱ ، ۲۶۳ ۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؕ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؕ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ؕ

جو لوگ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے ۔ جو لوگ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں ، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں ، انہیں کے لئے ان کے رب کے پاس ان کے اعمال کا بدلہ ہے ۔ اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ اچھی بات کہنا اور در گزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد (سائل کو) ایذا دی جائے ۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز برد بار ہے ۔

سَنَابِلَ : بالیں ۔ خوشے ۔ واحد سُنْبُلٌ ۔

يُضٰعِفُ : وہ دو گنا کرتا ہے ۔ وہ بڑھاتا ہے ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول : حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ جنگِ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈالدئے ۔ میں نے خود دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انتہائی مسرت کے ساتھ ان میں اپنا دست مبارک ڈالتے اور ان کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد (حضرت) عثمان جو عمل بھی کرے اس کو (کسی عمل سے) ضرر نہیں ہوگا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نازل فرمائی ۔ (معارف القرآن ۶۳۱ / ۱ ، مظہری ۳۷۴ / ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آخرت کے لئے ساز و سامان تیار کرنے کی

ترغیب دی ہے کہ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروگے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہاں زمین میں گندم کا ایک دانہ ڈالے ، اس سے کوئی پودا اگے اور اس میں سات بالیں پیدا ہو جائیں اور پھر ہر بال میں سو دانے ہوں اس طرح ایک دانہ زمین میں کاشت کرنے سے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو پانی دیا جائے اور آفات سے بچایا جائے ۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عالم مثال کی زمین میں ڈالدیتا ہے جس میں سے اس کا ایسا پودا اگتا ہے جس سے ایک دانے کے بدلے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو ایمان اور خلوص کا پانی دیا جائے اور احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے کی بلاؤں سے بچایا جائے ۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب ایک سے لیکر سات سو گنا تک پہنچتا ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جہاد اور حج میں ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات سو درہم کے برابر ہے ۔

خیرات میں دکھاوے کی ممانعت

۲۶۴ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَ ذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِ الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ؕ

اے ایمان والو ! تم اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دیکر اس شخص کی طرح برباد مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر ۔ سو اس کی (خیرات کی) مثال ایک چکنے پتھر کی سی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو ۔ پھر اس پر زور کی بارش ہو جائے اور اس کو بالکل صاف کر دے ۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں لگے گی اور اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا ۔

تُبْطِلُوْا : تم باطل کرو ، تم ضائع کرو ۔ اِبْطَالٌ سے مضارع ۔

صَفْوَانٍ : چکنا اور صاف پتھر ۔ ہموار ۔

وَابِلٌ: موسلادھار بارش ۔

صَلْدًا: صاف سپاٹ اور سخت پتھر جس پر کچھ نہ اُگے ۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں خیرات دیکر احسان جتانے اور فقیر کو بد زبانی یا طعن و تشنیع کے ذریعہ ایذا دینے سے منع فرمایا تھا ۔ ان آیات میں خیرات کا اجر ضائع ہونے کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ (منافق) اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ، ان کو آخرت کے اجر کا یقین نہیں بلکہ وہ محض نام و نمود کی خاطر مال خرچ کرتے ہیں ۔ پس تم ایسا نہ کرو ۔ اگر تم بھی نام و نمود کیلئے خرچ کروگے تو جس طرح خیرات کے شجر کو احسان جتانا اور ایذا دینا برباد کر دیتا ہے اسی طرح ایمان نہ لانا اور ریاکاری کرنا بھی برباد کر دیتا ہے ۔ پھر ایک مثال کے ذریعہ منافقوں کا حال بیان کیا کہ ان کی حالت پتھر کی ایک چکنی چٹان جیسی ہے ۔ جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہے ۔ پھر اس پر زور کی بارش ہو جائے اور اس کو صاف کر کے چھوڑ دے ۔ جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا تھا وہ سب ضائع ہوا ۔ آخرت میں اس کو اس سے کچھ نفع حاصل نہیں ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ ناشکری اور کفران نعمت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کی تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا ، نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہیں ۔ ایک تو دے کر احسان جتانے والا ۔ دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانے والا ۔ تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان ، خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا ۔ شرابی ۔ اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا ۔ نسائی میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین شخصوں کی طرف دیکھے گا بھی نہیں ۔ ماں باپ کا نافرمان ، شراب کا عادی ۔ اور دے کر احسان جتانے والا ۔ (ابن کثیر ۳۱۸ / ۹۱) ۔

مومنوں کی خیرات کی مثال

۲۶۵ ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ

أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَ ابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور جو لوگ اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ جیسی ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو اور اس پر زور کی بارش ہوئی ہو تو اس میں دوگنا پھل آئے ۔ پھر اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو اس کو شبنم ہی کافی ہے ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

تَثْبِيْتًا : ثابت کرنا ۔ برقرار رکھنا مصدر ہے ۔

بِرَبْوَةٍ : بلندی پر ، ٹیلے پر ۔

طَلٌّ : شبنم ۔ اوس ۔ پھوار ۔

تشریح : جو مومن اور مخلص لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خلوص دل سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو نرم اور عمدہ زمین پر لگایا گیا ہو اور اس کے درخت نہایت حسین اور صاف ستھرے ہوں ۔ جب اس پر زور کی بارش ہوتی ہے تو وہ دو گنا پھل دیتا ہے ۔ اگر اس پر بارش نہ بھی ہو یا کم بارش ہو تب بھی وہ پھل ضرور دیتا ہے ۔ اس کی زمین ایسی عمدہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے ۔ یعنی آخرت کے اجر و ثواب کے علاوہ دنیا میں بھی اس کو کچھ نہ کچھ نفع ضرور حاصل ہو جاتا ہے پس مومنوں کے اعمال کبھی بے اجر نہیں رہتے ، ان کا بدلہ ضرور ملتا ہے ۔ البتہ اس بدلہ میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا کوئی عمل مخفی نہیں ۔

خیرات میں ریاکاری کی مثال

۲۶۶ ۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ صلے فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی ایسا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں ۔ اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے بھی ہوں اور اس شخص کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے بھی ہوں ۔ پھر اس باغ پر ایسا بگولہ آیا جس میں آگ تھی اور وہ جل بھن گیا ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو ۔

یَوَدُّ: وہ چاہتا ہے ۔ وہ پسند کرتا ہے ۔ وہ خواہش کرتا ہے مَوَدَّۃٌ سے مضارع ۔

نَّخِیْلٍ: کھجور کے درخت ۔

اَعْنَابٍ: انگور ۔ واحد عنب ۔

اِعْصَارٌ: بگولا ۔ جمع اَعَاصِیْرُ و اَعَاصِرُ ۔

فَاحْتَرَقَتْ: پس وہ جل گئی ۔ پس وہ بھڑک اٹھی ۔ احتراق سے ماضی ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص خیرات و صدقہ خلوص نیت سے نہیں دیتا یا دے کر احسان جتا تا ہے اور سائل کو طعن و تشنیع کے ذریعہ تکلیف دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس ایک نہایت عمدہ باغ ہو جس میں خصوصیت کے ساتھ ، کھجور اور انگور کے درخت ہوں اور ان کے علاوہ دوسرے پھلوں کے درخت بھی ہوں ۔ اور اس کا مالک ایک بوڑھا آدمی ہو ۔ اس باغ کی آمدنی کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہ ہو اور وہ کسب معاش پر قادر ہو اور اس شخص کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں ۔ پھر اس باغ پر کوئی افتاد آ پڑے جو اس کو جلا کر نیست و نابود کر دے تو اس شخص کو کس قدر صدمہ ہوگا اور اس پر کیسی بے بسی اور حیرت و حسرت طاری ہوگی ۔ اسی طرح کوئی شخص بھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ قیامت کے دن جب اس کو نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی تو اس کی تمام نیکیاں اکارت جائیں اور وہ آخرت میں ناکام و نامراد رہے ۔ (حقانی ۱۵ / ۲ ، مظہری ۳۷۸ / ۱) ۔

حلال و طیب چیز خیرات کرنا

۲۶۷ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَ اعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ط

اے ایمان والو ! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اور وہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے اگائی ہیں خرچ کرو اور ایسی بُری چیز کے دینے کا تو ارادہ بھی نہ کرو جس کو تم خود بھی چشم پوشی کئے بغیر نہ لو (اگر کوئی تمہیں دے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریف کے لائق ہے ۔

تَيَمَّمُوْا: تم ارادہ کرو ۔ تَیَمُّمٌ سے امر ۔

تُغْمِضُوْا: تم چشم پوشی کرو ۔ اِغْمَاضٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دو ستونوں کے درمیان جو ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے تھے ۔ اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت ان میں سے لیکر کھا لیتے ۔ کسی نے جبے صدقہ کی کم رغبت تھی اس میں ردی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا ۔ (ابن کثیر ۳۲۰ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں بتایا کہ جو صدقہ و خیرات میں دینی چاہئیں اور فرمایا کہ صدقہ و خیرات میں نہایت عمدہ ، مرغوب اور پسندیدہ چیزیں دینی چاہئیں اور جو کچھ اناج اور میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو ۔ اور ایسی چیزیں دینے کا تو قصد بھی نہ کرو جو دل سے اتری ہوئی ہوں اور جن کو تم خود بھی آپس میں خوشی سے نہیں لیتے ۔ پس جو چیز تم نے حلال اور جائز طریقے سے حاصل کی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حلال و جائز کمائی میں سے دی ہوئی خیرات کو قبول کرتا ہے ۔ حرام اور ناجائز کمائی کی خیرات کو قبول نہیں کرتا اور جو کچھ اناج ، میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو ۔

خیرِ کثیر

۲۶۸، ۲۶۹ ۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج
وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ط یُّؤْتِی
الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط
وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ہ

شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فراخی کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا خبردار ہے ۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا فرماتا ہے اور جس کو دانائی دی گئی پس اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی ۔ اور (یہ بات) عقل مند لوگ ہی سمجھتے ہیں ۔

تشریح : شیطان صدقہ و خیرات کرنے پر تنگدستی اور افلاس ہی سے نہیں ڈراتا بلکہ وہ تمہیں فحش کاموں کا بھی حکم دیتا ہے مثلاً سائلوں کو گالیاں دینا ، نیک کاموں کی مذمت کرنا ، نمود و نمائش اور ریاکاری کے کاموں میں روپیہ اڑانا ، شراب خوری ، زنا کاری ، قمار بازی وغیرہ میں بے دریغ روپیہ اٹھانا ۔ یہ سب شیطانی کام ہیں ۔ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے تو افلاس سے ڈرتے ہو اور ان تمام شیطانی کاموں میں بے دریغ خرچ کرنے سے تمہیں افلاس کا کوئی خوف نہیں ۔ حالانکہ شیطانی کاموں ہی میں صَرف کرنے سے افلاس آتا ہے ۔ نیک کاموں میں صَرف کرنے والا کوئی شخص مفلس و محتاج نہیں دیکھا گیا بلکہ اس کو فراخدست ہی دیکھا گیا ہے ۔ ایماندار لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات دیکر اس کے فضل و مغفرت اور فراخ دستی و خیر و برکت کی امید رکھتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی وسعت و علم والا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت و دانائی دی گئی اس کو سب کچھ دیا گیا ۔ (حقانی ۱۶ ، ۱۷ / ۲) ۔

خیرات نہ کرنے کا انجام

۲۷۰ ۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْنَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

اور تم جو کچھ بھی خیرات کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔ اور ظالموں کا تو کوئی بھی مدد گار نہیں ۔

تشریح : اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو ، کم یا زیادہ ، سب کے سامنے یا چھپا کر ، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں یا باطل راستہ میں یا تمہارا نذر ماننا یعنی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کام جو تم اپنے اوپر واجب کر لیتے ہو خواہ وہ عبادت ہو یا مال کا صرفہ ، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ اپنے بندوں کو جو اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں ، اس کا حکم بجالاتے ہیں ، اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں ، اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں ، بہترین بدلہ عطا فرمائے گا ۔ اور جو لوگ بے جا حرکتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ، اپنی نذروں کو پورا نہیں کرتے یا دکھاوے اور ریاکاری کے لئے خرچ کرتے ہیں یا گناہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دفع کرنے میں ان کا کوئی بھی مدد گار نہیں ۔

خفیہ خیرات کی فضیلت

۲۷۱ ۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۝ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۝ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ (چھپانا) تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے ۔

تُبْدُوْا : تم ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔

نِعِمَّا : وہ کیا ہی اچھا ہے ۔

تشریح ۔ اگر تم لوگوں کو دکھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو بشرطیکہ یہ دکھاوے کے لئے نہ ہو تو تمہارا یہ عمل اچھا ہے اور اگر تم ضرورت مندوں کی مدد دوسروں سے

چھپا کر کرو تو تمہارا یہ فعل سب کے سامنے دینے سے بہتر اور افضل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس لئے تمہاری پوشیدہ خیرات ضائع نہیں ہوگی ۔

حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھپا کر خیرات کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب (کی آگ) کو بجھا دیتا ہے اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے ۔

حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں ۔

(۱) جو رات کو اٹھ کر کتاب اللہ (قرآن) کی تلاوت کرتا ہے ۔

(۲) جو دائیں ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی ۔

(۳) جو کسی جہادی دستہ میں ہو ، اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے ۔ (مظہری ۳۸۹ / ۱) ۔

خیرات کا پورا پورا اجر

۲۷۲ - لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو راہ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے ۔ اور تم جو کچھ بھی خیرات کرتے ہو تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرتے ہو اور تم تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہو ۔ اور تم جو کچھ خیرات کرو گے وہ تمہیں پوری پوری ملے گی (یعنی اس کا ثواب) اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا ۔

شانِ نزول : نسائی ، طبرانی ، بزار اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ اپنے مشرک رشتہ داروں کو کچھ دینا پسند نہیں کرتے تھے ۔ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی تو آپ نے (مشرک رشتہ داروں کو دینے کی) اجازت دیدی ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۹۰ / ۱) ۔

کلبی نے اس کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ یہودیوں سے مسلمانوں کی کچھ سسرالی رشتہ داریاں تھیں ۔ اسلام سے پہلے یہ لوگ یہودیوں کی مدد کرتے تھے ۔ مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں نے یہودیوں کی مدد کرنا مناسب نہ سمجھا اور (ان کی مدد سے ہاتھ روک لیا) مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں ۔ (مظہری ۳۹۰ / ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم خالص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا فائدہ تمہیں کو حاصل ہوگا ۔ اس لئے کسی فقیر پر اپنی خیرات کا احسان رکھنا یا اس کو نا پاک مال دینا ، ریاکاری اور دکھاوے کے لئے خیرات کرنا ، یہ سب نا جائز اور مال کی بربادی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس قدر مال بھی خرچ کیا جائیگا اس کا پورا پورا نعم البدل دیا جائیگا ۔ ظاہر ہے جس چیز کا بدل لے لیا جائے اس کا احسان نہیں ہوتا مثلاً فروخت کرنے والا جب اپنی چیز کی قیمت لے لیتا ہے تو خریدار پر اس کا احسان نہیں ہوتا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کا تو کئی گنا معاوضہ ملے گا ، پھر خیرات کرنے والے کا فقیر پر کیا احسان ۔

اس آیت میں جس صدقہ کا بیان ہے اس سے مراد نفلی صدقہ ہے ، فرض صدقہ (زکوٰۃ عشر وغیرہ) نہیں ۔

۱) فرض صدقہ (زکوٰۃ،عشر وغیرہ) مسلمان کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں ۔

۲) نفلی صدقہ ذمی (غیر حربی) کافر کو بھی دینا جائز ہے ۔

۳) حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ۔ (مظہری ۳۹۰ ، ۱/۳۹۱) ۔

خیرات کے مستحق

۲۷۳ - لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ط

(خیرات تو) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر گئے ہوں ، وہ ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے ۔ ان کے سوال نہ کرنے کے سبب نا واقف

ان کو مالدار خیال کرتا ہے ۔ تم ان کو صورت (شکل) سے بھی پہچان سکتے ہو
وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے ۔ اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے
اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔

اُحْصِرُوْا : وہ محاصرہ کئے گئے ۔ وہ روکے گئے ۔ اِحْصَارٌ سے ماضی مجہول ۔

ضَرْبًا : مارنا ۔ مثل بیان کرنا ۔ چلنا ۔ مصدر ہے ۔

التَّعَفُّفِ : پرہیزگاری ۔ سوال نہ کرنا ۔ مصدر ہے ۔

بِسِيْمٰهُمْ : ان کے حلیئے سے ، ان کے چہرے سے ۔ کسی چیز کی وہ خصوصی علامت جس سے وہ چیز پہچان لی جاتی ہے ۔

اِلْحَافًا : لپٹ کر ۔ اصرار کرنا ۔ سائل کا مسئول سے لپٹ جانا اور لئے بغیر نہ چھوڑنا مصدر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں فقراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی مشغولیت یعنی ظاہری و باطنی علوم کے حصول یا جہاد میں مصروف رہنے کی وجہ سے روزی کمانے کے لئے کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتے ۔ یہ لوگ عموماً کسی سے سوال نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو لپٹتے اور چمٹتے نہیں ۔ اسی لئے ناواقف لوگ ان کو غنی جانتے ہیں حالانکہ ان کے چہروں کی زردی ، لباس کی بوسیدگی ان کی محتاجی کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے اور تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لئے اس کا ثواب ضائع نہ ہوگا ۔ لہٰذا تم بلا تردّد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو ۔ (مظہری ۳۹۱ ، ۱ / ۳۹۲) ۔

خیرات کا اجر

۲۷۴ ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

جو لوگ دن رات اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھپا کر یا ظاہر کر کے خرچ کرتے ہیں ، تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے اور نہ ان کو کچھ

خوف ہو گا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے ۔

شانِ نزول : ابن منذر نے سعید بن مُسیّب کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے متعلق ہوا ۔ ان دونوں نے جَیشِ عُسرت کے لئے خرچ دیا تھا ۔ (حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بہت سا مال اور حضرت عثمانؓ نے ساز و سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اور ایک ہزار اشرفی، نقد دی) ۔

روح المعانی میں ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے چالیس ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں ، دس ہزار رات میں ، دس ہزار خفیہ اور دس ہزار علانیہ ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کے اجرِ عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں ، دن رات ، خفیہ اور علانیہ ہر طرح اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ رنج ہو گا اور نہ کسی قسم کا خوف ۔ اگر کسی مصلحت کے تحت علانیہ طور پر خرچ کرنا ضروری ہو تو اس وقت علانیہ طور پر خرچ کرنا ہی افضل ہے ۔ (معارف القرآن ۶۴۳/ ۱ ، مظہری ۳۹۳ / ۱) ۔

سُود خوری کا انجام

۲۷۵ ۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے روز) وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھو دئے ہوں (یعنی حیران و مدہوش) یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو سود کی مانند ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو تو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے ۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ باز آ جائے تو جو کچھ وہ لے چکا

وہ اسی کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے ۔ اور جو کوئی پھر بھی سود لے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

الرِّبٰوا: سود ، بڑھنا ، بلند ہونا ۔

یَتَخَبَّطُهُ: وہ اس کو خبطی بناتا ہے ۔ وہ اس کو دیوانہ بناتا ہے ۔ تَخَبُّطٌ سے مضارع ۔

سَلَفَ: وہ گزر گیا ۔ وہ ہو چکا ۔ سَلْفٌ سے ماضی ۔

تشریح: قرآنِ کریم میں سود کی حُرمت میں دس آیتیں ہیں جن میں سے سات سورۂ بقرہ میں ، ایک سورۂ اٰل عمران میں اور دو سورۂ نساء میں آئی ہیں ۔

اس آیت کے پہلے جملے میں سود خوروں کے بد انجام اور حشر میں ان کی رسوائی و گمراہی کا بیان ہے کہ جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے روز اس پاگل اور مجنون کی طرح قبر سے اٹھے گا جس کو کسی شیطان جن نے خبطی بنا دیا ہو ۔ اس کے دوسرے جملے میں سود خوروں کی اس سزا کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے دو جرم کئے ۔ ایک تو سود کے ذریعہ حرام مال کھایا ۔ دوسرے اس کو حلال سمجھا اور جو لوگ سود کو حرام کہتے ہیں ان کے جواب میں سود کو خرید و فروخت کی مانند قرار دیا ۔ اور کہا کہ جس طرح بیع و شراء کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح سود کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے ۔ اگر سود حرام ہے تو خرید و فروخت بھی حرام ہونی چاہئے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیع کو سود کی مثل قرار دینے والوں کو جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو تو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے ۔ پھر دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر ہے ۔ اس لئے اس نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس میں ضرور کوئی نقصان اور خباثت ہے ۔ اس کے بعد تیسرے جملے میں ارشاد فرمایا ہے کہ سود حرام ہونے سے پہلے اگر کسی شخص نے کچھ رقم جمع کر لی تھی اور سود حرام قرار دئے جانے کے بعد اس نے آئندہ کے لئے توبہ کر لی تو وہ جمع شدہ رقم اسی کی ہوگی ۔ اگر اس نے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس کے لئے فائدہ مند ہو گی ورنہ کالعدم ہے ۔ اس کے بارے میں عام لوگوں کو بد گمانی کی ضرورت نہیں اور جو لوگ سود کی حرمت کا حکم پہنچنے کے بعد بھی سود خوری کی طرف یا سود کو بیع کی طرح قرار دینے کی طرف لوٹیں گے وہ گنہگار اور دوزخی ہیں اور چونکہ ان کا یہ کہنا کفر

ہے کہ سود بیع کی مانند حلال ہے ، اس لئے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔ (معارف القرآن ۶۴۷ ۔ ۶۴۹ / ۱ ، مظہری ۳۹۴ ۔ ۴۰۸ / ۱) ۔

سود اور صدقہ میں فرق

۲۷۶ ۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۔

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کافر گناہ گار سے ناخوش ہے ۔

يَمْحَقُ : وہ مٹاتا ہے ۔ وہ گھٹاتا ہے ۔ مَحْقٌ سے مضارع ۔

يُرْبِي : وہ زیادہ کرتا ہے ۔ وہ بڑھاتا ہے ۔ اِرْبَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح : سود اور صدقہ کی حقیقت اور ان کے نتائج میں تضاد ہے ۔ اس کے علاوہ عموماً دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بھی متضاد ہوتی ہے ۔ صدقہ دینے والا تو کسی معاوضہ کے بغیر اپنا مال دوسرے کو دیتا ہے جبکہ سود میں کسی معاوضہ کے بغیر دوسرے کا مال لیا جاتا ہے ۔ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا مال صدقہ کرتا ہے جبکہ سود لینے والا اپنے مال پر ناجائز زیادتی کرتا ہے ۔ دونوں کا متضاد ہونا اس آیت سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال یا اس کی برکت کو مٹا دیتا ہے ۔ اور صدقہ کرنے والے کے مال یا اس کی برکت کو بڑھا دیتا ہے عام مفسرین کی رائے میں سود کا مٹانا اور صدقہ کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہدہ میں آجاتے ہیں ۔ پس سود جس مال میں شامل ہو جائے وہ مال خود بھی ہلاک و برباد ہوتا ہے اور اپنے ساتھ اچھے مال کو بھی لیجاتا ہے جیسا کہ سٹہ اور سود بازاروں میں عموماً ہوتا ہے کہ کل تو ایک شخص کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کا محتاج ہے ۔ (معارف القرآن ۱/۶۵۰) ۔

مومنین کا اجر

۲۷۷ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور آخرت کی راحت کا ذکر ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے ۔ ان کو نہ تو آئندہ کا کوئی خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا کسی قسم کا غم ۔

حرمتِ سود کے احکام

۲۷۸ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿﴾

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو ۔ اگر تم (سچے) مومن ہو ۔

شانِ نزول : ابن مندہ اور ابو یعلی نے کلبی کے حوالہ اور ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ اسلام سے پہلے عمرو بن عوف ثقفی کے قبیلہ والے مغیرہ بن عبداللہ بن عمیر بن مخزوم کے خاندان کو سودی قرض دیا کرتے تھے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن تمام سود کو ساقط کردیا تو بنو عمرو اور بنی مغیرہ حضرت عتاب بن اسید کے پاس آئے جو مکہ کے والی تھے ۔ بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لئے سود ساقط فرمایا تو یقیناً ہم ایسے بد نصیب نہیں کہ ہم پر سود قائم رہے ۔ بنی عمرو بولے کہ ہم سے تو اس شرط پر مصالحت ہوئی ہے کہ ہمارا سود جو لوگوں کے ذمہ ہے وہ قائم رہے گا ۔ حضرت عتاب نے یہ واقعہ لکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیا ۔ اس پر یہ اور اس سے آگے والی آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری) ۔

علامہ بغوی نے عکرمہ اور عطاء کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عثمانؓ بن عفان نے کچھ کھجوریں بطور (بیع) سلم کے خریدی تھیں ۔ جب فصل ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو کھجور کے مالک نے کہا کہ اگر آپ لوگ اپنا پورا پورا حق لیں گے تو میرے بچوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا ۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ

نصف حق تو اسی وقت لے لیا جائے اور باقی نصف کے لئے مدت مقرر کر دیجائے ۔ میں آپ کو دوگنا کر کے دیدوں گا ۔ دونوں اس تجویز پر راضی ہو گئے ۔ جب مقررہ مدت گزر گئی تو دونوں نے (حسب وعدہ) زیادتی کا مطالبہ کیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے دونوں کو (زیادتی سے) منع فرمایا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ دونوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صرف اپنا اصل مال لے لیا (سود چھوڑ دیا) مظہری ۱/۴۱ ۔

تشریح : سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عرب میں سود کا لین دین عام تھا ۔ جب سود کی ممانعت میں اس سے پہلی آیتیں نازل ہوئیں تو مسلمانوں نے سود کا لین دین ترک کر دیا مگر کچھ لوگوں کی سودی رقم دوسرے لوگوں کے ذمہ واجب لادا تھی ۔ اس لئے پہلے حکم کی روشنی میں (کہ اب سودی لین دین بند کر دو اور جو کچھ اس سے پہلے لے چکے ہو وہ تمہارا ہے ۔) لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود قرض دار کے ذمہ ہے وہ بھی ہمارا ہے ، اس کو لے لینا چاہئے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو رد فرمایا اور حکم دیا کہ اگر تم سچے مومن ہو تو جو کچھ سود قرض دار کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور صرف اپنا اصل مال وصول کرو ۔

سود خوری ترک نہ کرنے پر وعید

۲۷۹ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر تم باقی سود نہیں چھوڑتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں تمہارے اصل اموال مل جائیں گے ۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے ۔

فَاْذَنُوْا : پس تم خبردار ہو جاؤ ۔ پس تم اعلان سن لو ۔

بِحَرْبٍ : لڑائی ۔ جنگ ۔

رُءُوْسُ : سر ۔ اصل ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ قرآنِ کریم میں ایسی وعید کفر کے سوا کسی اور بڑے سے بڑے گناہ پر بھی نہیں آئی ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم اس فعلِ بد سے توبہ کر لو اور قرض دار سے سود کی باقی رقم نہ لینے کا عزم کر لو تو سود چھوڑ کر باقی اصل مال تمہارا ہے ۔ نہ تو تم اصل مال سے زائد لیکر کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی اور اصل مال میں کمی یا تاخیر کر کے تم پر ظلم کرے ۔ (معارف القرآن ۶۵۶ / ۱) ۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سود خور توبہ نہ کرے تو اصل مال بھی اس کا نہیں رہے گا کیونکہ حرام کو حلال قرار دینے پر اصرار کرنے والا مرتد ہے اور اس کا مال مفت کی غنیمت ہے ۔ (بیضاوی ۴۰) ۔

امام شافعی کے نزدیک بھی مرتد کا کل مال مفت کی غنیمت ہے ۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر مرتد کو قتل کر دیا گیا ہو یا وہ بھاگ کر دار الحرب میں چلا گیا ہو تو اس کی زمانہ اسلام کی کمائی تو اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی اور کفر (ارتداد) کے بعد کی کمائی بیت المال میں جمع کر دی جائے گی ۔ (مظہری ۴۱۲ / ۱) ۔

قرض دار کو مہلت دینا

۲۸۰ - وَ اِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ

اور اگر کوئی تنگدست ہو تو اس کو فراخی تک مہلت دینی چاہیئے ۔ اور یہ کہ (قرض کا روپیہ) معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ، اگر تم سمجھو ۔

ذُوْ : والا ۔ صاحب ۔

فَنَظِرَةٌ : پس مہلت دینا ۔ پس ڈھیل دینا ۔

مَيْسَرَةٍ : آسودگی ۔ آسانی ۔ فراخی ۔

شانِ نزول : بغوی نے لکھا ہے کہ بنی مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت مانگی مگر قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا ۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح : جب سود حرام قرار دے دیا گیا تو قرض خواہ ، قرض داروں کو قرض کی جلد وصولی کے لئے تنگ کرنے لگے کیونکہ جس نفع کی امید کے تحت وہ ان کو مہلت دیتے تھے وہ تو منقطع ہو گئی ۔ ادھر قرض دار تنگدستی کی وجہ سے فوری طور پر ادائیگی سے قاصر تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حال زار پر رحم کر کے یہ حکم دیا کہ اگر قرض دار تنگ دست ہے اور قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو اس کو اس وقت تک مہلت دینی چاہئے جب تک وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے ۔ اور اگر قرض بالکل معاف کر دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جمع ہو کر تمہیں آخرت میں نفع دے گا ۔ (حقانی ۲۳ / ۲) ۔

حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی سختی کو دور کر دے تو اس کو چاہئے کہ وہ تنگدست کو (قرض کی ادائیگی میں) مہلت دے اور قرض (کے مطالبہ) کو ترک کر دے اور جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو قعر جہنم سے بچا کر اپنے سایہ میں لے لے اور اس پر اپنا سایہ کر دے تو اس کو چاہئے کہ مومنوں کے ساتھ درشت خوئی سے پیش نہ آئے بلکہ ان کے لئے نرم دل ہو (حاشیہ مظہری ۴۱۲ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہو گا جس نے کسی تنگدست کو قرض ادا کرنے میں اس وقت تک مہلت دی ہو جب تک اس کو میسر آئے یا اس نے اپنا مطالبہ بالکل معاف کر دیا ہو اور کہدیا ہو کہ میں تجھے اپنے حق سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سبکدوش کرتا ہوں اور اس نے (معافی کے بعد) قرض کی تحریر جلا دی ہو ۔ (مظہری بحوالہ طبرانی ۴۱۲ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تنگ دست کو سہولت دے گا ۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو سہولت دے گا ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۴۱۲ / ۱) ۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس قرض دار کو مہلت

دے گا تو جتنے دن وہ قرض ادا نہ کرسکے لتنے دن تک اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا جتنی اس قرض دار کے ذمہ واجب ہے اور یہ حساب میعاد پوری ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب قرض کی میعاد پوری ہوجائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دو گنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا ۔ (ابن کثیر ۳۳۱ / ۱) ۔

سخت گیری پر تنبیہہ

۲۸۱ - وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔

اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ پھر ہر شخص کو وہ پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا تھا ۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سخت گیر قرض خواہوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ تم اس روز سے ڈرو جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جس دن ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا ۔ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے بے شمار مطالبات ہیں ۔ پھر تم سخت گیری کر کے آخرت کے روز اپنے لئے کس بنا پر رحم کی امید رکھتے ہو (حقانی ۲۳ / ۲)۔

سب سے آخری آیت

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے یہ سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ۔ اس کے اکتیس روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ۔ بعض روایات میں صرف نو دن بعد اور بعض میں صرف سات دن بعد آپؐ کی وفات ہونا مذکور ہے (مظہری ۴۱۳/ ۱) ۔

قرض کے لئے تحریر لکھنا

۲۸۲ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ

اے ایمان والو ! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لئے ادھار معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو ۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے ۔ اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا ہے اس کو چاہیئے کہ لکھدے اور مضمون وہ شخص املا کرائے جس پر حق ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے ۔ پھر اگر وہ شخص جس پر مطالبہ (حق) ہے بیوقوف یا کمزور ہو یا وہ مضمون نہ بتا سکتا ہو تو اس کے ولی کو چاہیئے کہ وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے ۔

تَدَايَنْتُمْ: تم نے ایک دوسرے کو قرض (ادھار) دیا ۔ تَدَایُنٌ سے ماضی ۔

اَجَلٍ: مدت ۔ وقت ۔ مہلت ۔

مُسَمًّى: مقرر کیا ہوا ، معین ۔ نام رکھا ہوا ۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول ۔

لِيُمْلِلِ: تاکہ وہ املا کرائے ۔ تاکہ وہ لکھوائے ۔ اِمْلَاءٌ سے امر غائب ۔

يَبْخَسْ: وہ کم کرتا ہے ۔ بَخْسٌ سے مضارع ۔

تشریح: اسلام سے پہلے دنیا کا تمام کاروبار صرف زبانی ہوتا تھا ۔ لکھنے لکھانے اور دستاویز تیار کرنے کا دستور نہ تھا ۔ سب سے پہلے قرآنِ کریم نے اس طرف توجہ دلائی کہ جب تم کسی معین مدت کے لئے آپس میں ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت یہ دستاویز کام آئے ۔ اس زمانے میں لکھنا عام نہ تھا اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھدے ۔ اس لئے لکھنے والے کے لئے بھی ضروری قرار دیا کہ وہ کسی فریق کی طرفداری نہ کرے اور نہ فانی نفع کے لئے اپنا دائمی نقصان کرے ، بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ لکھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنے کا ہنر عطا فرمایا ہے اس لئے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ دستاویز کا مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے

یعنی جس نے ادھار لیا اور وہ لکھوانے میں ذرہ برابر کمی نہ کرے اور اس بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والا بے عقل ہے یا نا سمجھ ، بوڑھا یا نا بالغ بچہ ہے ۔ گونگا یا اس کے حواس درست نہیں ہیں یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہے جس کو لکھنے والا نہیں سمجھتا ، اس لئے وہ دستاویز لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا ۔ ایسی تمام صورتوں میں اس کا ولی دستاویز لکھوائے ۔ (معارف القرآن ۶۸۵ ، ۶۸۶/ ۱) ۔

تحریر پر گواہ بنانا

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ۚ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۚ

اور اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو ۔ پھر اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور ایسی دو عورتوں کو گواہ بنالو جن کو تم گواہوں میں پسند کرتے ہو ۔ کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اسکو یاد دلا دے گی اور جب گواہوں کو (گواہ بننے کے لئے) بلایا جائے تو ان کو انکار نہیں کرنا چاہئے

تشریح : یہاں ایک اہم اصول کا بیان ہے کہ دستاویز کی تحریر کو کافی نہ سمجھو بلکہ اس پر گواہ بنالو تاکہ اگر کسی وقت کوئی باہمی نزاع پیش آجائے تو عدالت ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ کر سکے ۔ فقہا کے نزدیک محض تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ۔ جب تک کہ اس پر شرعی شہادت موجود نہ ہو ۔ گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے ۔ ایک مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لئے کافی نہیں ۔ ایک مرد کے بدلے دو عورتیں مقرر کرنے کی حکمت یہ بتائی کہ اگر ایک عورت گواہی کو بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے ۔ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ جب لوگوں کو کسی معاملہ میں گواہی کے لئے بلایا جائے تو ان کو آنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شہادت جھگڑے ختم کرنے کا طریقہ ہے ۔ اس لئے اس کو خدمت سمجھ کر ادا کرنا چاہئے ۔ گواہ مسلمان ہوں ۔ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا

جاسکے ۔ فاسق و فاجر نہ ہوں ۔ (معارف القرآن ۶۸۶ ، ۶۸۷ / ۱) ۔

گواہی کے احکام

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْكَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؕ

اور تم اس (معاملے) کے لکھ لینے میں کاہلی نہ کرو خواہ اپنی مقررہ میعاد تک کا وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ زیادہ منصفانہ بات ہے اور گواہی کے لئے بھی بہت صحیح ہے ۔ اور یہ زیادہ قرین عقل ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر جبکہ وہ لین دین دست بدست ہو اور جس کو تم باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے پر تمہیں کوئی گناہ نہیں ۔ اور تم خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ۔

تَسْئَمُوْا : تم اکتانے لگو ۔ تم کاہلی کرنے لگو ۔ سَاٰمَۃٌ سے مضارع ۔

تَرْتَابُوْا : تم شبہ میں پڑو ۔ تم شک کرو ۔ اِرْتِیَابٌ سے مضارع ۔

تُدِيْرُوْنَهَا : تم اس کو گھماتے ہو ۔ تم اس کو گردش میں لاتے ہو ۔ اِدَارَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح : پھر فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے ۔ اس میں اکتانا نہیں چاہئے کیونکہ معاملات کو قلمبند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور شہادت دینے اور شک و شبہ سے بچنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے ۔ البتہ اگر کوئی معاملہ نقد ہو ، ادھار نہ ہو تو اس کو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس میں بھی گواہ بنا لیا کرو شاید کسی وقت فریقین میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلہ میں یہ شہادت کام آجائے گی ۔ اس

کے بعد فرمایا کہ کسی لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ اگر تم نے لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان پہنچایا تو اس کا گناہ تم پر ہوگا ۔ اسی لئے فقہا نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا اپنے لکھنے کی مزدوری مانگے یا گواہ اپنی آمدورفت کا ضروری خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے ۔ اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل اور نا جائز ہے ۔ قرآن کریم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ کسی قانون کو بیان کرتے وقت اس سے پہلے یا اس کے بعد روز جزا اور اللہ تعالیٰ کا خوف دلا کر لوگوں کو ذہنی طور پر تعمیل کے لئے آمادہ کرتا ہے ۔ اس لئے اس آیت کا خاتمہ بھی خوف خداوندی پر کیا اور بتاد یا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ۔ اگر تم کسی حیلہ سے بھی کوئی خلاف ورزی کروگے تو بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے ۔ (معارف القرآن ۶۸۷ ، ۶۸۸ \ ۱) ۔

رہن کی ہدایات

۲۸۳ - وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن رکھے جانے کے قابل چیزیں (صاحب حق کے) قبضہ میں دیدو ۔ پس اگر تم میں سے ایک ، دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (قرض دار) اس کو چاہیئے کہ وہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے جو اس کا رب ہے اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپاتا ہے تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے ۔

فَرِهٰنٌ : پس رہن رکھنا ، پس گروی رکھنا ۔ اس کا واحد رہن ہے جس کے معنی روک لینے کے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص اپنے حق کے بدلے (جائز طور پر) روک لے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کر سکے ۔

اٰمِنَ : اس نے اعتبار کیا ۔ وہ بے خوف ہو گیا ۔ اَمْنٌ سے ماضی ۔

فَلْيُؤَدِّ : پس چاہئے کہ وہ ادا کرے ۔ تَادِيَةٌ سے امر غائب ۔

تشریح : اس آیت میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں ۔

(۱) ادھار کے معاملہ میں اعتماد کے لئے کوئی چیز گروی رکھنا جائز ہے ۔ مگر رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا جائز نہیں ۔ مرتہن کو صرف اس قدر حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک اس چیز پر اپنا قبضہ رکھے ۔

(۲) اگر کسی شخص کو کسی نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو تو وہ شہادت کو نہ چھپائے ۔ اگر اس نے شہادت کو چھپایا تو اس کا دل گنہگار ہے ۔ (معارف القرآن ۶۸۸ / ۱) ۔

اعمال کا محاسبہ

۲۸۴ - لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ؕ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ، خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا ۔ وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائے گا ۔ یہاں محاسبہ سے وہ ارادے اور نیتیں مراد ہیں جو انسان اپنے قصد اور اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور ان پر عمل کی کوشش بھی کرتا ہے ۔ مگر اتفاقاً کچھ موانع پیش آ جانے کی بنا پر ان پر عمل نہیں کرسکتا ۔ قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا ۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنے فضل و کرم سے بخشدے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ۔ رہے وہ خیالات جن پر آدمی کا اختیار نہیں جیسے بھول چوک

اور وساوس جو انسان کے دل میں بغیر ارادے کے آجاتے ہیں بلکہ ان کے خلاف ارادہ کرنے پر بھی وہ آتے رہتے ہیں ۔ ایسے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے ۔ (معارف القرآن ۶۹۰ / ۱) ۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو (اتنا) قریب کرلیگا کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر چھپا دے گا اور فرمائے گا کہ کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے ۔ کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے ۔ بندہ عرض کرے گا ۔ " اے میرے رب ! بیشک " (مجھے اپنا گناہ یاد ہے) جب اللہ تعالیٰ اس سے اقرار کرالے گا اور وہ خیال کرے گا کہ بس اب میں ہلاک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ۔ " میں نے دنیا میں تیرا گناہ چھپایا تھا (تجھے رسوا نہیں کیا تھا) آج میں معاف کرتا ہوں ۔ اس کے بعد نیکیوں کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا ۔ رہے کافر اور منافق تو اللہ تعالیٰ ان کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کرے گا اور ان کے گناہ ظاہر کرے گا ان کے بارے میں پکار کر اعلان فرمائے گا ۔

هَٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ
(ھود ۱۸) ۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا ۔ ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ۔ (مظہری ۴۳۹ / ۱) ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں ، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نا فرمانی کر تے ہیں ۔ میں ان کو گالیاں دیتا ہوں اور مارتا ہوں ۔ ان کے ساتھ میرا سلوک کیسا ہے آپؐ نے فرمایا " جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے جھوٹ ، خیانت ، نافرمانی اور تیری سزا کا حساب لیا جائیگا ۔ اگر تیری سزا ان کے قصور کے برابر ہو گی تو معاملہ برابر برابر چھوٹ جائیگا ۔ نہ تیرا فائدہ ہوگا نہ نقصان ۔ اگر سزا قصور سے کم ہوگی تو بقیہ حصہ تیرے لئے سود مند ہوگا (یعنی تو نے جس گناہ کی سزا انہیں دی ہوگی اس کا تجھے ثواب ملے گا) اور اگر سزا قصور سے زائد ہوگی تو ان کو زیادتی کا عوض تجھ سے دلوایا جائیگا ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی ۴۳۹ / ۱) ۔

ایمان مفصل و دعائیہ کلمات

۲۸۵ ، ۲۸۶ - اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؏

جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور مومنین یقین رکھتے ہیں ۔ ہر ایک ، اللہ تعالیٰ ، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا ۔ ہم ان میں سے کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہدیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس نے اچھے کام کئے تو اس نے اپنے ہی لئے کئے اور جس نے برے کام کئے تو وہ بھی اپنے لئے (یعنی اس کا وبال بھی اسی پر ہے) اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں تو اس پر ہماری گرفت نہ فرما ۔ اے ہمارے رب ، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے والوں پر ڈالدیا گیا تھا اور اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جس (کے اٹھانے) کی ہمیں طاقت نہ ہو اور تو ہم سے در گزر فرما اور ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم فرما ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ۔ پس تو ہمیں کافروں پر فتح یاب کر ۔

يُكَلِّفُ : وہ تکلیف دیتا ہے ۔ وہ مشقت میں ڈالتا ہے ۔ تکلیف سے مضارع ۔

كَسَبَتْ : اس نے کیا ۔ اس نے کمایا ۔ کسب سے ماضی ۔

اِصْرًا : بھاری بوجھ ۔ سخت حکم ۔ دشوار کام ۔

ان آیتوں کے فضائل: حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزانوں میں سے نازل فرمائی ہیں ۔ جن کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھدیا تھا ۔ جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام الیل یعنی تہجد کے قائمقام ہو جاتی ہیں ۔ حاکم اور بیہقی کی روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خاص خزانہ سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ۔ اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ ۔

شانِ نزول: اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ کے نزول کے بعد صحابۂ کرام یہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ وساوس پر بھی محاسبہ فرمائے گا ۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں اسی کا حساب ہوگا اور دل میں جو غیر اختیاری خیالات آ جاتے ہیں ان کا حساب نہ ہوگا ۔ مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں آنے والے ہر خیال کا حساب ہوگا ۔ اس طرح تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار کیا اور صحابہ کرام کو تلقین فرمائی کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم آئے خواہ وہ آسان ہو یا دشوار اس کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہئے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سن کر تمہیں یہ کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (اے ہمارے پروردگار ہم نے آپ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی ۔ اے ہمارے پروردگار اگر حکم کی تعمیل میں ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کو معاف فرمادے کیونکہ ہم سب کو آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے) صحابۂ کرام نے آپؐ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا ۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں ۔ (معارف القرآن ۶۹۴ ، ۶۹۵ / ۱) ۔

تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کی تفصیل بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان لائے ، اس کے فرشتوں ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس امت کے مومنین سابقہ امتوں کی طرح انبیاء کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کریں

گے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں جیسا کہ یہود نے حضرت موسیٰؑ کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانا مگر خاتم الانبیاء حضرت محمدِ مصطفیٰ ، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابۂ کرام کے اس جملہ پر ان کی تعریف کی گئی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق زبان سے کہا تھا ۔ یعنی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۔

اس کے بعد اگلی آیت میں اس شبہ کو دور کر دیا جو محاسبہ کے بارے میں اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا اور فرمایا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کا حکم نہیں دیتا) ۔ اس لئے غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وسوسے دل میں آ جاتے ہیں اور ان پر عمل نہ کیا ہو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں ۔

حساب اور مواخذہ صرف ان اعمال پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے کئے جائیں ۔ اس سے صحابہ کو اطمینان ہو گیا ۔ آخر میں اسی مضمون کو مزید واضح کرنے کے لئے فرمایا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۔ یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کام کا ہوتا ہے جو وہ ارادے سے کرتا ہے اور عذاب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے ۔ اس کے بعد ایک خاص دعا تلقین فرمائی ۔ جس میں بھول چوک سے سرزد ہونے والے کسی فعل کی معافی طلب کی گئی ہے ۔ (معارف القرآن ۶۹۶ ، ۶۹۸ / ۱) ۔

فرمانِ رسول

رسول اللہ کا پیغام پہنچانا ۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو اور تم بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرسکتے ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا تو اسے اپنے جہنم کے ٹھکانے کے لئے تیار رہنا چاہیے (بخاری شریف) ۔

اہم ماٰخذ و مصادر

تفسیر ابن کثیر (عربی) - حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی - مطبوعہ مصر -
تفسیر مظہری (عربی) - قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی - اشاعت العلوم - حیدر آباد کن -
تفسیر بیضاوی (عربی) - قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر محمد الشیرازی البیضاوی - مکتبہ الجمہوریہ المصریہ -
تفسیر النسفی (عربی) - علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی دار احیاء کتب العربیہ -
تفسیر جلالین (عربی) - علامہ جلال الدین محمد بن احمد المحلی و علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکرالسیوطی - دارالمعرفہ - بیروت - لبنان -
تفسیر معارف القرآن - مولانا مفتی محمد شفیع - ادارہ المعارف - کراچی -
تفسیر معارف القرآن - مولانا محمد ادریس کاندھلوی - مکتبہ عثمانیہ لاہور -
تفسیر حقانی - علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی - نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی -
تفسیر بیان القرآن - مولانا اشرف علی تھانوی - اشرف العلوم ادارہ ہادی - دیوبند - یوپی - بھارت
صحیح البخاری (عربی) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری - مطبوعہ مصر -
ہادی اعظم - سید فضل الرحمن - ادارہ مجددیہ کراچی -
منازل العرفان - مولانا محمد مالک کاندھلوی - ناشران قرآن لمیٹڈ-لاہور -
الاتقان فی علوم القرآن (اردو) علامہ جلال الدین سیوطی -
علوم القرآن مولانا محمد تقی عثمانی - مکتبہ دارالعلوم کراچی -
علوم القرآن - مولانا سید شمس الحق افغانی - مدرسہ فاروقیہ بھاولپور -
المفردات فی غریب القرآن - حسین بن محمد المفضلی الراغب الاصفہانی - نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی -
معجم القرآن - سید فضل الرحمن - ادارہ مجددیہ کراچی -
مرآۃ القرآن مولانا عبدالحی - میر محمد کتب خانہ - آرام باغ کراچی -
المنجد (عربی) لویس معلوف الیوعی -
المنجد (عربی اردو) ابو الفضل عبدالحفیظ بلیاوی - مکتبہ برہان دہلی -
بیان اللسان (عربی اردو) قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی - دارالاشاعت کراچی -
لغات الحدیث (کامل ۴ جلد) علامہ وحید الزمان - میر محمد کتب خانہ کراچی -